



مساجد ہوشیار پور



میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

مشائخ ہوشیار پور

— ان —

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی (ہوشیار پوری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب العالمین و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

برحمتک یا ارحم الراحمین

بعد حمد و نعت کے یہ اصنفت العباد میاں عطاء اللہ ساگر وارثی ہوشیار پوری
عرض پر پاز ہے کہ مجھ کو اوائل عمر سے ہی بزرگان دین و اولیا اللہ کے ساتھ محبت
و اعتقاد ہے اور اکثر بزرگان دین کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ جن بزرگان
دین کا تذکرہ کتاب ہذا میں درج ہے ان بزرگوں کے نام اب تک باقی ہیں جنہوں نے
خدا کی راہ میں اپنی جانیں دیں اور اس کے عشق و محبت میں وفات پائی۔

ہرگز نمیرد آں دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی
علی عنہ

DATA RECORDED

۲۹۷۶۶۹۲
۲۱۶.۵
۳۵۳۵۰

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب _____ مشائخ ہوشیار پور
مصنف _____ میاں عطاء اللہ ساگر وارثی
ناشر _____ میاں محمد شہزاد ساگر وارثی
تعداد _____ پانچ سو
تاریخ اشاعت _____ فروری ۱۹۹۱ء
پریس _____ طیب چال پرنٹرز - لاہور
ہدیہ _____ ۱۵۰ روپے
کتابت _____ اسرار احمد
پتہ _____ وارثی منزل، پاک سٹریٹ اسلام آباد کالونی
سمٹن آباد لاہور

فہرست

	تیسرا باب	۷	دیباچہ
۶۷	تحریک آزادی پاکستان	۱۱	تقریظ و تعارف
۷۸	مسلم طلبہ دوسوہہہ کا انتخابی دورہ	۱۶	مشائخ ہوشیار پور
۹۶	غیر مسلموں کے تاثرات	۱۸	قطعہ تاریخ
۹۹	مسلم لیگ کا ترانہ		پہلا باب
	چوتھا باب	۲۱	تاریخ ہوشیار پور
	مشائخ ہوشیار پور	۲۵	مسلمانوں کا دور
۱۰۳	حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صابریؒ	۲۲	دورِ خالصہ
۱۳۱	حضرت شاہ الہی بخش المعروف پیر الہی شاہؒ	۲۶	دورِ برطانوی
۱۳۶	حضرت قبلہ محمد خاں چشتی نظامیؒ	۲۹	میلے اور تھوار
۱۵۱	حضرت میاں علی محمد خاں چشتی نظامیؒ	"	مذہبی تھوار
۱۵۳	حضرت سید میراں غلام محی الدین قادریؒ	"	تحصیل اونہ میں میلے اور تھوار
۱۵۸	حضرت سید غلام غوث قادریؒ	"	تحصیل ہوشیار پور میں میلے اور تھوار
۱۵۹	حضرت سائیں میراں شاہ قادریؒ	"	تحصیل گڑھ شکر کے میلے اور تھوار
۱۶۲	حضرت بابا مست علی بخشؒ	"	تحصیل دوسوہہہ کے میلے اور تھوار
۱۶۵	حضرت بابا بوڑھے شاہؒ اور بابا چراغ شاہ	۳۳	زبانیں
۱۶۸	حضرت خواجہ عبد الخالقؒ	۳۵	اقوام
۱۷۰	حضرت عمر دین چشتی نظامیؒ		دوسرا باب
۱۷۳	حضرت شاہ بخش نوشاہیؒ	۵۳	بزرگ ہندوپاک میں مذہب اسلام کی آمد
۱۷۳	حضرت سرکار صدق شاہ صابریؒ	۵۶	فتح سندھ بہ عہد ولید بن عبد الملک

۲۲۱	سید برکت علی شاہ	۱۴۴	حضرت میاں خاکی شاہ
۲۲۲	بابا جیوے شاہ نوشاہی	۱۴۵	حضرت میاں غلام داؤد
۲۲۳	بابا ملنگ شاہ نوشاہی	۱۴۶	حضرت بابا ماہی شاہ نوشاہی
۲۲۴	حضرت کالا شاہ نوشاہی	۱۴۸	حضرت میاں نصر اللہ صاحب
۲۲۵	میاں شاہ چراغ نوشاہی	۱۴۹	حضرت غلام رسول صاحب
"	سید حیدر شاہ نوشاہی	۱۸۰	حضرت خواجہ حافظ کرم بخش چشتی صابری
۲۲۶	میاں غلام محمد نوشاہی	۱۸۶	حضرت خواجہ قادر بخش
"	میاں عطاء محمد نوشاہی	۱۹۰	حضرت سید حافظ غلام چشت
۲۲۸	میاں عبدالغفور نوشاہی	۱۹۲	حضرت بابا تعلق شاہ
"	میاں محمد بخش نوشاہی	۱۹۳	حضرت بابا قطب شاہ
۲۲۹	بابا نور شاہ (جھنگی نور شاہ والے)	۱۹۵	حضرت عبدالنبی شامی
"	بابا سپاہی شاہ نوشاہی	۱۹۷	خطوط حضرت عبدالنبی شامی
۲۳۰	سید غریب شاہ (پنکھوہ والے)	۲۰۱	حضرت مولوی غلام رسول
"	شجرہ فقراء بابا ماہی شاہ نوشاہی	۲۰۸	بابا رحمت علی چشتی صابری
۲۳۲	مولانا عبدالغنی صاحب	۲۱۲	حضرت شاہ حسین قادری
۲۳۴	خواجہ محمد افضل چشتی صابری	۲۱۳	بابا سوندھی شاہ (نوشاہی)
۲۳۷	میاں حسن محمد (جھنگی شریف والے)	۲۱۵	بابا کالے شاہ نوشاہی
۲۳۸	شجرہ فقراء میاں حسن محمد نوشاہی	۲۱۶	سائیں بولے شاہ واگھو والی (نوشاہی)
۲۳۹	حضرت بابا میرے شاہ	۲۱۷	بابا رمضان علی شاہ (نوشاہی)
۲۴۰	شجرہ طریقت بابا میرے شاہ چشتی نظامی	۲۱۸	میاں بڈھے شاہ (جھنگی والے)
۲۴۲	حضرت مائی بھاگن شاہ	"	میاں جھنڈے شاہ نوشاہی (جھنگی والے)
۲۴۳	بابا شاہ نور جمال	۲۱۹	میاں رحمت علی شاہ نوشاہی
۲۴۴	مولانا شاہ فقیر اللہ	"	میاں علی گوہر نوشاہی
۲۴۹	حضرت قبلہ میاں قادر بخش قادری	۲۲۰	حضرت عبداللہ شاہ نوشاہی

۲۴۱	حافظ محمد حنیف بٹالوی	۲۵۰	حضرت قبلہ پیر علی معظم قادریؒ
"	حضرت سرکار یار محمد چشتی صابریؒ	۲۵۱	حضرت گامے شاہ قادریؒ
۲۴۲	حضرت سرکار شیخ جلال الدین چشتی صابریؒ	۲۵۲	بابا صدر الدینؒ
"	حضرت سرکار امیر شاہ چشتی صابریؒ	۲۵۳	بابا رحمت علی شاہؒ مجذوب
۲۴۳	حضرت سید بڈھن شاہؒ	۲۵۴	بابا برہمی شاہؒ
"	سید بان شاہؒ	"	حضرت پیر دریائیؒ
۲۴۴	صوفی غلام محمد المعروف بابا گھوڑیاں والا	۲۵۷	بابا سالار غازیؒ
۲۴۵	حضرت محمد جان نقشبندیؒ	"	حضرت بابا چراغ شاہؒ
۲۴۶	قطب عالم حضرت حاجی سید محمد طاہرؒ	۲۵۸	حضرت بابا بٹے شاہ
۲۴۳	حضرت میاں دولت علی چشتی صابریؒ	۲۵۹	حضرت صوفی شیخ احمد
۲۴۵	حضرت مولوی نوازش علی چشتی نظامیؒ	۲۶۰	حضرت شیخ راندے
۲۴۶	حضرت سید اللہ یار شاہؒ		

انتساب

حضرت سرکار وارث عالم پناہ حافظ حاجی تید وارث علی شاہ اعلیٰ مقامہ قصبہ دیوی شریف
تحصیل و ضلع بارہ بنکی یو۔ پی بھارت کے منظور نظر بابا رحمت علی چشتی صابریؒ کی پھلواری حاجی
عالم وارثی، شہزاد وارثی اور غلام فرید وارثی کے نام۔



بابا رحمت علی چشتی صابری (والدِ محترم مصنف)

دیس باچہ

میرے دل میں مشائخ ہوشیار پور لکھنے کی ضرورت اور اُمنگ ایسے پیدا ہوئی کہ میں نے ایک عرصہ تک اولیائے لاہور، سندھ، پنجاب، رام پور، بدایون، لاہر پور، حیدرآباد دکن، بنگال، قصور اور دہلی وغیرہ کی مجالس کا مطالعہ کیا۔ لہذا اس اُمنگ اور آرزو کے پیش نظر مشائخ ہوشیار پور لکھنا شروع کر دئے اور یہ بھی خواہش تھی کہ یہ چھپ جائے، تاکہ جن محبان اولیا کو اولیائے اکرام سے عقیدت و محبت ہے۔ مستفیض ہوں اور روحانی مستر میں حاصل کر سکیں۔ ویسے بھی میرا تعلق اس ضلع ہذا سے ہے جہاں میں پیدا ہوا۔ بچپن گزارا اور یہیں سے ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا اور اپنی اسکھول سے پاکستان معرض وجود میں آتے دیکھا۔ پھر یہیں سے جب ملک کا ہوارہ ہوا کن کن مشکلات کا سامنا ہوا اور ہجرت کر کے پاکستان پہنچے۔

اس کے پہلے باب میں ضلع ہذا کو ہوشیار پور تاریخ کے آئینے میں تفصیلی طور پر تحریر کیا گیا ہے۔ تاکہ قارئین اکرام اس ضلع کی تاریخ سے استفادہ کریں اور معلومات سے روشناس ہو سکیں۔

دوسرے باب میں برصغیر ہندوستان میں مذہب اسلام کی آمد جس سے اقوام ہندو متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور پھر خود بھی انہوں نے اسلام کی تبلیغ بڑے احسن طریقے سے کی۔

تیسرے باب میں تحریک پاکستان میں ہوشیار پور کا کردار جس میں مسلم لیگ کے لیڈروں نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور انتخابات میں مسلم لیگ، کانگریس اور دیگر جماعتوں کے مقابلے میں ہر اسٹیشن پر کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اور بزرگوں کی دعاؤں سے پاکستان معرض وجود میں آیا۔ کتاب ہذا میں رُوح فرسا واقعات کہ کس طرح سے لوگ ہجرت کر کے مقدس سرزمین پاکستان پہنچے کس طرح سے ہندوؤں، سکھوں نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ابھی تک ان واقعات کے یادوں کے نقوش ذہن پر کچھ ایسے

کندہ ہو چکے ہیں جو مٹانے سے بھی نہیں مٹتے جن کو پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ابھی تک بڑی تعداد میں مسلمان عورتیں جواب تک بوڑھی ہو چکی ہیں اور سینکڑوں بچے جو فسادات میں والدین سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ ہندوستان میں رہ گئے اپنے مذہب اسلام سے الگ ہو چکے ہیں۔ میرے ایک بڑے گھرے دوست نے جو کہ چند سال پہلے بطور زائر بھارت گیا تھا اس نے راقم الحروف کو ایک ایسا سچا واقعہ جو دل کو تڑپا دینے والا تھا۔ سنایا کہ میں موضع ہردو تھلہ شرین تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور پنجاب بھارت میں خواجہ خواجگان حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صاحب صبری علیہ الرحمۃ کے مزار اقدس پر حاضری دے رہا تھا۔ وہاں پر ایک ایسی عورت سے ملاقات ہوئی جو مسلمان تھی۔ اس نے بتایا کہ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا ہندوؤں، سکھوں کے فسادات شروع ہو چکے تھے۔ اس دوران میں ہمارے گاؤں پر بھی ہندوؤں سکھوں نے بہت بڑا حملہ کیا۔ اس حملے میں عورتوں مردوں اور بچوں کو قتل کیا گیا۔ جوان لڑکیوں کو جبراً اغوا کیا گیا۔ ان جبراً اغوا شدہ لڑکیوں میں بد قسمتی سے میں بھی تھی اور ایک میری بھابی تھی۔ ہمارے ساتھ کیا کیا بدسلوکیاں کی گئیں۔ کہاں کہاں ہمارے سودے ہوئے۔ آخر کار میں ایک بوڑھے سکھ کے ہاتھوں میں بی۔ جس سے اولاد ہوئی اور اب جوان ہو چکی ہے۔ بوڑھا سکھ جو میرا خاوند تھا اس کا کرپا کر م ہو چکا ہے۔ میں یہاں اس مزار اقدس پر ایک مسلمان ہونے کے ناطے سے اکثر آتی ہوں۔ شاید کسی پاکستانی سے میری ملاقات ہو جائے اور میرے کچھ عزیز واقارب جو اب پاکستان میں ہیں۔ ان کو میرے متعلق اطلاع کر سکیں۔ میری آخری خواہش یہ ہے کہ مرنے کے بعد میں ان بدکردار کافروں کے ہاتھوں نذر آتش نہیں ہونا چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ مسلمان طریقے پر میرا آخری وقت ہو اور عزیز واقارب مجھے اپنے ہاتھوں سے دفن کریں۔

ضلع ہذا کا چوتھا باب مشائخ ہوشیار پور کے عنوان سے تحریر کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ باب مکمل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود میں نے حتی الوسع کوشش کی ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ قارئین اکرام بزرگوں کے حالات سے مستفیض ہو سکیں۔

کتاب ہذا کی ہمیں درتیب میں جو مشکلات پیش آئیں۔ وہ تو بظاہر کافی ہیں، مگر میرے قلبی لگاؤ اور انہی شوق و محبت نے ان پریشانیوں کو محسوس نہیں ہونے دیا۔ ان بزرگان دین کے حالات اور خاکہ حیات کو یکجا کرنے کے لیے جن دوستوں احبابوں کو زحمت دی۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جو اپنی کم علمی کی وجہ اور عقیدت و محبت زیادہ رکھنے کی وجہ سے زباں زد عام روایتوں سے معلومات فراہم کرتے رہے۔ میرے مقاصد کی ان زبانی روایتوں سے تکمیل ہوتی نظر نہ آئی تو لائبریریوں کا رخ کیا۔ وہاں پر جا جا کر کتابوں کو کھنگالتا رہا، لہذا ان سے کچھ مواد بھی ملتا رہا، مگر تشنہ لبی رہی۔ اگر آج بھی ادیب محقق حضرات اور اہل محبت قلم نگار اپنی ذہنی صلاحیتوں کو

بروئے کار لائیں تاکہ بڑھیں اور بھرپور دستِ تعاون اس سلسلے میں بڑھائیں تو اس ضلع میں جن بزرگ ہستیوں نے اسلام کی تبلیغ میں حصہ لیا۔ داسے درمے قدمے سُننے اسلام کی خدمات سرانجام دیں۔ گندے ذہنوں کو اندھیرے سے نکال کر اُجالے میں کھڑا کر دیا۔ اس معاشرے کے بدکردار لوگوں کے قلوب میں انقلاب پیدا کیا۔ ان کی بدفطرت عادات و افعال سے ان کو آگاہ کیا گیا، تاکہ اصلاحی پہلو اختیار کریں۔ ان میں مذہبی لگاؤ اور عشق و محبت کا رجحان پیدا کیا گیا۔ اخوت پرستی کا سبق دیا گیا۔ معاشرے میں رہنے کے لیے اصول بتائے۔ والدین کے آداب۔ بزرگوں کے آداب غرض کہ دُنیا میں ایک پُر سکون زندگی بسر کرنے کے لیے اسلامی اصول بتائے گئے اور عملی زندگی کا حصہ بنائے گئے۔ ان کے سامنے ایسا کردار پیش کیا گیا۔ بقول حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کوئی اجنبی میرے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا دُنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب آپ ہیں کہ جو نعمتیں بادشاہوں کو میسر نہیں ہیں وہ گھر بیٹھے سب لوگ آپ کے قدموں میں لاکر رکنتے ہیں۔ دُنیا میں ہر آدمی طرح طرح کے فکر میں رہتا ہے، مگر آپ کو نہ کھانے کی فکر ہے۔ نہ مکان کا فکر ہے۔ نہ خدمت گاروں کا فکر ہے کہ بغیر فکر کے آپ کے لیے ہر چیز موجود ہے۔ مجھے اس اجنبی کی بیربات سُن کر رونا آ گیا اور میں نے اس سے کہا یہ سب نعمتیں اس واسطے لوگ مجھے دیتے ہوں کہ وہ لوگ کسی نہ کسی دکھ میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ عقیدہ لے کر آتے ہیں کہ میری دُعا سے اُن کا دکھ دُور ہو جائے گا۔ اس طرح اگر صُبح سے شام تک پچاس دُکھیا بھی میرے پاس آئیں تو مجھے اُن کے پچاس دُکھ سُننے پڑتے ہیں۔ اور جب میں ان کا دکھ دُور ہونے کے لیے خدا سے دُعا کرتا ہوں تو ہر ایک کا دُکھ اپنے اُوپر طاری کرتا ہوں، کیونکہ بغیر اس کے دُعا قبول نہیں ہوتی۔ پس جو آدمی رات دن سو پچاس دُکھوں میں مبتلا رہتا ہو۔ اس کو نہ نعمتوں میں مزا آتا ہے نہ خدمتوں میں اور نہ کسی اور چیز میں۔ ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کے حالات زندگی جو کوششِ بسیار سے دستیاب ہو سکے۔ قدرے اختصار کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ ابھی تک کئی ایسے بزرگانِ دین ہیں۔ امثالاً۔ قصبہ بھنگالہ میں سرکار برہمنی شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ دوسوہہ کے نواح میں پیر دیانی اور پیر پھلاہی، منصور پور اور کول پور کے نواح میں میاں شہاب علی دولہا۔ ہوشیار پور کے نواح میں شاہ نور جمال علیہ الرحمۃ۔ سالار غازی علیہ الرحمۃ۔ اس کے علاوہ بھی بہت ایسی بزرگ شخصیتیں ہیں جن کے اسمائے گرامی ذہنوں سے بھی نکل چکے ہیں۔ اسی ضلع میں ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے۔ نہ ان کے مزارِ اقدس کا کسی کو پتہ ہے اور نہ ہی آپ کے اسمِ گرامی سے کوئی شخص واقف ہیں۔ ان کے مزاروں پر روایتی میلے بھی انعقاد پذیر ہوتے تھے جس سے اس دور کے ثقافتی زندگی کی عکاسی ہوتی تھی۔ عوامِ میلوں میں بلا تین مذہب و ملت شرکت کرتے تھے۔ اپنے اپنے علاقوں کی مقامی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے تھے اور ہونا بھی چاہیے تھا کہ نام نیک رفتگاں ضلع مکن۔

آخر میں ان احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے ساتھ اس کتاب کی ترتیب میں بھرپور دست
 تعاون بڑھایا۔ خاص کر حضرت میاں آصف صاحب صابری مدظلہ العالی مولوی تاج الدین صاحب صابری اور
 صوفی محمد الیاس صاحب صابری جن کی بھرپور محنت نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایک بار پھر ان احباب کا دل سے
 شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر کتاب ہذا میں کوئی غلطی پائیں تو احباب و ناظرین عفو فرمائیں۔ کتاب ہذا خیر و برکت کے لیے تحریر کی
 گئی ہے۔ میں کوئی مشہور مصنف نہیں ہوں کہ میرا نام ہو جائے۔ میری دعا ہے کہ جو بھی کتاب ہذا کا مطالعہ کرے اللہ تعالیٰ
 اس کو دینی و دنیوی نعمتوں سے نوازے اور نوازتا رہے۔ اللہم وارثنا آمین۔

خادم الفقراء

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

یکم رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ ہجری



(۱)

تقریظ

ایک کتاب 'خیر الوارثین' جو بزرگان سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ وارثیہ خصوصاً حضرت حاجی سیدنا وارث علی شاہ دیوہ شریف، حضرت بیدم شاہ وارثی اور حضرت حاجی حیرت شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر مشتمل ہے میاں عطاء اللہ ساگر وارثی زیور طبع سے آراستہ کر کے شائع کر چکے ہیں۔ اب یہ ان کی دوسری کاوش و کوشش ہے جو انہوں نے مشائخ ہوشیار پور کے نام سے ترتیب دی ہے۔ یہ لگن اور شوق کی بات ہے۔ ورنہ یہ راہ بہت ہی کٹھن اور دشوار گزار ہے جیسے کسی نے کہا ہے۔

بہت کٹھن ہے ڈگر پنگھٹ کی

کیسے میں بھر لاؤں مدہوائے مشکلی

لیکن باوجود اس پنگھٹ کی راہ کٹھن ہونے کے میاں ساگر وارثی افتال و خیراں گرتے پڑتے دن رات کی کوشش و کاوش، تجسس و جستجو کے پنگھٹ پر پہنچ ہی گئے اور مدہوائے مشکلی بھر ہی لائے۔

آفریں باد بریں ہمت مروانہ اؤ

تاہم سر زمین ہوشیار پور جہاں زرعی لحاظ سے ایک سرسبز و شاداب اور باغ و بہار علاقہ ہے۔ وہاں مردم خیز خطہ ہونے کے سبب سے بھی ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس علاقہ میں حضرت مسعود العالمین بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی چلہ گاہ بھی بھڑی بابا صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جھڑی ایک چھوٹا سا جنگل ہے مگر گنجان زیادہ ہے۔ جس کو عرصہ تک حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے ذکر و فکر سے معمور رکھا اور شہر ہوشیار پور سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر کوہ شوالک کی دا دیوں میں (بعض حضرات کے قول کے مطابق) حضرت بابا صاحب کے چشمہ فیضان سے سیراب شدہ آپ کے خلیفہ سیدنا حضرت شاہ

نور جمال چشتی رحمۃ اللہ علیہ موضع گلزار سلیرن میں محواستراحت ہیں۔ اسی بابرکت شہر ہوشیار پور کے ایک غیر معروف مکان کے صحن میں حضرت سید حافظ غلام چشت رحمۃ اللہ علیہ خاوادہ چشتیہ نظامیہ کے خلیفہ مدفون ہیں۔ اسی علاقہ کے ایک موضع عالم پور کوئلہ میں احسن القصص کے مصنف حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما ہیں۔ اسی پربہار خطہ کے ایک مشہور و معروف قصبہ ٹانڈہ شریف میں خاندان عالیہ چشتیہ صابریہ کے فاضل و افضل بزرگ حضرت خواجہ شیخ محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ کے خلفاء مجنوب ہیں۔ اس لحاظ سے اس کتاب کو صرف مشائخ ہوشیار پور کے نام سے موسوم کرنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ میرے خیال میں اس کو گلشن مشائخ ہوشیار پور کہا جائے تو زیادہ موزوں اور احسن ہوگا۔

جناب ساگر وارثی کے فرمان اور خواہش کے مطابق دو تاریخی قطعات برائے زیر نظر کتاب پیش کر رہا ہوں۔

گر قبول افتد زبے عز و شرف

قطعہ اول

عجب ہی پھولا پھلا گلشن مشائخ ہے
یہ سرزمین سدا گلشن مشائخ ہے
ہوا خیال جو تاریخ طبع کا آصف
فلک سے آئی نندا گلشن مشائخ ہے

(۱۴۰۶ ہجری)

قطعہ دوم

خلد بریں ہے یا ہے گلستان اولیاء
ہوشیار پور مخزن و بستان اولیاء
آصف انہی کے قدموں کی برکت سے بن گئی
یہ سرزمین بھی گلشن فیضان اولیاء

(۱۴۰۶ ہجری)

پیش کردہ

آصف صابری جالندھری، تانڈیالوالہ

۱۳ شوال المکرم ۱۴۰۶ھ

(۲)

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ كَانَ حَرْفًا ط کے فرمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحت میرے محسن میاں عطاء اللہ ساگر وارثی اپنے فریضہ سے باحسن عمدہ براہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور اسی یقین کامل اور عقیدہ راسخ کی مہک جس کی پیوند آن کے دل میں سلسلہ عالیہ چشتیہ وارثیہ کے فیض روحانی سے عطر بیزہ ہے اپنے حلقہ احباب کو خصوصاً اور گرد و پیش کو عموماً معطر کرنے کی اُمنگ لیے ہوئے "خیر الوارثین" کے بعد صحیفہ "مشائخ ہوشیار پور" کی پاکیزہ اشاعت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

خاکسار اس مقدس کوشش کے خیر مقدم کے لیے چمنستان قلندوی کا ایک خوشہ پیش کرنے کی سعادت حاصل

کرتا ہے۔

آتش اتنی بزم عالم بر فروز

دیگراں راہم ز سوزِ خود بسوز

اہل ذوق کی خدمت میں التماس ہے کہ

تازہ خواہی داشتن گرداغمائے سینہ را

گاہے گاہے بازخواں این قصہ پارینہ را

دعا ہے کہ یہ پاکیزہ اشاعت "ذکر الصالحین تنزل الرحمة" کا بے پایاں خزانہ ثابت ہو۔ آمین

خاکپائے اولیائے عظام

محمد ریاض الحق قریشی چشتی حقانی

خلف الرشید مخدوم میاں محمد عبدالحق

تاررکھ چشتی حقانی سر اجہ

اسے کتاب کے بارے میں

چند باتیں

تذکرہ رجال اسلامی تاریخ کا ایک اہم موضوع ہے۔ مسلمان مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے اس پر بے پناہ کام کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ بعض حضرات نے کسی ملک، بعض نے کسی صوبے اور بعض نے کسی ضلع اور علاقے کے علماء و فضلا اور صوفیاء و مشائخ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ یہ بہت بڑی اور اہم خدمت ہے جو اہل علم نے سرانجام دی ہے۔ "مشائخ ہوشیار پور" اس موضوع کی کتابوں میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

اس کے مصنف میاں عطا اللہ ساگر وارثی کو تصنیف و تالیف میں مہارت کا دعویٰ نہیں، وہ اپنے آپ کو عالم اور محقق بھی نہیں قرار دیتے۔ وہ منکسر اور متواضع قسم کے آدمی ہیں۔ یہ کتاب ان کے خلوص قلب اور حسن نیت کی آئینہ دار ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب شہر اور ضلع ہوشیار پور کی تاریخی حیثیت سے متعلق ہے۔ عنوان ہے "ہوشیار پور تاریخ کے آئینے میں" دوسرے باب میں برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی نشرو اشاعت کے بارے میں ضروری باتیں بیان کی گئی ہیں۔ تیسرے باب میں وضاحت کی گئی ہے کہ تحریک پاکستان میں ہوشیار پور کے مسلمانوں کا کیا کردار اور کیا حصہ تھا۔ چوتھا باب مشائخ ہوشیار پور کے حالات و کوائف پر مشتمل ہے اور درحقیقت اس کتاب کا یہی موضوع ہے۔

کلمہ حق کے اخذ و قبول میں برصغیر پاک و ہند کی سرزمین بڑی زرخیز ہے۔ مکہ اور مدینہ جنہیں مرکز اسلام کی حیثیت حاصل ہے، ارض ہند سے بہت دور تھے اور اس زمانے میں آمدورفت کے خاص ذرائع بھی نہ تھے، لیکن یہ خطہ اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اس کی تعلیمات سے آشنا ہو گیا تھا۔ پھر جلد ہی یہاں کے باشندوں کی اچھی خاصی تعداد نے اسلامی احکام و اوامر سے وابستگی اختیار کر لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ یہاں کے قصبات و بلاد اور دیہات میں قال اللہ و قال الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صدا نہیں بلند ہونے لگیں اور ملک کے گوشے گوشے میں اسلام کی صاف ستھری تہذیب و ثقافت کے دائرے وسیع ہونے لگے۔ انہی دنوں خطہ پنجاب میں بھی اسلام داخل ہوا اور اس نواح کے لوگوں پر اللہ کی ادائے رحمت سایہ نکلن ہوئی۔ ہوشیار پور کا ضلع بھی پنجاب میں شامل ہے جسے آزادی دہن کے بعد مشرقی پنجاب کہا جانے لگا ہے، اس کے باشندے بھی اسلام سے متاثر ہوئے اور اسے قبول کیا۔

مصنف نے مناسب الفاظ میں اس کی وضاحت کی ہے اور جو اولیاء و مشائخ اس ضلعے اور شہر میں پیدا ہوئے اُن کے حالات بیان کیے ہیں اور اپنے انداز میں اُن کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔
 علماء و مشائخ کے حالات و سوانح سے باخبر ہونے کے لیے اس قسم کی کتابوں کا مطالعہ بڑا ضروری ہے۔

محمد اسحاق بھٹو

ایڈیٹر سہ ماہی "المعارف"

ادارہ ثقافت اسلامیہ - کلب روڈ لاہور

۲۴ فروری ۱۹۹۰ء بمطابق ۷ رجب ۱۴۱۰ھ

مشائخ ہوشیار پور

علم اور عرفان کی روشنی پھیلانے والے بزرگوں کے حالاتِ زندگی اور کارناموں کو اجاگر کرنا اہل علم پر فرض بھی ہے اور فرض بھی۔ کیونکہ یہ اولیائے کرام دراصل اسلام کے چلتے پھرتے سفیر تھے جن کی کوششوں اور قربانیوں سے برصغیر میں توحید کا اجالا پھیلتا چلا گیا۔ جن لوگوں کو ریسرچ کا حوصلہ اور لکھنے کا سلیقہ ہے انہیں ضرور یہ خدمت انجام دینی چاہیے۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے تذکروں میں حُسنِ عقیدت کی جلوہ گزی زیادہ ہوتی ہے، لیکن اگر عقیدت کی مہک میں تحقیق کا پسینہ بھی شامل ہو تو لکھنے کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ میاں ساگر وارثی نے یہ حق اسی شان سے ادا کیا ہے۔

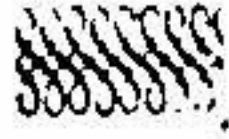
مصنف نے ضلع ہوشیار پور کی تاریخ بیان کرتے ہوئے عہدِ قدیم کے تاریک گوشوں سے طلوعِ اسلام کی روشنی تک۔ اور اس کے بعد برصغیر کی تقسیم تک ہر دور کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے اور ہر عہد کے بزرگوں کے حالاتِ بڑی عرق ریزی سے جمع کیے ہیں اور ان کا ہر بیان دستاویزی ثبوت کی ضمانت کے ساتھ قلمبند ہوا ہے۔ جو بھی اس کتاب کو پڑھے گا، وارثی صاحب کی محنت اور تحقیق کی داد دے گا۔

اس تحقیقی کتاب کی ایک اضافی خوبی یہ ہے کہ ہوشیار پور کے بزرگوں کے حالات بیان کرتے ہوئے ضمنی طور پر جن برگزیدہ ہستیوں کے نام زبانِ قلم پر آگئے ہیں ان کے تفصیلی حالات بھی فٹ نوٹ میں درج کر دیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ برصغیر کے اولیائے کرام کی انسائیکلو پیڈیا سی بن گئی ہے جو حوالے کے طور پر بھی کام آئے گی۔

ساگر وارثی صاحب نے مصنوعی عبارت آرائی سے گریز کیا ہے اور سیدھی سچی بات کو نہایت صاف ستھری زبان میں بیان کیا ہے۔ یہ ان کی سالہا سال کی محنت کا ثمر ہے اور اس کا ورق ورق موضوع سے ان کی محبت اور لگن کی گواہی دیتا ہے۔ اُمید ہے کہ اہل دل اور اہل نظر ان کی کاوش کی خاطر خواہ پذیرائی کریں گے۔

اور سید صدیقی

۱۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء لاہور



مصرعہ تاریخ

میالہ ساگر وارث صاحبہ کے طرزِ تحریر و اسلوبِ بیان سے
 فعلاً و عملاً نابلد ہوں۔ آپ چونکہ اُن کے معترف ہیں اور اس
 اعتراف میں احترام کا پہلو نمایاں ہے اس لیے وہ ہمتی میرے
 لیے بھی قابلِ احترام ہے۔ اس زمانہ میں اہلِ نظر کہ پہچانے
 میں قبلہ وارث صاحبہ سے زیادہ معتبر اور کون ہو گا۔ اُن کہ
 نوازش ہے کہ مجھے مشائخ ہوشیار پور کے نئے مصرعہ تاریخ کہنے کے لیے
 ارشاد فرمایا۔ اسی وقت قلم لے کر بیٹھا اور مصرعہ ہو گیا۔

مرجا علامہ ساگر وارث مشائخ ہوشیار پور تم نے لکھی
 طرزِ تحریر و ادائے دلنشین تو معنیِ محبت وارث

مصرعہ تاریخ فاروقی سنا

نغمہ بارحُبِ اولیاء

میالہ آئی ایچ فاروقی

بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر فیصل آباد

محترم عطاء اللہ ساگر وارثی کی تالیف میں اخلاص پرورد روشنیوں کا عکس ہے۔ رُوح کی گہرائیوں تک اُتری ہوئی روشنیاں ہی تاریخ و تحقیق کے بیج کو قوت بخشتی ہیں۔ محترم ساگر وارثی تحقیق و تفتیش کے جنگل کی جھاڑیاں کاٹ تراش کر تاریخ کی نئی منزلوں کے کولبس نظر آتے ہیں۔ اُن کا مطمح نظر روشنیوں کا دس، محبتوں کا لگر، اپنائیتوں کا شہر اور معرفت کا در ہے، اسی لیے وہ صراطِ مستقیم کے رہرو ہیں۔

مشائخ ہوشیار پور ایک صاحبِ علم اور صاحبِ معرفت کی تالیف ہے۔ یہ محض مشائخِ عظام کا تذکرہ ہی نہیں، تاریخ کے کھوئے ہوئے صفحات کی بازیابی کی نوید بھی ہے۔ اس میں صرف حقیقت و معرفت کی دُنیا میں اور طریقت کے عمیق سمندروں کی تہوں سے نکالے ہوئے لالہ ہی آنکھوں کو نہیں چمکھیا تے، تحریکِ پاکستان میں ہوشیار پور کا کردار بھی اجاگر ہوتا ہے۔

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی تحریر و گفتگو کی تنگنائیوں سے کردار کی وسعتوں تک بڑے آدمی نظر آتے ہیں۔ اُن کی تحریر ہی پاکیزہ نہیں، اُن کی زندگی بھی پاکیزہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُن کی تالیف لطیف مشائخ ہوشیار پور میں افکار و نتائج کی گہرائی و گیرائی قارئین کے دلوں کے کینوس پر انمٹ نقوش اُبھارے گی اور لوگ اس سے مستفید و متشع ہونے کی تمنا کے جلو میں اپنی زندگیوں کو سنواریں گے۔

راجا رشید محمود

ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور

تاریخ ہوشیار پور

ہوشیار پور جس کو ہوشیار خاں ایک مغل امیر نے بسایا تھا۔ مشرقی پنجاب (بھارت) جالندھر ڈویژن کا ایک ضلع ہے اور دریائے بیاس اور ستلج کے درمیان واقع ہے۔ دامن کوہ شوالک کے ساتھ ساتھ ایک چوڑی پٹی کی شکل میں شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ لمبائی ۹۴ میل اور چوڑائی مختلف جگہوں پر بیس سے تیس میل تک ہے اس کا طول بلد ۳۱، ۳۶ اور ۳۱، ۳۵ اور عرض بلد ۵۸، ۳۰ اور ۳۲ ہے۔ یہ چار تحصیلوں پر مشتمل ہے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ہوشیار پور (۲) گڑھ شکر (۳) دو سوہہ (۴) اودنہ

ہوشیار پور! لاہور سے ناڈون جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ لاہور سے پچانوئیں میل بطرف مشرق ہے۔ دور مغلیہ میں ہوشیار خاں نوجوان نے اس کو آباد کیا اس وقت یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، پھر دورِ خالصہ میں اس کو دوبارہ بست جالندھر کی حکومت شیخ غلام محی الدین اور امام الدین کو سپرد ہوئی تو انہوں نے اس کو سرسبز اور شاداب دیکھ کر یہاں حکومت اختیار کی اور اسی مقام کو دار الحکومت بنایا، بہادر نگر اور بجواڑہ کے کاریگر یہاں آکر آباد ہو گئے۔ سرکار برطانوی کے وقت اس کو ضلع کا درجہ دیا گیا۔ یہاں سے جالندھر بیس کو س لہیانہ بیس کو س جہالا کھی تیس کو س ہے۔

(بحوالہ تاریخ مخزن پنجاب صفحہ ۹۴)

اس ضلع میں دو پہاڑ ہیں ایک سلسلہ کوہ شوالک دوسرا گڑھ کا پہاڑ ان دونوں کے درمیان گھائی جہلان ڈول ہے۔ کوہ شوالک ضلع کے بیچ میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ داتا پور جا کر اس کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہو جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ ہر جگہ تقریباً دس میل چوڑا ہے۔ گڑھ کا پہاڑ اس کا جو حصہ جہلان ڈول گھائی کی مشرقی حد ہے۔ اس کو چنت پورنی کا پہاڑ کہتے ہیں۔ یہ تلواڑہ کے پاس سے شروع ہوتا ہے جو بیاس پر واقع ہے اور جنوب مشرق کی طرف چلا گیا ہے۔ نینا دیوی کا پہاڑ جس پر دیوی کا مندر ہے۔ اس پہاڑ میں سب سے زیادہ اونچی چوٹی ہے۔

سوان بدی، کوہ شوالک اور چنت پورنی کے پہاڑوں کا پانی بہہ کر اس میں جمع ہوتا ہے یہ ندی سنسوال کے قریب دیائے ستلج میں جا ملتی ہے۔ اس کی ریت سے سونا نکلتا ہے۔ انند پور سے نینا دیوی کی چوٹی آٹھ میل ہے۔

ہوشیار پور مرکز میں واقع ہے اور ضلع کا صدر مقام ہے۔ دامن کوہ شوالک سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور جالندھر چھاؤنی ریلوے اسٹیشن سے پچیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

ہوشیار پور کوہ شوالک کے دامن میں واقع میلوں لمبے آموں کے باغ اور اس کے علاوہ لوکاٹ، شہتوت، انجیر کے باغ اور پھولوں کی بہتات نے تمام ضلع کو قدرت نے فردوس بر زمین کا نمونہ بنا رکھا ہے۔ میٹھے پانی کے چشمے اور باؤلیاں نگاہ و قلب کو تازگی اور فرحت بخشتے ہیں زمین ایسی زرخیز کہ کسان کھیتوں میں بوائی کرنے کے بعد اطمینان سے گھر بیٹھ جاتا تھا جب نلانی کی ضرورت پڑتی تو کھیتوں کا رخ کرتے تھے۔ زیادہ تر اس ضلع کی زمین بارانی تھی۔

اس خوبصورت ضلع میں مسلمانوں کے ثقافتی اور مذہبی تہواروں کا تقسیم ہندوپاک سے پیشتر اہل ہنود بھی ادب و احترام کرتے تھے۔

اکثر مقامات پر ابھی تک اس ضلع کی تاریخ کے ابواب پر تاریکی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ قدیمی آثار بے شمار ہیں۔ اس قدیم ضلع کا وجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور سے ہے جس کو تقریباً پانچ ہزار سال کا عرصہ گزر چکا

۳۵ دریاے بیاس! درہ روتاگ کے جنوبی سمت کوہ لاہول کے پاس سے جو ہمالہ کے شمال مشرقی حد پر واقع ہے۔ نکلتا ہے سطح سمندر سے ۱۳۲۰۰ فٹ بلندی پر ہے۔ وہاں سے بہت سے چشموں اور پہاڑی ندیوں کے پانی اپنے ساتھ ملتا ہوا آٹھویں بظرف جنوب چکر دار راستے طے کرتا ہوا اسی میل منڈی کے متصل آتا ہے۔ وہاں سے چشموں ندیوں کے پانی کے ساتھ مل کر چوڑائی ڈیڑھ سو گز اور عمیق بارہ فٹ سے چودہ فٹ ہوتی ہے۔ پھر منڈی سے مغرب کی طرف سکیٹ کے راستے لوہے کی کان کے پاس سے چل کر پچاس میل کے نادر دن کے نیچے آتا ہے۔ یہاں پر ایک ندی کینارہ نام پہاڑ سے نکل کر اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ پھر نادر دن سے پچاس میل کے قریب شمال مغرب کی طرف کانودال اور دیردوال کے پاس پنجاب کے میدان میں آجاتا ہے۔ پھر وہاں سے جنوب کی سمت کو اسی (۸۰) میل چل کر متصل موضع اندر اور ہری کے مقام پر دریائے ستلج میں مل جاتا ہے، خواہ کبھی کے علاقے میں اس دریا کے کنارے پر ایک بڑا عالی شان مندر مہادیو کا اور ایک بارہ دری راجہ سنار چند کی تعمیر کردہ ہے۔ ستلج کے شمال تک اس کی لمبائی تقریباً تین سو میل ہے۔ پھر دونوں دریاؤں کا نام گھارا ہو جاتا ہے اور یہ دریا دیپال پور پہنچ کر دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایک سوکوس چلنے کے بعد دونوں شاخیں مل جاتی ہیں اور فتح پور سے پھر تا ہوا حدود بہاؤ پور میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں دریاے نرموں یعنی راوی پنجاب اور جہلم کے ساتھ مل جاتا ہے اور پنج ندر بن جاتا ہے۔

۳۶ دریاے ستلج! اس کا قدیمی نام شدر ہے۔ دہانے سے آگے اس کا نام زدا اور ریس دھور ریس ہے۔ جس کا اخراج کوہ برغانی سرحد ملک چینی تانار اور جھیل مان سرور سے اور اس جھیل کی سطح پنتالیس کوس ہے اور مان تلالی اور راون پر بھی اس کو کہتے ہیں۔ اگرچہ اصلی چشمہ اس دریا کا جھیل سے اوپر ہے جھیل سے تیس فٹ چوڑا نکل کر اور شمال مغرب کے سمت کو ایک سو اٹھاسی میل کا راستہ بہت خوفناک بلند و ناہموار اور ویران پہاڑوں کو طے کرتا ہوا کوہ پنجاب کے مقام پر پہنچتا ہے۔ اس جگہ دریاے پستی شمال مغرب کے سمت سے آ کر اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس شمال کے مقام سے تھوڑا سا اوپر یہ دریا پچھتر فٹ چوڑا ہے اور دریا کی ہموار اور سطح سمندر سے آٹھ ہزار چھ سو فٹ اونچی اور دریا بہت گہرا ہے۔ اسی (۸۰) میل اس مقام سے اوپر دریا بہت چوڑا ہے اور لوہے کی زنجیروں کے ذریعے سے اس

ہے۔ ان میں سب سے زیادہ قدیم موضع ڈھول بابا میں ایک مندر ہے جو ہوشیار پور سے پندرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا تعلق پانڈوؤں کے دور سے ہے۔ جہاں پر قدیم دور کے ہندوؤں کے پتھر کے تراشے ہوئے مجسمے ایک پولیس اسٹیشن کی عمارت کی بنیادیں کھودتے وقت دریافت ہوئے تھے اور بعد میں ان مجسموں کو موضع ڈھول بابا کے ایک مندر میں رکھ دیا گیا اور ان سب پر خطرہ رمز میں کندہ کی ہوئی عبارتیں تحریر ہیں۔ بقول رپورٹ کرنل ایسٹان کتبہ جات اور مجسموں پر غالباً رسم ستی کے کارناموں کا ذکر ہے۔ مقامی روایات کا تعلق ضلع کے مختلف مقاموں سے ہے۔ جن میں قصبہ حاجی پور سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر پانڈوؤں کا ایک کنواں ہے اور ایک سوال بھی ہے۔ دوسرے جس کا قدیمی نام دراکھ یا دراٹ کی نگری تھا۔ راجہ دراکھ کی راجدانی تھا جس کے دربار میں پانڈوؤں نے ملازمت اختیار کر کے بن باسی کے تیرہ برس گزارے تھے۔ قوم ہنود صبح سویرے ناشتہ کرنے سے پیشتر تین دفعہ راجہ دراکھ کی نگری کہہ کر پکارتے ہیں۔ دریائے ستلج کے کنارے بھاجھور کے مقام پر حسب قدیم روایات پانڈوؤں کے پانچ لڑکوں کے نام پر ایک پہلی پانچ ستارہ نما کمرے بنے ہوئے (کھیل کا نام) کے نام پر تھے جہاں پر اکثر پانڈوؤں کی اولاد مصروف شغل بازی ہوتی تھی اور خود پانڈو حالت استغراق میں کوہ ہمالیہ کی طرف کوچ کر گئے تھے۔ (ڈسٹرکٹ ہوشیار پور گزیٹیر)

گذشتہ فٹ نوٹ نمبر ۳

کے اوپر سے پار ہوتے ہیں۔ شمول کے مقام پر پہنا ڈوریا کا ایک سو بیس گز اور کم از کم ڈیڑھ سو فٹ گہرا ہے اور تیز رفتاری سے گھنٹہ ہے۔ رام پور سے لے کر بلاس پور تک اکثر راستہ اس کا مغرب و جنوب سمت کو ہے۔ کوہ چیچوں میں سے ہوتا ہوا پنجاب کے میدان میں روپڑ کے پاس داخل ہو جاتا ہے۔ وہاں سے چلتا ہوا پھلور کے قلعے کے نزدیک سے ہوتا ہوا ہری کے مقام پر پہنچتا ہے تو دریائے بیاس میں شامل ہو جاتا ہے۔ کل لمبائی ۵۰ میل ہے۔ یہاں سے ۲۰۰ میل چل کر دریائے چناب کے ساتھ مل جاتا ہے۔ (تاریخ مخزن پنجاب)

پانڈوؤں (PANDUVA SS) نے جب سب کچھ معہ اپنی حکومت جوئے میں ہار دیا۔ تو اس کے بعد ایک اور بازی میں جس میں تیر سال بن باس کی شرط تھی اور اس شرط میں یہ طے پایا کہ وہ ایک سال تک کسی شہر میں پوشیدہ رہیں اور تیرہ سال کے بن باس میں جب ایک سال باقی رہ گیا پس وہ اپنے ہتھیاروں کو ایک گھنٹے میں جھگڑ میں متصل دراکھ کی نگری (موجودہ نام دوسوہ) جس کا ذکر ہندوؤں کی مشہور کتاب مقدس مہا بھارت میں موجود ہے میں کسی ایک بڑے دخت پر چسپا کر دیا اور نگری چلے گئے۔ ان پانچ بھائیوں میں یہ بڑھڑ نے اپنا مصنوعی نام جیہیم سین نے عینت ار جی نے جیہیم نکل نے جیت اور سدیو نے جیدول رکھے۔ اور داخل شہر ہوئے۔ راجہ دراکھ نہایت ہی نیک اور خوش اخلاق شخصیت کلامک تھا۔ اول یہ بڑھڑ گیا اور کمائیں آپ کے دربار میں ملازمت چاہتا ہوں اور وہ پانسے یعنی چوٹ کا کھلاڑی ہے اور راجہ کو پانسہ کھلا کر خوش کرتا رہا ہے اسکے بعد جیہیم سین نے بہ کلام ربوئی (بادچی خانہ) ملازم رکھا جس کو بہادر اور رکھنا بنا نے میں ماہر دیکھ کر ملازم ہوا اور ان کی بیوی دروپی کی رانی کی کسی جگہ دراکھ راج کی رانی تھی۔ خوبصورت ہار گوندھنے میں بالکمال دیکھ کر اپنی خدمت کا بدل میں ملازم رکھا اور اس نے یہ بھی کہا کہ وہ عرصہ تک مہارانی دروپی اور سیتہ مہال کے پاس ملازم رہ چکی ہے۔

مذکورہ مقام کو متبرک سمجھ کر ہنود پوجا پاٹ کرتے ہیں اور ہر سال یہاں پر ایک میلہ لگتا ہے۔ موضع بھام جو کہ ماہل پور سے بطرف مغرب سات میل کے فاصلے پر ہے کے متعلق ایک روایت زبان زد عام ہے کہ یہاں پر پانڈوں

سہیو جو کہ گائیں کی شناخت کا ماہر تھا اپنا ہنر بتلا کر افسر مویشی ہو گیا اور کہا کہ وہ راجہ یدیشٹر کے ہاں اسی کام پر مامور تھا۔ ارجن پانڈوں کو گندھرب و دیا سکھلانے کے لیے ملازم ہو گیا۔ نکل جو کہ گھوڑوں کی شناخت اور سواری کا ماہر تھا۔ افسر اصطلیل پر تقرر ہو گیا۔ کیچک نامی سودھیتہ کیکنی رانی کا بھائی راجہ وراٹھ کا سالار اور فوجوں کا کمانڈنگ تھا وہ دروہدی کی خوبصورتی پر فریفتہ ہو کر بری نگاہ سے نکلنے لگا جس کو ایک رات حسب اطلاع دروہدی نے پہلے ہی رانی سے کہہ دیا تھا کہ جو کوئی اس کی طرف بری نگاہ سے دیکھتا ہے اس کو گندھرب دیوتا جس کی وہ اپاسک ہے مار ڈالتا ہے کچھ عرصہ کے بعد ترگرت دیش کے راجہ سوشرماں سے مہاراجہ دیو دھن سے کہا کہ تیس راج یعنی وراٹھ نے اس کو موقع بہ موقع پر سالانہ امداد کرنے پر بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ اب کیچک مارا گیا ہے اگر آپ امداد کریں تو ہم راجہ وراٹھ پر فتح حاصل کر کے بدل چکا دیں۔ اول اس کی ایک لاکھ گائیں چھین لیں اور نقصان پہنچا کر ملک پر قابض ہو جائیں بعد مشورہ بروز کرشن اشٹی راجہ سوشرماں سے کافی تعداد فوج چڑھ کر چلا اور جاتے ہی راجہ وراٹھ کی گائیں قبضہ میں لے لیں۔ یہ خبر سن کر راجہ وراٹھ سے اپنے بھائی شنایک اور مدراکھیا، سورج رات اور شنکھ پسران خود اور چند سے فوج یدیشٹر بھیجیں اور سہیو حملہ آور ہوا۔ یدیشٹر شروع ہوا۔ بحالت یدیشٹر راجہ وراٹھ کو سوشرماں گرفتار کرنے کے اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ دیکھ کر پانڈو دوڑے؛ چنانچہ راجہ یدیشٹر نے ایک ہزار بھیجیں نے سات ہزار نکل نے سات سو سہیو نے تین سو سوشرماں (بہادر) مار ڈالے اور راجہ کو چھڑا لیا تب راجہ سوشرماں بھاگ نکلا۔ بھیجیں نے دوڑ کر پکڑ لیا اور اس کو راجہ یدیشٹر کا غلام کہہ کر چھوڑ دیا۔ اس بہادری کو دیکھ کر راجہ وراٹھ پانڈوں کی بڑی عزت کرنے لگا۔ ابھی تک ایک طرف مقابلہ برسر پیکار تھا کہ دوسری طرف سے راجہ دیو دھن نے وراٹھ نگری کو خالی پا کر گوشالہ سے چھ ہزار گائیں چوکیداروں کو قتل کر کے لے گیا۔ بھومی جیہ پسر راجہ وراٹھ جس کو اتر کے نام سے پکارا جاتا تھا گھر میں موجود تھا۔ جب اس کو خبر ہوئی تو وہ حملہ تیار کیا کرنے لگا۔ مگر اس کے ساتھ مددگار نہیں تھا۔ اس پر دروہدی نے کہا کہ یہ شخص بڑھنلا نامی ارجن اور راجہ یدیشٹر کا ساتھی رہ چکا ہے اور بان چلانے میں ماہر ہے اور تیرا کماری ارجن کی شاگرد کئے لگی کہ لے راجہ اتر کو روں پر فتح حاصل کرنے کے بعد میرے لیے عمدہ پارچاٹ لیتے آنا جب کوروؤں کا لشکر راج کمار اتر کو نظر آیا تو اس کا دل دھڑکنے لگا اور رتھ چھوڑ کر بھاگ نکلا جس کو ارجن نے پکڑ کر دھتھ کے ساتھ باندھ دیا اور رتھ کو اس جگہ لے گیا جہاں پانچوں بھائیوں یعنی پانڈوؤں نے شتر خود رکھے ہوئے تھے۔ اور کتنے لگا کہ اس درخت پر میرے اور میرے بھائیوں کے شتر خود ہیں وہ سب اتار لاؤ۔ میں خود یدھ (جنگ) کروں گا اور تم سار تھی بن کر خاموش رہو۔ جب اتر کو معلوم ہوا کہ یہ ارجن ہے تو اس کی حوصلہ افزائی ہوئی اور درخت پر چڑھ کر تمام شتر خود دیکھ کر حسب نشان وہی ارجن کے اس کا دہنکھا تار لایا پس ارجن نے اتر کو سار تھی بنایا اور کوروؤں کے ساتھ یدھ شروع ہو گیا پہلے ایک بان چارج کیا چارج بھیشم کے چرنوں پر مارا کہ بموجب اصول کشار دھرم گویا ان کو پر نام کیا انہوں نے ارجن سمجھ کر آشیر باد دی اور یدھ شروع ہو گیا۔ جس میں ارجن کو فتح حاصل ہوئی اور پارچاٹ وغیرہ لاکر اتر کماری کو دیے اور اس دوران میں مدت ایک سال باقی ماندہ بن باس کی بھی ختم ہو گئی۔ اس کے تیسرے دن پانڈو شناخت ہو گئے۔ پھر راجہ وراٹھ معافی کا خواستگار ہوا اور اپنی بیٹی اور ترا کو ارجن سے نکاح کر دینا چاہتا تھا، مگر ارجن نے یہ کہہ کر کہ میں نے ایک بچے کی طرح تعلیم و تربیت کی ہے لہذا میں اپنے پسر ابھمن کے لیے رشتہ قبول کرتا ہوں۔ اس کے بعد سری کرشن جی ابھمن کو لے کر آئے اور اتر کماری کی شادی ہو گئی۔

نے اپنی جلاوطنی کے دن گزارے تھے جس کے آثار ابھی تک ایک مندر اور ایک شوالہ کی شکل میں تعمیر شدہ ہیں۔
 عمارتوں کی اینٹوں اور چنائی کے مسالہ سے یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ یہ عمارتیں دور پانڈوؤں کے متعلق ہیں۔ اس مقام
 پر بھی اہل ہنودان کی یادیں تہوار مناتے ہیں۔ پُر فضا مقام ہے۔ موضع 'کساٹا' جو کہ بظرف شمال جیون بارہ میل کے
 فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں پر بھی پتھروں کی سلوں سے تعمیر شدہ ایک مندر ہے ایک عرصہ کے بعد دریافت ہوا تھا
 اور تحقیقات پر پتہ چلا کہ یہ قدیم عمارت بھی دور پانڈوؤں سے تعلق رکھتی ہے۔ اہل دیہہ نے اس کو متبرک سمجھ کر
 اس کے آثار کو محفوظ کر لیا تھا۔ حسب دستور سابق یہاں پر بھی اہل ہنود اجتماع کر کے تہوار مناتے ہیں۔

نواح ہوشیار پور میں دو آبہ بست جالندھر ایام قدیم میں چندر بنسی راجپوتوں کی راجدہانی تھا جیسے جیسے ان کی
 فتوحات بڑھتی گئیں۔ کانگرہ بھی ان کے زیر سلطنت رہا تھا۔ یہ راجپوت بادشاہ چندر بنسی اپنے رشتہ تعلقات کو
 نوسرماں چندر کی اولاد سے ظاہر کرتے ہیں اور ان کے آباؤ اجداد کے تحت ملتان تک کا علاقہ زیر سلطنت رہا
 تھا اور انہوں نے ہندوستان کی مشہور جنگ نہا بھارت میں بھی دل و جان سے شمولیت کی تھی لیکن اس جنگ
 میں اپنا علاقہ ملتان ہاتھ سے دے بیٹھے اور صرف جالندھر تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ یہاں پر انہوں نے اس
 علاقے کو بطور ایک ریاست قائم رکھنے کی بنیاد رکھی تھی جو کہ صدیوں تک قائم رہی۔ جب مسلمان حکمرانوں کی آمد کا آغاز
 ہوا اس وقت یہ ریاست انہی کے پاس تھی اور سلطنت قائم تھی۔

بقول چینی سیاح ہیون سانگ ساتویں صدی عیسوی میں ان کی سلطنت کی وسعت مشرق سے مغرب تک
 ۱۶۷ میل اور شمالاً جنوباً ۱۳۳ میل تھی جس میں کانگرہ کا علاقہ بھی شامل تھا اور ان کے زیر حکمرانی تھا۔ ان کے دور
 حکومت میں عوام امن و چین کی زندگی بسر کرتے تھے اور خوشحال تھے۔

مسلمانوں کا دور

سرزمین ہوشیار پور میں تیمور لنگ جنوری ۱۳۹۹ء میں حملہ آور ہوا۔ اس سے پہلے کہ اس نے سلطنت دہلی کو تاخت و
 تاراج کر کے اور رتن سین راجہ کو شکست فاش دی تھی اور اس کی افواج پیش قدمی کرتے ہوئے کوہ شوالک کی پہاڑیوں میں

وادی جسوان دون تک پہنچ گئیں تھیں۔ جسوان دون کے علاقے تک رسائی کر کے اُسے معلوم ہوا کہ نگر کوٹ (موجودہ نام کانگرہ) یہاں سے تیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے وہاں تک پہنچنے کے لیے دشوار گزار گھاٹیوں اور جنگلوں میں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ تمام راجے اور رانے اس کے نواح میں حکمران تھے اُن کے پاس اپنی اپنی علیحدہ فوجیں تھیں، مگر باوجود ان مشکلات کے اس نے آگے بڑھنے سے حوصلہ نہیں ہارا۔ اس نے ان تمام راجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فتح و کامرانی نے اس کے قدم چومے۔ اس علاقے میں اس کی حکمرانی ہو گئی۔ ان فتوحات میں بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا جس میں زیادہ تر مویشی تھے۔ تیمور لنگ نے اس علاقے میں ۲۲ جنوری سے لے کر ۲۴ فروری ۱۳۹۹ء تک یعنی ایک مہینہ دو دن میں بائیس جنگیں لڑیں۔ ان جنگوں میں بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا جس کو اس نے اپنی فوج میں تقسیم کر دیا اور فوج مال غنیمت کو حاصل کر کے مزید حوصلہ افزا ہو گئی تھی۔ تیمور لنگ نے ہوشیار پور کے علاقے کے آٹھ مضبوط قلعوں پر فتوحات حاصل کیں اور اپنی طاقت کا لوہا منوایا جن علاقوں کو اس نے فتح کیا۔ ان علاقوں میں چار پانچ طاقت ور حکمرانوں جن میں سے ایک امیر شیخا بھی تھا۔ وہ ملک شیخ کھوکھر کا رشتہ دار تھا۔

امیر شیخا نے اس کو علاقے واپس لینے کے لیے ملک شیخ کھوکھر کو مزاحمت کرنے کے لیے اکسایا اس مزاحمت میں تیمور لنگ کے خلاف ملک شیخ کھوکھر کے دو ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے، مگر ان کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ میدان جنگ سے بھاگ کر اور جان بچا کر راہ فرار اختیار کر گیا۔

تیمور لنگ نے شاندار فتح حاصل کرنے کے بعد رعایا میں اعلان کر دیا کہ اس علاقے میں عوام سابق دو میں ہندستان کے راجاؤں کو جزیہ / ٹیکس دیتے رہے تھے، لیکن اب ایک عرصہ سے وہ مضبوط طاقت بن گئے تھے اور ان کے قدم اس سرزمین میں خوب جم گئے تھے وہ اس قدر مضبوط اور طاقتور ہو گئے تھے کہ انہوں نے اپنی اپنی فرمانبرداریوں کو ترک کر دیا تھا اور ایک ایسا طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ وقتاً فوقتاً اپنے حریفوں کو خوش کرنے کے لیے اُن کی مٹھی گرم کر دیتے تھے اور خود اس دوران میں اس علاقے کے تمام کھوکھر آہستہ آہستہ طاقتور ہوتے گئے مگر اس کے برعکس ان کے کئی ایک حریف بھی پیدا ہو گئے تھے۔ رعایا سخت پریشان تھی اور اس علاقے میں سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۴۲۰ء میں سارنگ خان نامی بکوارہ میں آیا۔ اس وقت یہ علاقہ جالندھر راجدھانی میں تھا۔ اس نے بھاری تعداد میں لشکر جمع کیا اور پیش قدمی کے

لے بکوارہ ہوشیار پور سے جنوب مشرق کی طرف دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کو غزنی کے تین شخصوں جن میں سے ایک شخص باجو بادشاہ مشہور گویا تھا پہلے اس کا نام باجی بادشاہ تھا جو بگڑ کر بعد میں بکوارہ مشہور ہو گیا۔ اس کا گناہ اور قبہ بارہ کوس میں تھا۔ اکبر بادشاہ کے وزیر راجہ ٹوڈل نے اس شہر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیے تھے۔ سردار بھوپ سنگھ فاضل پوری نے اس پر قبضہ کیا پھر ۱۸۰۱ء میں سنسار چند نے چھین لیا۔ سنسار چند

دیئے تلخ ہنک پہنچ گیا تھا۔ بعد میں دوپڑ کے مقام پر اہل دوپڑ کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کسے جنگ کی، لیکن ملک سلطان شاہ جاگیر دار سرہند نے اسے شکست فاش دی اور وہ بھاگ کر کوہ شوالک کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا اور پناہ تلاش کرنے لگا مگر اسے پناہ نہ ملی وہ گرفتار ہوا اور بعد میں اسے قتل کر دیا گیا۔

۱۷۲۱ء میں جسرتھ کھوکھر نے بھر پور بغاوت شاہانِ دہلی کے خلاف کر دی لیکن ۱۷۲۸ء میں اس کو دریائے بیاس کے کنارے نواح کانگرہ میں شکست فاش ہوئی۔ بہلول لودھی کے دور حکومت میں افغان فوجیوں کی یہاں پر بستیاں آباد ہو گئیں تھیں۔ ابراہیم خاں سورپہر حسن خان شیر شاہ سوری کا باپ افغانستان سے یہاں آیا تھا اور وہ مجت خاں سور کی فوج میں شامل ہو گیا تھا۔ دادو ساہو خیل جس کو سلطان بہلول نے ایک جاگیر ہریانہ ہا کھالا (پنجاب) میں دے رکھی تھی۔ اس جاگیر پر اس کی گزران بسر ہوتی تھی اور وہ پرگنہ بھاڑہ تک آکر آباد ہو گئے تھے۔ قصبہ ملوٹ کی اس عہد میں تاتار خاں یوسف خیل نے بنیاد رکھی تھی جس میں شیر شاہ سوری کا ایک جنرل حمید خاں کھوکھر تھا اور وہ حمید خاں کھوکھر نگر کوٹ جو الہ دودوال اور کوہ جموں تک مضبوط قلعہ جات رکھتا تھا۔ اس پہاڑی علاقے میں اس کا کوئی حریف نہیں تھا جو اس کے خلاف جنگی مہم شروع کرتا۔ اس نے رعایا سے جزیہ یا ٹیکس جمع کیا اور ایک ناقابلِ تسخیر طاقت بن کر ابھرا۔

۱۵۲۵ء میں بابر نے حملہ کیا اور اہل قصبہ ملوٹ نے بابر کے حملے میں ایک نمایاں کردار یعنی بھر پور طاقت سے جواب دیا۔ اس وقت صوبہ پنجاب کا دولت خاں لودھی گورنر تھا۔ جنگی مہم کلانور سے واپسی پر غازی خاں کو دولت خاں کو مغلوب کرنے کے لیے فوج دے کر بھیجا اور اس کو ہدایت کی کہ اگر وہ ناکامی و شکست کا منہ دیکھیں تو محافظ فوج کے ہمراہ ملوٹ سے

نے یہاں ایک مضبوط قلعہ بنوایا جو ۱۸۲۵ء میں رعیت سنگھ نے ہتیا لیا۔ دورِ برطانوی کے وقت یہ قلعہ فوجی زنداں تھا لیکن اس کو بعد میں گرا دیا گیا تھا۔ اب تک اس کے دو برج باقی ہیں، یہاں پر حضرت شیخ اعظم کما مرزا بھی ہے۔ مولانا استاد غلام قادر گرامی نے ان کے متعلق مندرجہ ذیل دو بیانیہ تحریر کی ہیں۔ (جغرافیہ ہوشیار پور مؤلف پنڈت ہمیراج بی اے صفحہ ۴۵)

اعظم آن شیخ ماجہ مل نسبت
برمانظرش بے بسی سبب ست
برقی نگہ مرشد ماما رسوخنت
خاکستر ما سرچشم ادب ست
آنانکہ حکم فخر بر کردہ علم
افشردہ بخاک پاک بھاڑہ قدم
گفتم کہ بود شہر ما از ابدال
ہر چرخ ستارہ گفت اعظم اعظم

اے ظہیر الدین محمد بابر ۲۴ فروری ۱۷۸۳ء کو فرغانہ کے حکمران عمر شیخ مرزا کے یہاں پیدا ہوئے۔ ۱۷۹۲ء میں عمر شیخ مرزا کے انتقال کے بعد فرغانہ کا تخت و تاج صرف گیارہ سال کی عمر میں بابر کے حقتے میں آیا عمر شیخ مرزا نے اپنے والد کی طرف سے جو تہمتیں پشت میں عظیم حکمران

سحفاظت راہ فرار اختیار کریں۔ غازی خاں نے دریائے بیاس کو موضع کاہنواں کے پتھن سے عبور کیا اور تین مرحلوں میں ملوٹ پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر حملہ کے لیے تیاری کی جب حملہ شروع ہوا تو دوران جنگ غازی خاں نے راہ فرار اختیار کی اور باغیانہ رویہ اختیار کیا۔ اس کے بعد دولت خاں لودھی نے بھر پور حملہ کی تاہم نہ لاکر ہتھیار ڈال دیے اور شہنشاہ بابر کی اطاعت قبول کر لی اور وہ اپنے علاقے سے دست بردار ہو گیا۔ بابر نے اس کی قیمتی اور نایاب قسم کی کتابوں پر قبضہ کر لیا اور قلعہ پر اپنے حکمران ہونے کا اعلان کر دیا غازی خاں نے اپنے کنبہ کی پرواہ کیے بغیر راہ فرار اختیار کی۔ شہنشاہ بابر نے فتح و کامرانی کے بعد قلعہ کو محمد علی جنگ جہانگ کی سپرداری میں دے دیا اور خود براستہ ملوٹ ڈون پہنچ گیا۔ اس کے بعد تار دیکا کو بیرم خاں کے ساتھ غازی خاں کے تعاقب میں بھیجا قلعہ کن کٹانواح ڈون میں جس کو عظیم خاں نے فتح کیا تھا۔ سلطان ابراہیم نے شکست کے بعد بادشاہ بابر کی اطاعت قبول کر لی۔

پھر بعد میں جنواں ڈون سے روپڑ کی طرف بھاگ گیا، مگر جلد ہی پانی پت میں شکست ہو گئی۔ بابر کے پے پیچے حملوں نے مکمل طور پر افغانی طاقت کو کوہ شواک اور اس کے گرد و نواح علاقوں کو مفلوج کر دیا۔ ۱۵۵۶ء میں سلطان

تیمور لنگ صاحب قرآن اور اپنی والدہ قتلخ نگار خانم جو یونس خاں کی لڑکی اور چنگیز خاں کے لڑکے چغتائی کی نسل سے تعلق رکھتی تھیں سے متعلق تھا؛ چنانچہ بابر شہنشاہ کی رگوں میں اپنے والد کی طرف سے چغتائی ترک اور والدہ کی طرف سے منگول خون دوڑ رہا تھا۔ شہنشاہ بابر کا والد اور فرغانہ کا حکمران عمر شیخ مرزا سلطان ابوسعید خاں کے نو بیٹوں میں سے ایک تھا۔ ۱۴۵۲ء میں وہ فرغانہ کے تخت پر بیٹھا اس وقت تیمور لنگ صاحب قرآن کی وسیع و عریض سلطنت میں صرف یہی ایک علاقہ باقی رہ گیا تھا۔ ۱۴۲۹ء میں سلطان ابوسعید خاں کی وفات کے بعد اس کی سلطنت اس کے بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس کے سب سے بڑے لڑکے محمود خاں کو بدخشاں اور حصار کے علاقے اور چوتھے لڑکے الخ بیگ کے حصہ میں کابل اور غزنی آئے۔ پانچویں لڑکے یعنی بابر کے والد عمر شیخ مرزا کو فرغانہ کا علاقہ ملا۔ جس کا دار الحکومت امد جاں تھا۔ اس وقت تیموری نسل میں سب سے زیادہ طاقت و حکومت سلطان حسین بیکرادی کی تھی جو خراساں سے ہرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ مشرق میں بلخ تک مغرب میں بتام اور دمغان تک شمال میں خوارزم (خجوا) اور جنوب میں قندھار تک اس کے علاقہ جات پھیلے ہوئے تھے۔ ۱۴۹۴ء یونس خاں کا لڑکا احمد خاں انتقال کر گیا۔ اس کی جگہ اس کے بھائی محمود خاں نے لی لیکن ایک سال میں فوت ہو گیا۔ اس کا علاقہ اس کے دو لڑکوں میں تقسیم ہو گیا۔ ۱۴۹۴ء میں عمر شیخ مرزا کی وفات کے بعد فرغانہ کا تخت بابر کے حصہ میں آیا جس کی عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی۔ اس ابتدائی دور میں بابر اپنے رشتہ داروں کے خلاف مسلسل جنگ و جدل میں مصروف رہا۔ آخر کار ۱۴۹۶ء میں بابر نے تاجکی شہر سمرقند پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد شدید علالت کے باعث سمرقند اور فرغانہ سے باہر دھو بیٹھا بلکہ اپنی بہن کا رشتہ سردار ایک شیبانی خاں کے ساتھ کر دیا۔ ۱۵۰۳ء میں بابر اور اس کا ماموں محمد خاں نے فرغانہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا؛ لہذا اس نے ۱۵۰۴ء میں کابل کو فتح کیا اور بادشاہ کا لقب اختیار کیا اس وقت بابر کو ہندوستان کی طرف رخ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ۱۵۰۵ء میں اس نے بادام چشمہ، اونا پورا اور محمود کے راستے پہلا حملہ کیا اور دیلے سندھ کے مغرب میں کوہاٹ اور ڈیرہ اسماعیل خاں تک چڑھائی کر دی۔ اٹھ ماہ بعد سمرقند سے روانہ ہو کر بدخشاں کی حکومت سنبھالی، مگر اُسے چند ماہ بعد واپس آنا پڑا۔ ۱۵۰۶ء میں جہانگیر مرزا نے بغاوت کر دی اور غزنی کو تباہ کرنے کے بعد منگولوں سے جا ملا بابر کو اس مہم میں خاصا نقصان

سکندر خاں افغان کو ہمایوں بادشاہ کے جرنیلوں نے شکست دے کر کوہ شوالک کی طرف بھگا دیا وہاں مثل بہیران حکومت اس کو شکست دینے اور گرفتار کرنے کے لیے بھیجے گئے۔

سلطان سکندر افغان نے ایک بار پھر فوجی طاقت جمع کر کے اپنی سلطنت واپس لینے کے لیے ایک نئی کوشش کی مگر اس دوران میں تازہ دم فوج نے کوہ شوالک کے نواح میں سلطان سکندر شاہ کو شکست فاش دی اور وہ کوہ شوالک کی پہاڑیوں میں فرار ہو گیا۔ بیرم خاں جو ہمایوں کی فوج کا سپہ سالار تھا سلطان سکندر شاہ کو شکست دینے کے بعد چھ ماہ تک شکار میں مشغول رہا۔ ۱۵۶۰ء میں بیرم خاں خود اکبر بادشاہ کا حریف بن گیا مگر اکبر کی فوج نے اس کو دریائے بیاس کے کنارے موضع تلواڑہ تک دھکیل دیا دوبارہ پھر بیرم خاں نے اکبر کے خلاف راہوں ضلع

اٹھانا پڑا۔ ستمبر، ۱۵۰۰ء میں ہندوستان پر دوبارہ حملہ کرنے کی ٹھان لی مگر منداوڑ کے پاس پہنچنے کے بعد بابر نے دوبارہ کابل کا رخ کیا۔ ۱۵۱۰ء میں بابر کو شیبانی خاں اور شاہ اسمعیل صفوی کے درمیان بھڑپوں کی اطلاع ملی۔ شیبانی خاں اور شاہ اسمعیل صفوی کے درمیان ۲ دسمبر ۱۵۱۰ء کو مرو کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی شیبانی خاں مارا گیا۔ بابر کو اپنی بہن واپس مل گئی شیبانی خاں کی ہلاکت کے بعد شاہ اسمعیل صفوی کی فتح کے بعد بابر اور صفوی کی افواج نے مل کر بخارا کا رخ کیا اور شہر کو فتح کر لیا بعد ازاں سمرقند کو بھی فتح کر لیا۔ اکتوبر ۱۵۱۱ء میں شہنشاہ بابر نے سمرقند میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اب اس کی سلطنت میں تاشقند کابل قندوز، حصار سمرقند، بخارا اور فرغانہ شامل تھے۔

۱۵۲۶ء میں پانی پت کی جنگ کے بعد بابر نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ۱۵۰۵ء میں کابل کی فتح کے بعد اس کے دل میں ہندو پاک پر پرچم لہرانے کی خواہش ابھرتی رہی تھی۔ ۱۵۱۹ء کے شروع میں بابر نے باجوڑ اور پھیرہ پر حملہ کیا۔ اس نے ہندو بیگ کو پھیرہ کا گورنر مقرر کیا اور خود کابل چلا گیا۔ (تاریخ ہند)

لہذا چوتھی مرتبہ ۱۵۲۲ء میں پنجاب کے دولت خاں لودھی نے اس کو حملہ کی دعوت دی تھی، کیونکہ دہلی کے سلطان ابراہیم لودھی کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ تھے۔ دولت خاں لودھی گورنر لاہور تھے۔ اس وقت عالم خاں ابراہیم لودھی کا چچا گجرات کے سلطان مظفر کے تحفظ میں تھا۔ ابراہیم لودھی کے خلاف بغاوتوں کے دوران لاہور کے گورنر دولت خاں لودھی نے اپنے لڑکے غازی خاں کو دلی بھیجا غازی خاں نے واپسی پر دولت خاں لودھی کو متنبہ کیا کہ ابراہیم لودھی اُسے لاہور کی گورنری سے معزول کرنا چاہتا تھا۔ دولت خاں لودھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، لہذا اس نے ایک پیغام کے ذریعے بابر کو دعوت دی تھی۔ اس موقع پر اس کے چچا عالم خاں نے بھی کابل میں بابر کے پاس درخواست کی اس طریقے سے بابر کا قبضہ لاہور پر ہو گیا۔ پھر فوٹا دریا پور پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ وہیں پر دولت خاں لودھی اور اس کے دونوں بیٹے غازی خاں اور دلاور خاں بھی اپنی افواج کے ہمراہ آن پہنچے۔ بابر نے دولت خاں لودھی کو لاہور کا قبضہ دینے کے بجائے اس کو جان بھر اور سلطان پور میں اپنا نائب مقرر کر دیا جس سے دولت خاں لودھی کی دشمنی ہوئی؛ لہذا وہ اپنے لڑکے غازی خاں سمیت روپیش ہو گیا اور دوسرا لڑکا دلاور خاں بابر سے وفاداری کے صلے میں سلطان پور کا حکمران اور خاں خاناں کا لقب اختیار کیا۔ بابر ایک بار پھر ازبکوں کی سرکشی کو فرو کرنے کے لیے بلخ چلا گیا تھا بلخ کی بغاوت فرو کرنے کے بعد بابر نے کسٹن بیٹے کامران مرزا کو کابل اور قندھار کا کنٹرول دینے کے بعد ایک بار پھر ہندوستان کا رخ کیا۔

سیالکوٹ پہنچ کر عالم خاں کی ناکامی کی خبر ملی۔ دولت خاں لودھی اور اس کا لڑکا غازی خاں بابر کی آمد کی خبر سن کر بھاگ گیا۔ انہوں نے

جائیدھر کے نواح گناچور طاقت آزمائی کی۔ مگر شوئے قسمت اس دفعہ پھر شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔ بیرم خاں اس سانچے سے پریشان ہو کر کوہ شوالک کے دامن میں داتار پور کے راجہ گنیش کے پاس پناہ گزین ہوا اور موضع تلواڑہ کو اپنا مستقر بنایا۔ اب چاروناچار اکبر بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی ۱۵۹۶ء میں جسواوالہ کے زمینداروں نے جب

قلعہ ملوٹ میں پناہ لی، مگر بعد میں حالات کے پیش نظر تھیاری ڈال دیے اور بھیڑ کے مقام پر آتے ہوئے فوت ہو گیا۔ باہر نے اس کے بعد دلی کا رخ کیا اور ۲۱ اپریل ۱۵۲۴ء کو پانی پت کے میدان میں ایک فیصلہ کن جنگ ابراہیم لودھی اور اس کے مددگار گوالیار کا راجہ بکرماجیت کے درمیان ہوئی فتح کے بعد دلی پہنچا اور آگرہ کی طرف اپنے بیٹے ہمایوں کو بھیجا تاکہ خزانہ پر قبضہ ہو سکے۔ اس موقع پر راجہ گوالیار کے بیوی بچے آگرہ میں قلعے میں موجود تھے۔ ان کے ساتھ ہمایوں نے شریفانہ سلوک کیا جس سے متاثر ہو کر راجہ کی بیویوں اور بچوں نے قیمتی ہیرے اور جواہرات بطور تحفہ پیش کیے۔ انہی جواہرات میں مشہور عالم کوہ نور ہیرا بھی تھا۔ ۱۵۲۷ء کو جنگ کوناہر میں فتح حاصل ہوئی۔ پھر ۱۵۲۸ء کو قلعہ چندیری فتح کیا (یہ قلعہ مالوہ کے جنوب) میں واقع ہے۔ اس متواتر فتوحات میں مئی ۱۵۲۹ء میں قلعہ گھاگھرا فتح کیا۔ بابر شہنشاہ کی وفات ۲۵ دسمبر ۱۵۳۰ء کو بصرہ ۴۷ سال میں ہوئی اس کا مزار کابل میں ہے۔

(دور مغلیہ مصنف صلاح الدین ناسک صفحہ ۲۳، ۲۲، ۲۴)

(عہد مغلیہ - صفحہ حیات صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷)

۱۔ پنجاب کے بہت سے علاقوں پر ابراہیم عادل کا رشتہ کے بہنوئی احمد خاں سور کی حکومت قائم ہو گئی تھی جس نے بعد ازاں سلطان سکندر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اپنے نام کے سکے جاری کرائے ایسے حالات پیش آئے کہ مزید فتوحات کے لیے گوالیار تک پہنچ گیا۔ عادل شاہ اس کی سرکوبی کے لیے خود گیا لیکن ایک روز جب عادل شاہ شراب کے نشے میں دھت تھا۔ احمد خاں سور چار ہزار گھوڑ سواروں کے ہمراہ دلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی بیوی نے اسے اپنے بھائی عادل شاہ کے ارادوں سے پہلے ہی باخبر کر دیا تھا۔ دلی پہنچ کر احمد خاں سور نے ابراہیم شاہ سے پنجاب کی حکومت طلب کی، مگر حوصلہ شکن جواب پا کر احمد خاں سور نے ابراہیم شاہ کے خلاف ۱۸ مایچ ۱۵۵۵ء کو آگرہ کے شمال مغرب میں تقریباً ۱۸ میل کے فاصلے پر دونوں میں جنگ ہوئی۔ ابراہیم شاہ کو شکست ہوئی اور وہ سانہل کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بہت سے فوجی دستے احمد خاں سور کی وفاداری میں منسلک ہو گئے اور یوں اس نے دلی پر قبضہ کر لیا اور سلطان سکندر شاہ کا لقب اختیار کیا اور اپنے نام کا سکہ جاری کر لیا اور اس کی حکومت دلی سے پنجاب اور بہتاس تک قائم ہو گئی تھی۔

بہت سے افغان اُمرانے اسے اپنا حکمران تسلیم کر لیا تھا۔ جب ہمایوں لاہور کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہاں

کے افغان سردار بھاگ گئے۔

رہتاس میں سکندر شاہ کا نائب تاتار خاں کاشی بھی بھاگ نکلا؛ چنانچہ ہمایوں نے جائیدھر سرہند اور حصار کے علاقوں کی طرف کسی مزاحمت کے بغیر اپنی فوجیں روانہ کیں۔ اس شکست کے بعد سکندر شاہ نے تیس ہزار گھوڑ سوار سرہند روانہ کیے۔ ہمایوں کے تمام فوجی افسر جائیدھر میں جمع تھے۔ مغل فوج تلج عبود گئی۔ اس دوران افغان فوج نے پوری کوشش کی کہ مغل فوج کو دوسرے کنارے تک نہ پہنچنے دیا جائے، لیکن اُسے ناکامی ہوئی۔ غروب آفتاب کے وقت مغل فوج نے اپنی کارروائی کا آغاز کیا اور دشمن کے کیمپ میں آگ کے اتنے تیر برسائے کہ افغان اپنا سامان تک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس فوج کی کمان بیرم خاں کے ہاتھ میں تھی۔ جب سکندر شاہ کو اپنی فوجوں کی اطلاع ملی تو اس نے فوج کی کمان خود سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔

اسی ہزار گھوڑ سوار معہ ہاتھیوں، توپ خانوں کے ساتھ دلی سے سرہند روانہ ہوا۔ ہمایوں نے اپنے لڑکے اکبر کو بھیجا۔ ۲۲ جون ۱۵۵۵ء

شاہی فوج کا اقتدار دیکھا تو انہوں نے فرید مرتضیٰ خاں کی زیر قیادت قلعہ جموں کو تسخیر کیا۔ کانگرہ میں امن بحال کیا جس کی وجہ سے اہل کانگرہ نے متاثر ہو کر مطاعت قبول کر لی اور جلد ہی تمام ضلع مسلمانوں کے زیر حکمران آ گیا اور رعایا خوشحال اور امن سلامتی کی زندگی بسر کرنے لگی۔

مسلمان دور حکومت کا آخری گورنر دوآبہ میں آدینہ بیگ تھا جس کا مقبرہ موضع نیلویاں میں واقع ہے۔ وہ بہت قابل جنرل تھا۔ اس نے سکھوں اور احمد شاہ درانی کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف جنگ کیا۔ اس نے اس

کو خواجہ معظم اور کچھ دیگر افسروں نے اچھی خاصی فوج کے ساتھ افغان فوج پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں سکندر شاہ کو شکست ہوئی۔ سلطان سکندر شاہ نے کوہ شواک کی پہاڑیوں میں پناہ لی۔

آدینہ بیگ خاں تحصیل لاہور میں شہر چور کے موضع پٹی میں ایک آرائیں گھرنے میں پیدا ہوا تھا۔ والدین منفس تھے۔ بچپن میں وہ ایک منغل گھرانے میں ملازم ہو گیا۔ اس گھرانے کی ملازمت کے دوران ہی اس نے اپنا لڑکپن جاندھر دوآبہ جلال آباد۔ خان پور اور دیکھوڑہ میں گزارا جو ان ہو کر منغل فوج میں ملازمت کر لی۔ سپاہ گری راس نہ آئی پھر ضلع سلطان پور کے موضع کنگ میں پٹواری کا عہدہ حاصل کر لیا۔ سخت محنت کر کے علاقے کے مالدار لوگوں سے راہ و رسم پیدا کر لی۔ ان میں ایک بااثر سا ہو کار لالہ سری نواس دھیر بھی شامل تھا۔

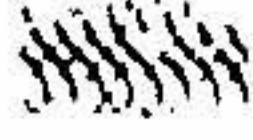
آدینہ بیگ خاں نے اس سا ہو کار کی ذاتی ضمانت پر تمام علاقے کنگ کے مالدار کی وصولی کے اختیارات حاصل کر لیے سلطان پور کا ضلع دار آدینہ بیگ خاں کی کارگزاری اور دیانتداری سے متاثر ہو کر کبھی کبھی خزانے کے ساتھ اُسے لاہور بھیجے لگا۔ آدینہ بیگ خاں نے ان موقعوں سے فائدہ اٹھایا اور دفتر دیوان (دفتر خزانہ) میں کئی اعلیٰ عہدیداروں کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔ ۱۷۲۷ء میں خزانے کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ سلطان پور کے ضلع دار کی موت کی اطلاع ملی۔ لالہ سری نواس دھیر کی ضمانت پر نواب ذکیا خاں بہادر سے سلطان پور کی ضلع داری حاصل کر لی اور ۱۲ سال تک سازشوں اور سیاسی چالوں سے پنجاب کا حاکم بننے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر کار مئی ۱۷۵۸ء میں وہ مرہٹوں کا مقرر کردہ حاکم پنجاب ہوا۔ مرہٹوں کے سردار گھونا تھ کے وطن واپس جانے کے بعد آدینہ بیگ خاں نے اپنے داماد اور سپہ سالار خواجہ مرزا جان کو لاہور کا ناظم اور اس کے بھائی خواجہ سعید خاں کو اس کا نائب مقرر کیا اور خود اپنا لشکر لے کر پٹیا چلا گیا۔ اس نے لاہور کے بجائے پنجاب کا

دار الخلافہ پٹیا پر بیخ کردہ پنجاب کا نظم و نسق درست کرنے کی طرف متوجہ ہو گیا، لیکن سکھوں نے اس کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا، لیکن آدینہ بیگ خاں نے سکھوں سے نپٹنے کے لیے مزید فوج بھرتی کر لی اور پنجاب کے تمام سرداروں زمینداروں اور غیر داروں کو سختی سے یہ حکم بھیجا کہ فلاں کو اپنے اپنے علاقے سے نکال دیں، مگر اس کے برعکس سکھ متا بلے پر آگئے اور جاندھر دوآبہ کے مقام پر سردار ابلہ سنگھ کے ساتھ لڑائی ہوئی جس میں سردار ابلہ سنگھ کو شکست ہوئی اور جاں بحق کر بھاگ گیا۔ لاہور میں خواجہ مرزا خاں نے اس پاس کے علاقوں سے سکھوں کا صفایا کر دیا جتا سنگھ کلال جموں کی پہاڑیوں میں چلا گیا۔ جتا سنگھ ٹھٹھو کا عرف رام گریہا نے قلعہ رام گڑھ پر قبضہ کر لیا، مگر بعد میں جنگ میں شکست کھا کر بھاگ نکلا۔

آدینہ بیگ خاں کو ابھی حکومت سنبھالے تھو اعرصہ گزرا تھا کہ اسے درد تو لہج سے پٹیا میں موت واقع ہو گئی۔ پھر اس کی وصیت کے مطابق موضع نیلویاں ضلع ہوشیار پور میں دفن کیا گیا۔ آدینہ بیگ خاں کا ایک مشہور بسایا ہوا شجر جس کا نام دینہ نگر ضلع گورداسپور میں ہے۔ اس کے انتقال کے بعد پنجاب میں بد امنی پھیل گئی۔ کئی علاقوں پر سکھوں نے اپنا اقتدار قائم کر لیا تقریباً تین سال تک پنجاب کی یہی حالت رہی۔ ۱۷۶۱ء

جنگ کو جہاد کا نام دیا۔ اس جہاد میں اس نے جام شہادت نوش کیا۔

میں احمد شاہ درانی نے حملہ کیا اور پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست دی، لیکن درانی کے انتقال کے بعد پنجاب پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔
(آدینہ بیگ خاں مؤلف احمد شجاع پاشا)



دورِ خالصہ

دورِ خالصہ میں سکھوں کی مختلف مسلوں نے حکومتیں کیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

رام گڑھیہا مسل !

جتنا سنگھ رام گڑھیہا مسل کا بانی ۱۷۵۲ء میں مرزا آدینہ بیگ خاں کے پاس ملازم تھا۔ مرزا آدینہ بیگ خاں کی وفات کے بعد جتنا سنگھ رام گڑھیہا نے شمال مغربی جالندھر دو آب کا علاقہ فتح کر لیا اور پھر سردار منسا سنگھ رام گڑھیہا نے شمال مغربی جالندھر دو آب کا علاقہ فتح کر لیا اور پھر سردار منسا سنگھ گڑھ دیوالیہ ڈالہ والا مسل کے ساتھ جنگ کی لیکن ۱۷۶۶ء میں کنہیا نے ستلج کے پار شکست دے کر دھکیل دیا۔ ۱۷۸۳ء میں کنہیا نے اس کے بعد فوجی طاقت بڑھالی اور حد سے شکر چاکیہ کے ساتھ مل گیا اور سنسار چند آف کانگرہ کے ساتھ اتحاد کر لیا جس نے جتنا سنگھ کو بلوا کر مقبوضہ علاقہ واپس دلایا جس میں اس کے لڑکے جو دھ سنگھ نے ۱۸۰۲ء میں اُسے کامیاب کر لیا پھر ۱۸۰۵ء میں HOLKAR (ہولکر) کی نگرانی میں لارڈ لیک نے اس کی مدد کی ۱۸۱۶ء میں خاندانی چپقلش کی وجہ سے رنجیت سنگھ کی مخالفت پر اتر آیا اس مخالفت کی وجہ سے رنجیت سنگھ نے تمام علاقہ ہتھیالیا اور یہ علاقہ زیادہ تر دو سو بہہ تحصیل پر مشتمل تھا۔

فیض اللہ پوریا مسل !

یہ مسل تحصیل ہوشیار پور میں پٹی پر قابض تھی لیکن ۱۸۱۱ء میں یہ علاقہ ہاتھ سے جاتا رہا، لہذا یہ علاقہ رنجیت سنگھ کے جرنیل محکم چند نے ہتھیالیا تھا جس کی وجہ سے ستلج کے شمالی علاقہ جات سے ہاتھ دھونا پڑے اور یہ علاقہ بھی تحصیل ہوشیار پور کے جنوب مغربی اور دو سو بہہ کے علاقہ پر مشتمل تھا۔

کرڈا سنگھ مسل !

یہ کرڈا سنگھیا مسل کا بانی تھا جو اپنے دور میں بہریانہ اور شام چوراسی کے علاقے پر قابض تھا۔ بعد میں جو دھ سنگھ کا لیا کی موت کے بعد اس کے پاس چلا گیا۔

ہری سنگھ سیالپانا ملکن کا بانی تار سنگھ اور گائبا کے ساتھ اس نے اشتراک کیا۔ اس طرح اس نے گڑھ شکر کا علاقہ فتح کر لیا۔ اس پر کٹیچ خان ملکن کے گھمنڈ چند کا نگرہ والے نے حملہ کیا لیکن خوشحال سنگھ فیض اللہ پوریا کی بروقت مدد سے اُسے شکست فاش ہوئی لیکن جلد ہی وہ تنہا خوشحال سنگھ کے ساتھ انجھ پڑا لیکن بروقت راجہ جسوال کے تعاون سے شکست ہو گئی اور بھگوانڈہ میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔

گڑھ دیوالہ کے چودھری ۴ — ۱۸۰۳ء

گڑھ دیوالہ کے چودھری خان ملان منسا سنگھ جو کہ زمین کے لگان کے معاملے میں گھر گیا تھا اور پلے سے لگان ادا نہ کرنے پہلا دور میں گرفتار کر لیا گیا۔ یہاں سے کسی نہ کسی طرح وہ فرار ہو گیا اور ڈالہ والہ مسل میں شامل ہو کر آزاد ہو گیا جتنا سنگھ رانم گڑھیا نے اُسے بھگا دیا لیکن کنہیا کی وجہ سے پھر دوبارہ علاقہ حاصل کر لیا۔ اس کے پوتے مہتاب سنگھ کو پھر رانم گڑھیا نے شکست دے کر اس کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ جب راجہ سنار چند آف کانگرہ نے دو آبرہ حاصل کرنے کی کوشش کی تب مہتاب سنگھ فتح سنگھ اہلو والیہ کے ساتھ اشتراک کر لیا۔ مگر دارولی کا محاصرہ میں مدد کرتے ہوئے مارا گیا۔

جسوان اور داتا پور کے راجے ۱۷۵۹ء

جسوان اور داتا پور کے راجے ۱۷۵۹ء تک ان تمام علاقوں پر جسوان راجاؤں کے پاس تھے بلا کسی چون و چرا قابض ہو گئے اس کے علاوہ سکھ سرداروں نے میدانی علاقوں میں بھی ناجائز حکومتیں قائم کر لیں تھیں۔ پھر ایک دوسرے پر حملے شروع کر دیے سردار گوردت سنگھ آف سنتو کھ گڑھ نے بھبھور اور تقریباً اودنہ کا چوتھائی علاقہ قبضہ میں کر لیا تھا۔ سردار ہری سنگھ سیالپا نے ضلع انبالہ اور نور پور بے لیا اور راجہ جسوان نے منسوال کا آدھا مالہ جزیہ کے طور پر دے کر اپنے علاقے میں امن بحال رکھا۔ گڑھ شکر کے سردار بدھ سنگھ نے تعلقہ تخت گڑھ پر قبضہ کر لیا تھا۔

اے گڑھ شکر ہوشیار پور اور روڈ کی سڑک پر ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ روایت ہے کہ مسلمانوں کے حملوں سے پہلے راجہ شکر داس نے یہاں قلعہ بنوایا جس کو سلطان محمود نے چھین لیا۔ پھر شہاب الدین نے جے پور کے راجہ مان سنگھ کے بیٹوں کو دے دیا۔

۱۱۱۵ء میں راجپوتوں نے یہاں کے رہنے والے منتوں کو نکال دیا اور خود رہنے لگے ان راجپوتوں میں بڑا سردار روپ چند تھا جو اکبر بادشاہ کے فدر حکومت میں مسلمان ہو گیا تھا۔
(جزئیہ ہوشیار پور توالف پنڈت بہیراج بی اے)

اس خالصہ دور حکومت کی افرانقری میں رنجیت سنگھ کے لیے ایک راستہ کھل گیا جس کی زیر سلطنت تمام ضلع ۱۸۱۸ء تک شامل ہو گیا تھا۔ ۱۸۰۴ء میں راجہ سنسار چند آف کانگڑہ نے ہوشیار پور تک قبضہ کر چکا تھا، مگر رنجیت سنگھ نے اُسے شکست دے کر اور اس کے یکے بعد دیگرے جسوان اور داتار پور کے راجاؤں کو شکست دے کر ان علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اپنی طاقت کا لوہا منوایا ۱۸۱۶ء میں باجگنڈاراں سرداران کوہ شوالک کو حکم دیا کہ اپنی اپنی امدادی افواج کے ہمراہ دربار میں حاضری دیا کریں نور پور اور جسواں کے راجاؤں نے تعمیل ارشاد میں کوتاہی کی تو رنجیت سنگھ نے ان کو سزا کے طور پر بھاری جرمانے کیے۔ یہ جرمانے ان کی بساط سے زائد تھے۔ ان میں راجہ امید سنگھ آف جسوان جرمانے ادا کرنے سے قاصر رہا۔ لہذا اس نے اپنے علاقے سے دستبرداری اختیار کی اور اس صلے میں صرف ۱۲۰۰ روپے سالانہ کی جاگیر لے لی۔ اس کے بعد اسی طریقے سے علاقہ داتار پور بھی ہاتھ لگ گیا۔ ۱۸۱۸ء میں راجہ گوہنڈ چند مر گیا تو اس کے لڑکے جس نے علاقے کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کے صلے میں جاگیر لے لی۔ ضلع کا تھوڑا حصہ جو خالصہ جاگیر داروں کے علاوہ تھا۔ برطانوی حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ کوہ شوالک میں جسوان دوں تک کا تقریباً تمام علاقہ جاگیر میں تھا۔ بڑے بڑے جاگیر داروں میں جو کہ سابقہ راجگان جسوان اور داتار پور میں انند پور کے سوڈھی اور بکرم سنگھ بیدی ان تمام کی راجدہانی ادا نہ تھا۔

دامن کوہ شوالک میں حاجی پور اور میکیریاں کا بڑا علاقہ شیر سنگھ بعد میں مہاراجہ کے گورنر سردار لانا سنگھ کے پاس تھا۔ دوسوہہہ کا علاقہ اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ شہزادہ تارا سنگھ جو راجہ رنجیت سنگھ کا خیالی بیٹا تھا۔ دے دیا گیا۔ اس کے علاوہ بہت سے مواضع جات میدانی علاقے پر مشتمل سابقہ خالصہ راجاؤں کے پاس تھے جس کو انہوں نے آپس میں پہلے ہی سے تقسیم کر لیا تھا۔ راجہ رنجیت سنگھ کے حریفوں نے ہتھیار لیے تھے۔

میکیریاں! کے اصل مالک قدیم دور میں علوی قریشی تھے جن کی نسبت درشتہ امام محمد بن حنیف علیہ السلام کے ذریعے سے حضرت مولائے مشعل کث علیہ السلام تک ملتا ہے۔ ان قریشیوں کے آباؤ اجداد اذل سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان میں وارد ہوئے اور کسی وجہ سے اسی گاؤں میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس وقت یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ جب عملداری مرزا آدینہ بیگ خاں کی جان دھ دھاب میں ہوئی تو میکیریاں قبضہ کے قریشیوں نے اس کی ملازمت اختیار کر لی اور ترقی کرتے کرتے فوج میں صاحب علم و نقار ہو گئے۔ ایک مدت تک وہ قریشی مرزا آدینہ بیگ خاں کے مرنے کے بعد بھی حاکم رہے جب خالصہ دور حکومت نے زور پکڑا تو مذہبی عداوت کے سبب خالصہ دشمن ہو گیا۔ آخر جسنگھ کنہیا مسل نے فوج کے ذریعے بھڑور حملہ کیا اور فتح حاصل کر کے تمام علاقہ اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ پھر اس کے لڑکے گورنر بخش سنگھ کی مسامحتہ سدا کو راجہ رنجیت سنگھ کی خوشدامن مالک ہوئیں۔ ۱۲۳۶ھ میں راجہ رنجیت سنگھ نے قصبہ مذکور پر حملہ کر کے اس کی حکومت ختم کر کے اپنی حکمرانی میں لے لیا۔ اس قصبہ میں ایک قلعہ آفاناں تھا جس کو سردار خاں اعمان اور اس کے خاندان نے تعمیر کیا تھا۔ اس کو سمارک کے خالصوں نے نیا قلعہ تعمیر کر دیا اور اس کو اٹل گڑھ کا نام دیا۔

(تاریخ مخزن پنجاب - مفتی غلام سرور قادری)

دورِ برطانوی

جب سکھوں کی پہلی جنگ آپس میں اور انگریزوں کے ساتھ ختم ہوئی تو حکومت برطانوی کمپنی نے جاندرہ دو آب کے علاوہ ہوشیار پور کو بھی شامل کر لیا۔ مسٹر جے۔ لارنس (بعد میں لارڈ) سب سے پہلے کمشنر ٹرانس سٹیج ۱۸۴۶ء میں مقرر ہوئے۔ نے براہ راست سپریم گورنمنٹ کے زیر انتظام کر دیا تھا۔ اس کا انتظام ۱۸۴۸ء تک رہا۔ بعد میں جب کمشنر کولاہور میں ریزیڈنٹ کے عہدے پر ترقی ہو گئی تو ۱۸۴۹ء میں باقی پنجاب پر بھی قبضہ کر لیا گیا تو اس وقت اس کو ایڈمنسٹریشن بورڈ چلاتا تھا۔

جب اس طریقے سے حکومت برطانوی کمپنی نے پنجاب کے علاقے ہتھیانے شروع کر دیے تو طریقہ واردات سے سرداران کوہ شوالک اور گردونواح کے راجے رانے مایوس ہو گئے۔ ۱۸۴۸ء میں ویسے ہی سکھوں کی دوسری جنگ شروع ہو گئی تھی۔ جوان، داتا پور اور کانگرہ کے راجاؤں میں بغاوت شروع ہو گئی جس سے لارڈ لارنس نے فائدہ اٹھاتے ہوئے راجہ داتا پور کو بغیر کسی مزاحمت کے قید نہیں ڈال دیا لیکن راجہ جہوان نے مدافعت کی اور اس نے برطانوی کمپنی کے خلاف جنگ کا ارادہ کرتے ہوئے دو موپے امب اور اکھروٹ میں قائم کر لیے، مگر جنگ کی کوئی خاص نوبت نہ آئی۔ تھوڑا بہت نقصان ہوا۔ راجہ مذکور کو گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا گیا اور اس کے محلات وغیرہ کے علاوہ تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سٹیج کمپنی سرکار ضبط کر لی گئیں۔ اس کے بعد کرم سنگھ بیدی آف اونہ بھی باغیوں میں شامل ہو گیا۔ حکومت برطانوی کمپنی کی فوجوں نے ہوشیار پور کی جانب پیش قدمی کی اور جب اس دوران میں راجہ جہوان کی شکست کی خبر سنی تو اس نے راہ فرار اختیار کی اور راجہ شیر سنگھ کے پاس پناہ گزین ہوا، مگر گرفتار ہوا اس کی بھی تمام جائیدادیں منقولہ اور غیر منقولہ سٹیج کمپنی ضبط ہوئیں، لیکن یہ جنگ ختم ہونے پر اس کو رہا کر دیا گیا اور امرتسر میں بہ اجازت سرکار کمپنی سکونت اختیار کرنے کا حکم صادر کیا گیا۔

غدر و فسادات

جن راجاؤں نے اپنے اپنے علاقے کا دفاع حکومت برطانوی کمپنی کے خلاف جاری رکھا اور کمپنی کے خلاف

سر تا پامقابلہ کرتے رہے تو حکومت برطانوی کمپنی نے اس دفاعی جنگ کو غدر کا نام دیا اور اس غدر کا اثر تمام ضلع میں زیادہ اثر انداز نہیں ہوا لیکن گرد و لواج کے کچھ فوجیوں کو ہوشیار پور ہیڈ کوارٹر میں پہلے ہی سے تعینات کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مزید ڈپٹی کمشنر کرنل ایبرٹ کو مزید فوجی کمک دے کر ہوشیار پور ہیڈ کوارٹر کو مضبوط بنانے کے لیے بھیجا گیا تھا جہاں پر ۳۳ نیٹوانفٹری کو زبردست باغیوں کی طرف سے خطرہ تھا۔ ڈاکخانہ کو چھاؤنی سے اٹھا دیا گیا اور رات کو گشتی پہرہ کا سخت انتظام کر دیا گیا تھا تاکہ دفاعی انتظامات کو مضبوط اور طاقتور بنایا جاسکے۔ ۲۳ مئی ۱۸۵۷ء کو ایک سازش کا قیدیوں کے اندر بذریعہ خفیہ اطلاع انکشاف ہوا جس سے پانچ سپہ سالاروں کو قتل کر دیا گیا۔ اس بے چینی کا زیادہ اثر شملہ ملازمین کی وجہ سے ہوا جو کہ بدحواسی اور گمراہ کن خبریں ایک سیشن سے دوسرے سیشن پر اپنے نمائندوں کے ذریعے پہنچاتے تھے۔ جالندھر باغیوں کی ایک جماعت جس نے ۱۲ میل کا فاصلہ ۵ گھنٹوں میں طے کر کے پیش قدمی کر چکے تھے۔ وہ باغی بھی ڈر کے مارے راہ فرار اختیار کر کے دیانے تلج کے پار بھاگ گئے تھے مگر اس سازش سے اندرونی انتظام میں کوئی خلل نہیں پڑا بلکہ اس کے برعکس برطانوی کمپنی کی مدد ضلع کے عوام نے بطور قرضہ ایک لاکھ روپے بحساب چھ فیصد سالانہ کے سود پر کی تھی۔ جب سرکار برطانوی کمپنی کا دہلی پر مکمل قبضہ ہو گیا تو ہوشیار پور میں اور دیگر اہل قصبہ نے اپنے اپنے گھروں میں خوشی کا اظہار نمایاں کرنے کے لیے چراغاں کیا تھا۔

(ڈسٹرکٹ گینز ہیڈ کوارٹر پور ۱۹۰۴ء)

بوقت فسادات دہلی کے مسٹر ایبرٹ ڈپٹی کمشنر نے ہوشیار پور ہیڈ کوارٹر میں رہ کر سخت انتظامات کیے تاکہ علاقے بھر میں مکمل طور پر امن و امان بحال ہو سکے۔ اس فسادات کے پیش نظر مذکورہ ڈپٹی کمشنر نے تمام انگریزوں کی بیویوں اور بچوں کو دھرم سالہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچانے کا انتظام کیا اور راجگان آہلو دالیہ۔ راجہ راجوٹری، منڈری وغیرہ ٹوانہ کی آٹھ سو نفری پر مشتمل فوجی انتظام پر مامور کیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک یونٹ شیردل پولیس پلاٹون کا بھی مزید سخت انتظامات کرنے کے لیے تعینات کر دیا گیا۔ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو جیل خانہ کے قیدیوں نے جیل سے کسی نہ کسی طرح نکل کر راہ فرار اختیار کر کے دوبارہ بلوہ کر دیا، مگر اس بلوہ سے کوئی خاص نقصانات نہیں اٹھانے پڑے اور بلوہوں کا سختی سے محاسبہ کیا گیا۔ عوام میں خوف و ہراس کی لہر کو پیدا نہیں ہونے دیا گیا اور نہ اُسے پھیلنے دیا گیا جو لوگ اس بلوہ فساد میں گرفتار ہوئے اور ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں، لہذا ہوشیار پور ضلع میں بہ نسبت دیگر اضلاع کے بہت کم فسادات رونما ہوئے۔ آخر کار سرکار برطانوی کمپنی کا تمام ضلع پر مکمل قبضہ ہو گیا۔ اس فساد اور غدر میں ضلع ہوشیار پور کے جن خاندانوں نے کمپنی کے ساتھ بھرپور دست تعاون بٹھایا اور انگریزوں کے ساتھ دوش بدوش فسادات و جنگی مہمات میں شریک ہوئے۔ ان خاندانوں کو انگریز برطانوی کمپنی نے مختلف خطابوں اور جاگیروں

سے نوازا۔ اُن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

- ۱ بوٹارام رائے صاحب ۹ نومبر ۱۹۰۱ء کو بصلہ خدمات اعلیٰ برطانوی کمپنی (بعد برٹش گورنمنٹ آف انڈیا)
- ۲ بھگوان داس رائے صاحب ۲۰ مئی ۱۸۹۶ء
- ۳ منشی تارا سنگھ سردار صاحب (تحصیلدار) ۲۱ مئی ۱۸۹۸ء
- ۴ دیہی سنگھ رائے صاحب یکم فروری ۱۹۰۰ء
- ۵ میاں رگھوناتھ سنگھ راجہ صاحب یکم فروری ۱۹۰۰ء
- ۶ وزیر خاں آف بھنگالہ تحصیل دوسو بہرائے صاحب ۶ مئی ۱۸۷۵ء
- ۷ رائے میا داس رائے بہادر صاحب (اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر) ۱۶ فروری ۱۸۸۷ء
- ۸ سردار بہادر نہال سنگھ رئیس ہریانہ ۱۸۹۵ء کو سردار بہادر کا خطاب دیا گیا۔

ان رئیسان ہوشیار پور نے گورنمنٹ برطانیہ کی ہر طرح سے دامے درمے مدد اور تعاون کر کے اور اپنی وفاداری کے صلے میں جاگیریں حاصل کیں۔ ہر طرف امن و امان بحال ہو گیا۔ قوانین کو سختی سے عمل پیرا کرنے کے لیے انتظامات کو سخت کیا گیا۔ رعایا امن و سکون چاہتی تھی، لہذا روزمرہ کی زندگی میں اب کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ برٹش گورنمنٹ آف انڈیا کی حکومت قائم ہو گئی۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ جب کوئی حکومت برسر اقتدار ہوتی ہے تو وہ اپنے ساتھ اپنے مذہبی راہنماؤں کو بھی لاتی ہے تاکہ رعایا پر اپنے مذہبی طور طریقے یا طریقوں کے ذریعہ درس و تدریس کرتے رہیں۔ لہذا اس حکومت کی مدد سے عیسائی مشنری نے بھی اپنا کام شروع کر دیا جگہ جگہ مشن سکول قائم کیے گئے۔ پادری صاحبان بھی آئے۔ اُن پادری صاحبان کے تاثرات کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ مذہبی اختلافات شروع ہو گئے اور اُن سے مناظرے شروع کر دیئے۔ حالات نے پلٹا لکھایا ہندو اور مسلمان مبلغین بھی کھل کر سامنے آ گئے۔ احتجاجات ہوتے رہے، مگر باوجود ان احتجاجات کے کوئی دنگہ فساد وقوع پذیر نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی جانی یا مالی نقصان ہوا۔

برٹش گورنمنٹ آف انڈیا کے دور حکومت میں ضلع ہوشیار پور پانچ تحصیلوں پر مشتمل تھا۔

- ۱ مکیریاں ! ضلع کے شمالی گوشہ میں واقع تھا۔ اس میں شمالی سرحد سلسلہ کوہ شوالک بھی شامل تھا۔
- ۲ ہریانہ ! چنت پورنی سلسلہ کوہ شوالک سے جالندھر سرحد تک تھا۔
- ۳ اُونہ ! اُونہ اور گڑھ شکر ضلع کے جنوبی حصہ میں تھا۔ کوہ شوالک کے چٹھے ان میں سرحدوں کا کام دیتے تھے۔
- ۴ ہوشیار پور ! اس میں تعلقہ جنڈ باری کو ضلع انبالہ سے ۱۸۵۰ء میں علیحدہ کیا گیا۔
- ۵ گڑھ شکر ! ۱۸۶۱ء میں تحصیل ہریانہ کو ختم کیا گیا۔ اس کا مغربی حصہ ٹانڈہ پولیس اسٹیشن کی حد میں تھا۔ تحصیل مکیریاں کو دے دیا گیا اور اس کا ہیڈ کوارٹر دو سوہہ کو منتقل کیا گیا۔ سلسلہ کوہ شوالک کا ایک حصہ جس کے مشرق میں تحصیل ہریانہ ہوشیار پور اور اُونہ کو منتقل کیا گیا اور ہریانہ کا باقی حصہ یا علاقہ ہوشیار پور کے ساتھ ملا دیا گیا جو کہ بعد میں ماہل پور تھا نہ گڑھ شکر کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔

میلے اور تہوار

میلے یا تہوار ہماری ثقافت کا ایک حصہ ہے۔ ان میلوں میں کبڑی اور کشتیوں کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ نڈو کڑوئی کی جاتی ہے۔ رسہ کشی ہوتی ہے اور جیتنے والی پارٹیوں کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ ان میں چند ایک میلے ایسے ہیں جیسا کہ سخی سرور سلطان جن کا مزار اقدس تو نگا ہا ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ہے مگر ان کے عقیدتمند ضلع کے ہر گوشے میں پائے جاتے ہیں جن کو سلطانی کہا جاتا ہے۔ ان کا وطن بغداد شریف میں تھا، لیکن ان کے آباء اجداد چھ صدیوں سے شاہ کوٹ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں رہتے چلے آئے ہیں۔ ان کے عقیدتمند ٹولیوں کی شکل میں ہرسال شاہ کوٹ جا کر عقیدت کے بھول چڑھاتے ہیں۔ ان ٹولیوں کے ساتھ ایک یا دو ڈھول بجانے والے ہوتے ہیں جن کو بھرائی کہتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں جس مقام پر ان کے عقیدتمند زیادہ ہوں وہاں پر ایک مخصوص مقام بنا لیتے ہیں جہاں پر ارد گرد کے موضع جات کے عوام اکٹھے ہو کر نذرانہ اور فاتحہ پیش کرتے ہیں۔ ان سلطانوں میں ہندو اور مسلم دونوں حصہ لیتے تھے۔ مثلاً کھترانیاں اور برہن عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں ان کے عقائد کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہاں مخصوص مقام پر جا کر رات کو زمین پر سو جاتے ہیں اور اس کو پنجابی زبان میں چونکی بھرنا کہتے ہیں۔

سختی سرور سلطان کی اس رسم میں مذہب ہنود میں مسلمانوں کے عقائد اور خدو خال بھی شامل ہیں۔

ایک اور مقدس شخصیت جو کہ خالص ہندو ہے کا نام نامی گگا ہے جس کی پوجا بھی تقریباً ضلع کے ہر گاؤں میں کی جاتی تھی۔ زیادہ تر گوجر یا دوسرے کم تر ترقی یافتہ قبیلے ہندوؤں کے اس کی پوجا کرتے ہیں لیکن زیادہ تر اس کے پیروکار ہوشیار پور اور کانگرہ میں پائے جاتے ہیں۔ گگا جن کا تعلق قوم راجپوت اور گوت چوہان سے واسطہ تھا۔ اور گڑھ ڈنڈیرہ نزد بندرا بن میں رہتا تھا۔ اس وقت رائے پھورا حکمران دہلی تھا اور سن تقریباً ۱۱۴۰ء میں کسی موقع پر بھٹنڈہ میں بھی رہتا تھا اس کی بہادری کے متعلق مشہور تھا کہ وہ زمین کی ایک درز میں غائب ہو گیا تھا۔ اس کی برہمچی کی نوک یا انی زمین پر دکھی گئی۔ ایک روایت کے مطابق جب وہ زمین میں غائب ہو گیا تھا وہ مسلمان ہو گیا تھا گگا کے لیے سانپ مقدس ہے، کیونکہ وہ زمین میں غائب ہو گیا تھا۔ سانپ اس کی گستاخی کی نمائندگی کرتے ہیں اور اسی کی مڑھی پر رہتے ہیں۔ یہ مشہور مڑھیاں زیادہ تر کانگرہ میں پائی جاتی ہیں اور اس کو شتو کا تھان کہتے ہیں۔ یہاں پر سانپ کے کاٹے کا علاج پجاری کرتے ہیں اور دُور دُور سے لوگ یہاں پر آتے ہیں اور سانپ کاٹے کا علاج کرواتے ہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق تمام چھوٹی ذاتوں کے لوگ اس کے معتقد ہیں اُسے ظاہر پیر بھی کہا جاتا ہے۔ وہ ہندو ہونے کے سبب سے اس نے... اور میں محمود غزنوی کے مقابلے میں چوہان راجپوتوں کی قیادت کی تھی۔ اس کا وطن بیکانیر تھا۔ اس سے بعض مقامات پر کرامتیں بھی ظہور میں آئی تھیں۔ اس لیے لوگ اس کے زیادہ معتقد تھے۔ ضلع ہڈ میں ایک اور رسم میاں بی بی کے نام سے بڑی عقیدت و محبت سے منائی جاتی تھی۔ جس میں زیادہ تر بوڑھے مرد اور عورتیں شرکت کرتی تھیں۔ اس رسم میں بی بی کے نام کی چوری (ایک کھانے کا نام جس میں گندم کے آٹے کی روٹیوں میں گھی اور شکر ملا کر تیار کیا جاتا ہے) اور میاں کے نام کا حقیر یا چلم بھری جاتی ہے۔ یہ رسم تقریباً تمام ضلع میں دھوم دھام سے منائی جاتی تھی۔ اس کے متعلق روایات کچھ اس طرح سے ہیں۔ گو اس روایت کے متعلق بہت زیادہ کہانیاں بتلائی جاتیں ہیں، مگر زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ خواجہ قاسم کے پانچ صاحبزادے تھے جن کے اسمائے گرامی۔ شاہ میاں۔ پھولن شاہ۔ شیخ مادھو۔ پیر سلطان شاہ اور پیر جھولن شاہ تھے اور پانچ لڑکیاں جن کے اسمائے گرامی جل پری سال پری، آسمان پری، خور پری اور بنر پری تھے۔ ان میں پھولن شاہ کا مزار بمقام جھونا وال تحصیل گڑھ شکر میں واقع تھا۔ دوسرے بہن بھائیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کسی دوسرے علاقوں میں مشہور تھے اور وہیں ان کے مزارات ہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق شاہ مدار جن کے عقیدت مند مدح سرائی کرتے رہتے ہیں۔ روم کے شیخ تھجن کا اسم گرامی بدرالدین تھا۔ سیاحی کرتے ہوئے ہندوستان میں وارد ہوئے اور وہ اس شخص کے گھر میں قیام کرتے تھے جو بھانڈوں کی طرح باتیں کر کے بادشاہ کا دل خوش کرتا تھا۔ جب ایک دن وہ ایک ایسے ہی میزبان کا مکان بنا اس کی رسائی بادشاہ تک ہو گئی۔ میزبان نے اس کو شاہ مدار کی روحانی اثرات کا تجربہ سمجھا۔ شاہ مدار کو میزبان کی لڑکیاں میاں کے نام سے پکارنے لگیں اور وہ ان کو جواب میں بی بی کہتا تھا۔

ان کا اعتقاد مافوق الفطرت کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ایک دفعہ بادشاہ نے وزیر کو مجبور کیا جو اس کے ساتھ حسد رکھتا تھا۔ اس کو حکم دیا کہ وہ شیر سے مقابلہ کرے۔ وہ شیر کا مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اس نے میاں سے مدد کے لیے کہا اس نے اپنی روحانی طاقت سے بادشاہ سے کہا کہ شیر دربار میں لایا جاوے۔ تاکہ حاسد کو مار ڈالے۔ لیکن شیر نے آتے ہی بادشاہ اور درباریوں کو پریشان کر دیا جو بظاہر میاں خود ہی شیر کی شکل میں تھے۔ لیکن میاں یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنا باطن ظاہر کرے، لہذا میاں نے اس جگہ کو چھوڑ دیا۔ میزبان کی لڑکیوں نے بہت کوشش کی کہ میاں کے ساتھ جائیں لیکن وہ لڑکیاں بعد میں زمین میں غائب ہو گئیں۔

ہوشیار پور میں مذہبی تہوار

(مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کے)

میلہ ہولی انند پور میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

میلہ بابا گوردتہ صاحب جو کہ ہر گوبند کے لڑکے اور ہر رائے کے باپ تھے اور چھٹے دساتویں گوردتہ تھے۔ میلہ تخت گوردتہ رائے جن کا تعلق ساتویں گوردتہ سے تھا۔ کیرت پور میں پیدا ہوئے اور یہیں فوت ہوئے۔ اس کا لڑکا ہرشن اسی جگہ پر پیدا ہوا۔

میلہ بابا بڈھن شاہ جو کہ ایک مسلمان ولی اللہ اور بابا گوردتہ کے دوست تھے۔ بابا گوردتہ نے اپنے تمام خاندانوں کو حکم دے رکھا تھا جو بھی سکھ مجھے ملنے کے لیے آئے وہ سب سے پہلے بابا بڈھن شاہ کے مزار اقدس پر جائے۔ میلہ چنت پورنی! یہ میلہ چنت پورنی پہاڑ پر لگتا ہے جس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شرکت کرتے تھے۔ چنت پورنی تحصیل اونہ میں واقع ہے۔

پیرنگا! یہ خانقاہ اونہ سے پانچ میل دور مقام بھولی میں واقع ہے۔ پہاڑوں کے اندر ایک غار کے

ذریعے اس مقام تک پہنچتے ہیں۔ یہ غار بھی مسلمانوں نے بنائی تھی۔ یہ میلہ جیٹھ مہینے میں ہر جمعرات کو لگتا تھا۔ یہاں پر لوگ اپنے مرین مویشیوں کو علاج کے غرض سے لاتے تھے۔

پنج گاترا! یہ میلہ بمقام بھجور دریائے ستلج کے کنارے ماہ بیساکھ کی پہلی تاریخ کو لگتا ہے۔ یہ میلہ خالص مذہبی قسم کا ہے۔ پنج گاترا کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں پر پانچ پتھر رکھے ہوئے ہیں جن کو پانڈروں کے بیٹے بطور کھیل پانچ ستار استعمال کرتے تھے اور پانڈو اس وقت اپنے ذکر فکر و عبادات میں مشغول ہو گئے تھے۔ برہمنوں کو دریا کا حصہ کہتے ہیں۔ بہت ہی مقدس خیال کیا جاتا ہے

میری! میری نردامب ڈیرہ گورو برہماگ سنگھ پر ہولی کا تہوار جس میں زیادہ دو آہ کے سکھ مالوہ اور ماچھے کے شرکت کرتے ہیں لگتا ہے۔ ایک دوسرا میلہ بیساکھی کے موقع پر لگتا ہے۔

دھرم سال! قدیم نام اس کا ٹھا کر دوارہ ہے۔ یہاں پر بیساکھ اور اسوج میں میلہ لگتا ہے۔ ہولی کا تہوار بھی ہوتا ہے۔ زیادہ تر مذہبی مہنت شرکت کرتے ہیں۔ سدھ بدھ ماتا۔ یہاں پر طیبھ اور ہاڑ میں میلہ لگتا ہے۔ مستورات زیادہ شرکت کرتی ہیں۔

امبہ! یہاں پر بیساکھ میں میلہ لگتا ہے۔ گردونواح کے لوگ گردو درگروہ جن کو شبان کی باری کہتے ہیں شرکت کرتے ہیں۔

جتولی۔ ہرولی۔ اس جگہ پر گگا پیر کی یاد میں میلہ لگتا ہے۔ یہ میلہ ماہ بھادوں میں ہوتا ہے۔

بھدر کالی۔ چیت اور اسوج میں میلہ لگتا ہے۔ زیادہ تر ہندو کھتری شرکت ہے

شاہ نور جمال! یہ میلہ خانقاہ شاہ نور جمال علیہ الرحمۃ جو کہ دھرم سالہ روڈ پر واقع ہے۔ لگتا ہے۔ دو میلے چیت میں لگتے ہیں۔ ایک میں عورتیں اور دوسرے میں مرد شرکت کرتے ہیں۔

ڈیرہ بہادر پورا! یہ میلہ بہادر پور میں نزد ہوشیار پور ماہ بیساکھ میں لگتا ہے۔

گرھ دیوالہ! یہاں پر دیوی کے استھان پر میلہ لگتا ہے۔ یہ میلہ ماہ چیت اور اسوج کے مہینے میں دھرم پور دیوی کے میلے کی واپسی پر ہوتا ہے۔

لوہن (پٹی)! یہ میلہ بابا فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ کی چلہ گاہ پر لگتا تھا۔

سج ننگل! یہاں پر میلہ ایک مقدس تالاب پر بابا کالو کی یاد میں منایا جاتا ہے۔

گرھ شکر! یہ میلہ روشنی مولوی صاحب کی خانقاہ پر ماہ ماگھ میں لگتا تھا۔

دھرم پور دیوی! یہ میلہ کوہ شوالک کے پہاڑوں میں دھرم پور دیوی کے نام کا ماہ چیت میں لگتا ہے۔

کما ہی دیوی ! یہ میلہ باہ ننگل میں کوہ شوالک کے پہاڑوں میں لگتا ہے اور ماہ چیت میں ہوتا ہے۔
 جھنگی ماہی شاہ ! یہ میلہ بمقام جھنگی ماہی شاہ میں ہوتا ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں اس میلے میں شرکت کرتے ہیں میلہ
 ماہ جیٹھ میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔
 جاجہ ! یہ میلہ ماہ محرم میں عاشورہ کے دن ہوتا تھا۔
 اہتیا پور ! یہ میلہ سخی سردر سلطان کی یاد میں ماہ پھاگن میں منایا جاتا تھا۔
 بیساکھی کے موقع پر بھی نوشہرہ، بھٹیال، بکیریاں، سریانہ اور بولڈ (گرن صاحب) بیساکھی کے میلے ہوتے ہیں۔

زبانیں

ضلع ہوشیار پور کی زبان عام طور پر پنجابی ہے اور قبضوں میں پنجابی اور اردو دونوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔
 پہاڑی علاقوں میں پہاڑی بولی (زبان) بولی جاتی ہے۔ پہاڑی بولی درحقیقت عملی طور پر حصوان دون یا پھر تحصیل اونہ
 کی حد تک محدود ہے۔ اس کے علاوہ اس ضلع کی زبان پٹوٹس ہے جس میں دو خارجی اور اصلی بولی کے الفاظ ملے
 چلے ہوتے ہیں۔ ان میں لبانی اور گوجری بولی بھی گجروں اور لبانہ قبیلے یا قبیلوں میں بولی جاتی ہے۔
 لبانی زبان جس میں علمدہ اور اصلی بولی کے ساتھ مقامی الفاظ بھی شامل ہوتے ہیں۔ گوجری زبان مارواڑی
 (راجپوتانہ) کے ساتھ بوجہ رقابت اور رشتہ ناطے کی وجہ سے ہے۔

لبانی بولی کی امثال

- ۱ آوندناؤں بگو۔ بلے داناؤں سدھو۔ جاتی دا راجپوت۔ رہنے والا باسیا گریا پراگنورکا ہوں دا برس تہاں
 تہاں برھیاں دی۔ کتابینداری۔
- ۲ سدھارن اک رحمت ناؤل جمیندار جلال آبادی دے رہنے والانے اپنے دلے پرخ جواذیں تس
 ساہے دا دینا تھا۔ چار ہجار جو اس بہتے دی اگر اہیاں دی خبر نہیں جوا دن او جھو۔ پہانی جوان تاں
 ایدے متے لکھے پرخ اجھو کیا تھاؤ لاگی جاگ۔
- ترجمہ: اتفاق سے ایک رحمت نام زمیندار جلال آباد کارہنے والا۔ اس کا اپنا قرضہ جس کے ذمے اس سا ہو کار کا
 چار ہزار روپے تھا۔ اس نے مجھے جائداد دلوائی۔ تب میرے دل میں بات آئی کہ سا ہو کار اس جائداد کو
 چھوڑنے کی اطلاع نہ دے اور خفیہ رکھے کہ اتنا بڑا حساب اس کے کھاتے میں کیسے تلاش یا دریافت ہوگا۔

گوجری بولی کی امثال

میر و ناؤں موتھو میرے باپ کو ناؤں لکھا جات کو گوجر عمر پنجاہ برس یاں دی میرے گھر خورد کم ہل
 باہنا۔ میں موجو کو نو کر تھو۔ پٹارو کے باہر کر تھو متو بیو لبھ پیو۔ میں گیجا آٹھاسن آپ یو میں گھر چھوڑ
 آئیو۔ پھر میں مرکاٹی اوتھائی آئیو۔

ترجمہ: میرا نام موتھو میرے باپ کا نام لکھا قوم گوجر ہے۔ عمر پچاس سال میرا مکان خورد میں ہے پیشہ ہل چلانا میں
 موجو کا نو کر تھو۔ مجھے بازو بند کنگن کا ایک صندوقچہ گرا ہوا ملا میں نے اس کو جیب میں ڈال لیا۔ اپنا گھر چھوڑ
 کر آ گیا ہوں پھر میں اسی جگہ واپس آ گیا جہاں سے آیا تھو۔

اصلی پہاڑی بولی میں ایک گیت

میرے ادھم پورے دیا ہونگرا

لت پٹی چادر گوریا کی بندی

لک سوہندا مشکی جن گھگھرا

میرے ادھم پورے دیا ہونگرا

میرے ادھم پورے کے اے گاؤں! خوبصورت لڑکی نے ایک اچھا اور رنگدار اور چھینٹ والا کپڑا پہنا ہوا ہے

اور اپنی کمر کے گرد سیاہ رنگ کی گھگھریا پہنی ہوئی ہے۔ اے میرے ادھم پورے کے گاؤں۔

ہل پردیسیا ہو

تاں ہل پردیسیا ہو

داہرواں دے دھکے ہو

تاں چوگے پتے پندی

تاں اوہدی میسلی جانڈی

تاں داہرواں دارسا ہو

لائی گھرے جانا

ہو ہل پردیسیا

تاں ہل پردیسیا ہو

ترجمہ:۔ میں اناروں کے درختوں کے نیچے ہوں انار توڑے اور اپنی جھولی میں ڈالے میں نے ایک رنگا ہوا دوپٹہ اوڑھا اور میلہ دیکھنے جا رہی ہوں۔ اسے اجنبی پر دیسی یہاں میرے پاس اناروں کا رس ہے۔ اسے لے اور گھر چلا جا۔ اسے پر دیسی مجھے ملو۔

ایک لبانی گیت

گھوہا کنارے کھیلوں ماہرا لال

سہیولے بن باری رے

ترجمہ: میں چاہتی ہوں کہ میں کتوں کے نزدیک کھیلوں میرے پاس ایک آئینہ اور ایک سیاہ (سڑھی رنگ) کی سوئی ہو۔

کھلوتری کیوں ماری ماہرا لال

چھوڑو پکڑ منگلی ماہرا لال

ترجمہ: میرے پیارے مجھے کیوں مارتے ہو جب کہ میں کھیل رہی ہوں۔ میرے پیارے! تمہیں لڑکوں نے پکڑ رکھا ہے۔

اقوام

گڑھ شکر کے شمال میں اور اس کے گرد و نواح میں بارہ گاؤں بھنوٹ راجپوتوں کے ہیں اور یہ گاؤں سناور سلیم پور اور پوسی پر مشتمل ہیں۔ یہ لفظ بھنوٹ 'بن' سے نکلا ہے، کیونکہ یہ قبیلے بھنوٹ یا بنوت بن یا جنگل میں رہائش رکھتے تھے کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلے بھات پور سلسلہ کوہ شوالک کے دامن میں رہتے تھے اور یہ راجپوت نارو قبیلہ کی ایک گوت ہے۔

نارو

نارو خاندان اپنے آپ کو سورج بنی مہترا کے راجپوتوں سے تعلق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد میں نیپال چند راجہ رام چندر کی اولاد سے تھا۔ اس نے محمود غزنوی کے دور حکومت میں اسلام قبول کر لیا تھا پھر

نارو سے ناروشاہ ہو گیا۔ ناروشاہ بمقام موضع ماؤ ضلع جالندھر میں آباد ہو گیا تھا۔ اس کے لڑکے رتن پال نے پھلورا آباد کیا تھا۔ علاقہ ہوشیار پور میں اس کے چار لڑکوں نے ہریانہ، بجواڑہ، شام چوراسی اور گھوڑے باہا آباد کیے تھے اور ضلع جالندھر میں موضع بہرام آباد کیا تھا۔

ان مواضع جات کا مکھیا یا نمبر دار اپنے آپ کو رائے یارا نا کہلواتا تھا۔
یہ تمام خانوادہ ناروشاہ اب جو ایک مسکان تھا۔ باسیو برہمن کی گوت سے تعلق یا واسطہ رکھتا تھا۔

نارو کا شجرہ نسب

راجہ جستر تھ

راجہ رام چندر

راجہ تلوجر

نیپال چند (نارو خاں یا ناروشاہ)

محمود غزنوی نے اپنے دور حکومت میں دریائے ستلج کے دونوں اطراف فتوحات حاصل کیں اور ان مقبوضہ علاقہ جات کو تلوجر کے انتظام میں دے دیا تھا۔ موضع ماؤ سے ہجرت کر کے اس نے بجواڑہ کو دار الخلافہ بنایا۔ یہاں پر پہاڑی راجاؤں نے متواتر حملے کر کے اُسے مجبور کر دیا کہ وہ اب محمود سے امداد طلب کرے اور افغان فوجیں جو کہ سلسلہ کوہ شوالک کے دامن میں برائے دفاعی کاموں مقیم تھیں۔ اس کی مدد کے لیے بھیجیں گئیں۔ رانا سہرا خاں نارو خاں کی پانچویں پشت میں تھا۔ اجودھیا واپس چلا گیا تھا۔ جب کہ تلوجر نے یہاں آ کر اپنی قدیمی سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کو یہاں پر صوبہ دار بنایا گیا۔ اس کی موت قصبہ سنسام میں ہوئی۔ اس کی پانچویں پشت میں رانا مل ہو جس کے پانچ لڑکے تھے جن کے نام کلچہ، بھوجو، دھنی، متا اور جتا تھے۔ انہوں نے علاقہ ہوشیار پور کو آپس میں تقسیم کر کے خود مختار حکومتیں قائم کر لیں تھیں۔

کلچہ نے ہریانہ کا علاقہ لے لیا جس میں پچھتر گاؤں تھے۔ اس میں ننڈا چور، بہرام اور بھوڈوال مواضع جات وغیرہ شامل تھے۔ لکا کے نام سے حکومت کرنے لگا۔

بھوجو کو بجواڑہ، شام چوراسی، ہریانہ، اجڑام اور بردٹے اور اس پر مشتمل گاؤں حصہ میں ملے تھے۔ دھنی کو دھنیات (پٹی) کھنورہ، مونا، بدلا اور بہرتہ وغیرہ مواضع جات حصہ میں ملے تھے۔ نارو خاں کا پوتا ہری پال پہلے ہی سے بھنگالہ اور دوسو بہہ وغیرہ پر قابض تھا جس پر اس کے آباؤ اجداد قابض تھے۔ درحقیقت نارو خاں یا ناروشاہ

کا تعلق راجہ جستر تھکی کہانی سے تھا جو محمود غزنوی کے دور حکومت میں تھا۔
 موضع چوٹا ہلہ میں نارو خاں کی سکونت تھی۔ اس کے علاوہ گھوڑے باہا۔ نندرا چور، بجواڑہ شام چور اسی اور پٹی
 (لوہن) میں بھی مکانات رکھتا تھا۔ ان میں ہرتہ، دھانہ، کھنورہ، مٹھیانہ، پھگنالہ اور مونا کلاں (ہوشیار پور) میں
 دھنیات کے مکانات بھی زیادہ تر اسی تحصیل میں تھے۔ بھنگا گوت کے مکانات چوٹا ہلہ، مرزا پور، جلووال اور
 پنڈوری مہیاں میں تھے۔

اکبری راجپوت

یہ زیادہ تر گڑھ شکر (گھوڑے باہا) اور سریانہ (نارو خاں خاندانہ) کے رہتے تھے۔

لوہوا

لوہوا راجپوت کا تعلق راگھو بنسی خاندانہ سے ہے جو کہ جے پور اور جودھ پور سے ہجرت کر کے آئے تھے اور
 یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔

جنجوعہ

یہ خاندانہ زیادہ تر دوسوہہ کے شمال مشرق میں آباد تھے۔ بدلہ راجپوت کے یہاں قبیلے کی گوت ہے اور
 یہ یہاں موضع کماہی میں رہنے کی وجہ سے ان کی ال ہو گئی تھی۔ لفظ 'باہ' کے معنی رہنے کے ہیں۔ جنجوعہ موضع جاتا
 عموماً لفظ 'باہ' سے شروع ہوتے ہیں۔ جنجوعہ قوم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہستنا پور (دہلی) کے گرد و نواح سے ہجرت
 کر کے گڑھ کھیالہ (راولپنڈی اور جہلم) میں آکر آباد ہوئے تھے۔

اس علاقے میں وہ سرحدوں کے لیے دفاع کا کام کرتے تھے۔ ان کا تعلق راجہ سچ پال جو کہ راجہ جودھ کی آٹھویں
 پشت میں سے تھا کے خاندان سے واسطہ تھا۔ اس کے لڑکے پہاڑ سنگھ کے پاس ایک سو بتیس گاؤں بدلہ راجپوتوں
 کے مواضع جات کے گرد و نواح میں تھے یہ اپنے آپ کو ڈوگر قبیلہ میں رانا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

بدلیال

یہ قبیلہ خاندانہ جنجوعہ میں سے ہیں جو کہ بدلہ راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ اور قدیمی نیکار راجپوت ہیں۔

چوہان راجپوت

چوہان زیادہ تر ضلع کے مغرب ۸۴ گاؤں شام چوراسی کے گرد و نواح میں اور کچھ موضع ظہورہ میں رہتے تھے۔ ان راجپوتوں نے گڑھ شکر ضلع ہوشیار پور میں ایک انجمن کو بھی تشکیل دیا تھا۔ اس انجمن نے ۳۲-۱۹۳۱ء میں بمقام گڑھ شکر پنجاب پراونشل مسلم راجپوت کانفرنس بھی انعقاد پذیر کیں جس میں صوبہ پنجاب کے سرکردہ راجپوت تقریباً چالیس ہزار افراد نے شرکت کی۔ اس کے استقبالیہ صدر چودھری افضل حق مرحوم تھے۔ اس کی صدارت کے فرائض سر رحیم بخش آف ٹھسکہ میراں جی جو صوفی عبد الحمید صاحب سابق وزیر پنجاب کے چچا تھے۔ سپیکر اسمبلی اور بہاولپور کے وزیر بھی رہ چکے تھے۔ نے سرانجام دیے۔ ایک ہفتہ وار اخبار مسلم راجپوت گڑھ شکر سے جاری کیا گیا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر محمد افضل ابن مولا بخش کشتہ (امر تسر کے رہنے والے) تھے۔ بعد میں چودھری احمد خاں سابق وزیر خزانہ رانا محمد حنیف خاں کے چچا ایڈیٹر کے فرائض سرانجام دیتے تھے اور یہ اخبار ۱۹۴۷ء تک رانا محمد حنیف خاں کے والد کی کوششوں سے باقاعدہ جاری رہا۔ پھر یہ اخبار بند ہو گیا۔

یہ اخبار برادری کی اصلاح اور مفادات معاشی و دینی اغراض و مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے تھا۔ اس اخبار نے برادری کی اصلاح میں بھرپور کردار ادا کیا۔

اعوان

اس ضلع میں دوسری قوم اعوان تھی جو کہ مسلمان ہیں۔ اعوانوں کا علاقہ زیادہ تر قصبہ مکیاں کے گرد و نواح میں بارہ موضع جات پر مشتمل ہے۔ اعوان اپنے آپ کو قطب شاہ کی اولاد سے بتلاتے ہیں۔ ایران کا ایک شیخ جس کے چار لڑکے محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان کے پہلے حملے میں یعنی ۱۰۰۲ء میں آئے تھے اور وہ راولپنڈی، جہلم اور جھنگ اضلاع میں آباد ہو گئے تھے۔

ایک دوسری روایت کے مطابق وہ محمود غزنوی کے حکم پر آئے تھے اور ان کو یہیں پر آباد ہونے کا حکم کیا گیا، تاکہ مفتوحہ علاقے جو اس کے گرد و نواح میں تھے۔ دفاع کریں اور سرحدوں کی نگرانی کریں۔ قطب شاہ کا ایک لڑکا یعقوب تھا۔ اعوان کھوکھر اور راجپوت کھوکھر اس کی اولاد میں سے ہیں۔ بظاہر یہ روایت حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے خاندان میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ ضلع کے اعوانوں کا کہنا ہے کہ قطب شاہ شیخ علوی تھے اور اس کی اولاد آگے چل کر علویاں کہلائی۔ ایک اور روایت کے مطابق یعقوب قطب شاہ کا دوست تھا یہ روایت

بھی درست نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اعوان سب سے پہلے دو آبہ سندھ ساگر میں رہتے تھے اور محمود غزنوی بہت دیر بعد جا کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔

اعوانوں کی گوتیں

گل شاہی، چوہان اور کلگن ہیں۔
کلگن کی سب گوتیں۔ گلی۔ خمر جوٹا۔ باگوال اور جند ہیں۔

ڈوگر

اس علاقے میں قوم ڈوگر جو کہ مسلمان ہیں رہتے تھے۔ یہ بھی زیادہ تر تحصیل دوسوہہ میں پائے جاتے تھے۔ ان ڈوگروں کا کہنا ہے کہ وہ سرسہ رانیا دریائے ستلج اور دریائے بیاس کے پورے سے آئے ہیں۔ جاندھر کے ڈوگروں کا کہنا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد عربی ہیں اور وہ ایک مسلمان بادشاہ کے ساتھ آئے تھے۔ یہ روایت امی ایل برانڈتھ نے جس کو اس نے فیروز پور سیٹلمنٹ رپورٹ میں کیفیت کے کالم میں درج کیا ہے کہ حبشی چہرہ والے اکثر افراد ڈوگروں میں پائے جاتے ہیں۔ اسی رپورٹ میں اس نے ان ڈوگروں کو چوہان راجپوتوں کے آباؤ اجداد کی نسل سے بتایا گیا ہے۔ ممدوٹ سیٹلمنٹ رپورٹ پیراگراف نمبر ۶۷ میں مسٹر ہرسرنے بتایا ہے کہ یہ ڈوگر دو شاخوں میں بٹ گئے تھے۔ ان میں ایک کا دعویٰ ہے کہ وہ چوہان راجپوتوں میں سے ہیں اور دوسری شاخ کا دعویٰ ہے کہ وہ پنوار راجپوتوں کی اولاد سے ہیں۔ ان کی گوتیں مندرجہ ذیل ہیں۔ بسرے، چگاٹھے، چنی، گگ، جگتری، جران، کاہلا، کٹی، کرول، کھوہے، مندری، مسونجا، دیوار، سنگ وار اور سیتا بے وغیرہ وغیرہ۔

گوجر

ضلع ہوشیار پور میں گوجر تمام کے تمام مسلمان تھے۔ ان کی رہائش عموماً کسی دریا کے کنارے ہوتی تھی یا پھر کسی پتھر یعنی برساتی نالہ کے قریب ہوتی تھی۔ گوجر قبیلے کا کہنا ہے کہ وہ گجرات (پنجاب) اور گجرات (کاٹھیاوار) سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ مسٹر برکلی کی رپورٹ سینس رپورٹ ۱۸۸۱ء کے مطابق گوجر سابقہ ادوار میں ہندو تھے اور وہ اورنگ زیب کے عہد میں مسلمان ہوئے تھے۔ ہوشیار پور میں کسی ہندو گوجر بھی ہیں۔
سیٹلمنٹ رپورٹ آف سر چرچ ڈیمپل کے بقول اکثر گوجر کھیتی باڑی کرتے ہیں۔

ارائیں

قوم ارائیاں جاٹوں کے بعد کھیتی باڑی کرنے والے ہیں۔ ہوشیار پور کے تمام ارائیں مسلمان ہیں۔ ارائیں قوم کا کنا ہے کہ وہ سرسہ رانیاں اور دہلی سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ دراصل یہ ہندو راجپوت تھے اور اپنے آپ کو رائے جانج کی اولاد سے بتلاتے ہیں۔ جو کہ نوکا پوتہ تھا اور جس نے لاہور شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ سرسہ علاقہ کا حکمران تھا اور اس نے رائے کا لقب اختیار کیا تھا۔ اس کی اولاد بعد میں ارائیں کہلانے لگی۔ اس نے دین اسلام قبول کر لیا تھا۔ شہاب الدین غوری کا عہد تھا۔ جاندرہ کے ارائیں اپنے آپ کو راجہ بھتہ کی اولاد بتلاتے ہیں۔ وہ راجہ کرن کی پانچویں پشت میں سے تھا اور اس کی رہائش اوچ ضلع بہاولنگر میں تھی۔ وہ محمود غزنوی کے دور حکومت میں مسلمان ہوا تھا۔ یہاں پر انہوں نے ایک ہندو عورت جس کا نام بنتی تھا کو اپنا ہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ لہذا انہوں نے اوچ کو چھوڑ دیا اور ہجرت کر کے سرسہ میں آئے اور مختلف دوروں میں پنجاب کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے۔ بنتی کے متعلق ایک شعر بھی ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

اوچ نہ دتی بھٹیاں چھٹا بنتی نار
دانہ پانی چک گیا چٹن موتی ہار

ارائیوں کی گوتیں

بھٹہ، ہانسی، راما، منڈ، بہمنی، گلمہ، بدھو، ملائے، چدھڑ، دھار، گونیر، دھولے، چبھے، مانڈے، مجیٹھ، ہانڈے، گنجیال، بہٹ، جھٹ، جٹالہ، گندھار، تھانو، پرچی وغیرہ وغیرہ۔
اس کے علاوہ دیگر اقوام مندرجہ ذیل ہیں۔

جاٹ، گوجر، شیخ، مغل، پٹھان۔ ان مسلمان قوموں کے علاوہ ہندو کھتری، برہمن، سکھ چار اور عیسائی وغیرہ وغیرہ قومیں ہوشیار پور کے علاقے میں آباد تھیں۔ لیکن تقسیم پنجاب کے بعد تقریباً تقریباً سبھی مسلمان پاکستان کی پاک سرزمین میں ہجرت کر کے چلے آئے تھے۔ اب وہاں پر کوئی نہیں رہتا۔

بڑھنیر میں مذہب اسلام کی آمد

اس خطہ ارض کو عربی اور فارسی کی کتابوں میں ہند کہتے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پچیس صحابہ کرام تشریف لائے سینتیس تابعین یعنی صحابہ کرام کے شاگردوں اور ستائیس تبع تابعین نے یہاں قال اللہ وقال الرسول کے درس کو دہرایا، یعنی پہلی صدی ہجری میں اسلامی ثقافت کا ہند کے اندر آغاز ہو چکا تھا۔ سب سے پہلے علیفہ

اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں ذوی الحجہ ۱۱ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے زیرِ کمان 'یمامہ' کے مقام پر مرتدین کے خلاف جو جنگ لڑی گئی اس میں ہند اور سندھ کے جاٹوں ہندوؤں نے بھی حصہ لیا تھا جو بحرین اور بلادِ سواحل متوطن تھے۔ ہند میں سب سے پہلی جنگ یمامہ میں ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے دورِ حکومت میں اس برصغیر میں مسلمانوں کے کردار سے متعارف ہونے کے متعدد مواقع میسر آئے۔ اس کے بعد ۱۶ھ میں جنگِ فارس کے دوران اہل ہند کے بہت سے افراد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہاتھ پر نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

خطہ برصغیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پچیس صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی جن میں بارہ اصحاب حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں پانچ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں، تین حضرت علیؓ کے دورِ امارت میں چار حضرت امیر معاویہؓ کے ایامِ حکومت میں اور ایک یزید بن معاویہؓ کے زمانے میں۔

عہد عمر فاروقؓ میں بارہ صحابہ کے اسمائے گرامی

- ۱ حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفیؓ - نیا صحابہ میں سے تھے بلادِ ہند میں تین جنگیں لڑیں۔
- ۲ حضرت حکم بن ابوالعاص ثقفیؓ - صوبہ گجرات میں بندرگاہ تھانہ اور ہروچ فتح کیے۔
- ۳ حضرت مغیرہ بن زیاد حارثی مذحجی - سندھ کا شہر دیبل فتح کیا۔
- ۴ حضرت ریح بن زیاد حارثی مذحجی - کرمان اور مکران کے علاقوں میں جہاد کیا۔
- ۵ حضرت حکم بن عمرو بن مجدع ثعلبی غفاری - مکران میں تگ و تاز جہاد کی۔
- ۶ حضرت عبداللہ بن عتبان انصاری - فتح مکران میں شامل ہوئے۔
- ۷ حضرت سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاری - جنگ مکران میں شرکت کی۔
- ۸ حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمی - مدینہ صحابی ہیں فتح مکران میں شرکت کی۔
- ۹ حضرت صحابہ بن عباس عبدی - جنگ مکران میں شمولیت کی۔
- ۱۰ حضرت عاصم بن عمرو تمیمی - نواحی سندھ اور سجستان کے اردگرد کے علاقے فتح کیے۔
- ۱۱ حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی - بعض بلادِ سندھ ان کی کمان میں فتح ہوئے۔
- ۱۲ حضرت نسیر بن ولیم بن ثور عجمی - محضرم صحابی تھے۔ بلوچستان کا کچھ حصہ ان کی کوشش سے فتح ہوا۔
- ۱۳ حضرت حکیم بن جبہ اسدی - یہ مدینہ صحابی ہیں اور بلادِ برصغیر کے اولین مسلمان سیاح اور اس

نواح کے حالات و کوائف کے عالم و ماہر۔

۱۴ حضرت عبید اللہ بن معمر بن عثمان قرشی تمیمی فتح مکران میں حصہ لیا اور اس علاقے کے والی مقرر ہوئے۔

۱۵ حضرت عمیر بن سعد کچھ عرصہ ولایت مکران ان کے سپرد رہی۔

۱۶ حضرت مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمی فتح بلوچستان میں شرکت کی۔

۱۷ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ بن جبیب قرشی عبثی سجستان اور کابل کے علاقے ان کی کمان میں فتح

ہوئے اور ارض ہند کے بعض علاقوں پر فتح کے

جھنڈے گاڑے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مندرجہ ذیل تین صحابہ کرامؓ واردِ برصغیر ہوئے اور یہاں کے

بعض علاقوں کی جنگوں میں شرکت کی۔

۱۸ حضرت خمریت بن راشد ناجی سامی علاقہ سندھ اور مکران میں تشریف لائے۔

۱۹ حضرت عبداللہ بن سوید تمیمی شقری یہ مختصر صحابی تھے غزوہ سندھ میں شامل ہوئے۔

۲۰ حضرت کلیب بن ابووائل ان کو بعض مورخین سیرت نے صحابی کا شاگرد یعنی تابعی لکھا ہے ارض ہند میں

آئے منقول ہے کہ انہوں نے اس سرزمین کے علاقے میں ایک درخت دیکھا جس کے سرخ رنگ کے ایک پھول پر سفید لفظوں میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تحریر تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ امارت میں مندرجہ ذیل چار صحابی تشریف لائے۔

۲۱ حضرت مہلب بن ابو صغره ازدی عسکری یہ مدرک صحابی تھے انہوں نے علاقہ سندھ کے ایک شہر

بدھ اور موجودہ صوبہ سرحد کے شہروں بنوں اور کوہاٹ تک تگ و تازگی۔

۲۲ حضرت عبداللہ بن سوار بن ہمام عبیدی یہ بھی مدرک صحابی تھے بعض غزوات ہند میں شریک

ہوئے اور شہادت پائی۔

۲۳ حضرت یاسر بن سوار بن ہمام عبیدی یہ بھی مدرک صحابی تھے اور عبداللہ بن سوار عبیدی کے بھائی

تھے یہ قلات کے ایک پہاڑی مقام کی جنگ میں شریک ہوئے

قبیلہ بنو ہزیرل سے تعلق رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی رویت و صحبت سے مشرف تھے۔ ایک مرتبہ ارض ہند

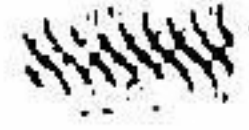
۲۴ حضرت سنان بن سلمہ بن مجتبیٰ ہذلی

کے مفتوحہ علاقوں کے والی اور گورنر مقرر ہوئے۔

یزید بن امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں ایک صحابی آئے۔

۲۵ حضرت منذر بن جارد عبیدی بوقان اور قلات وغیرہ کے علاقوں کی جنگوں میں شریک ہوئے

اور وہیں وفات پائی۔



برصغیر ہندوپاک میں اسلام کی آمد

دارت کونین سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں صحابہ کرامؓ کو مبلغین کی حیثیت سے تمام دنیا میں ہندوستان و پاکستان اور چین تک تبلیغ اسلام کی خاطر بھیجے۔ اسی دور میں علاقہ ہوشیار پور میں بھی ایک صحابی تشریف لائے تھے۔ اس کا انکشاف مولانا نواب دین چشتی صابری خلیفہ حضرت سراج الحق چشتی صابری نے فرمایا تھا اور خود بھی ان کے مزار اقدس پر جو کہ کوہ شوالک کی پہاڑیوں میں واقع تھا۔ حاضری کا شرف حاصل کیا تھا، مگر انہوں نے اس صحابی کا اسم گرامی نہیں ظاہر فرمایا۔ یوں تو سرزمین ہندوپاک پر مسلمانوں کے قدم پہلی صدی ہجری میں حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظمؓ بن خطاب کے عہدِ خلافت میں آئے تھے۔ ۱۵ھ / ۶۳۶ء میں حضرت عثمان بن ابی عاص ثقفی بحرین اور عمان کے گورنر مقرر ہوئے وہ خود عثمان ہی میں رہے مگر اپنے بھائی حکم بن ابی عاص کو اپنا نائب بنا کر بحر میں بھیجا۔ عثمان نے کچھ دنوں کے بعد بحری بیڑہ تیار کیا اور حملہ کی غرض سے تھانہ بندرگاہ پر پہنچا جو گجرات اور بمبئی کی سرحد پر واقع ہے۔ عربوں کا گجرات بلکہ ہندوستان پر یہ پہلا حملہ تھا۔ دوسری مرتبہ عثمان نے اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابی العاص کو سندھ کے مشہور شہر دیبل پر حملہ کے لیے روانہ کیا۔ دشمنوں کو شکست فاش دی اور مالِ غنیمت لے کر واپس لوٹے۔ یہ سندھ پر پہلا حملہ تھا۔ اسی دور میں ان کے دوسرے بھائی حکم بن ابی العاص نے دوسرا بحری بیڑہ لے کر گجرات کی مشہور بندرگاہ بہروچ پر حملہ کیا۔ اسی طرح جب مسلمان ایران فتح کرتے ہوئے مکران، کرمان اور سیستان تک پہنچ گئے تو سندھ کی سرحدیں ان اسلامی مقبوضات سے مل گئیں جو ابھی نو مفتوحہ تھیں۔ مکران پر سب سے پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنے دورِ حکومت میں ربیع بن زیاد کو بھیج کر قبضہ کر لیا تھا، لیکن کامل اقتدار حاصل کے لیے بغیر مجاہدین واپس آگئے جس سے وہاں کے لوگ پھر خود مختار ہو گئے۔ ۲۲ ہجری میں جب تمام ایران مفتوح ہوا تو عبداللہ بن عامر بن ربیع کرمان پر قبضہ

کے سیستان کی طرف بڑھے حاکم سیستان نے اطاعت قبول کر لی پھر مکران پر حملہ آور ہوئے۔ مکران نے سندھ سے مدد حاصل کی مگر دونوں پر فتح حاصل کی اور ۲۳ھ تک ان پر مستقل انتظام کیا گیا۔ حکم بن عمر ثعلبی نے مکران پر حملہ کیا ان کے ساتھ شہاب بن معارق و سبیل بن عدی و عبد اللہ بن عتبان بھی مدد کے لیے تھے۔ آخر کار مکران کا راجہ زبیل ملا گیا یہ تمام واقعات خلیفہ دوم کے دور میں ہوئے۔

۲۴ھ میں حضرت عثمان بن عفان خلیفہ ہوئے۔ ایک سال کے بعد ۲۵ھ ہجری میں اپنے ماموں زاد بھائی عبد اللہ بن عامر بن کریم کو سیستان روانہ کیا جہاں سے وہ کابل پر حملہ آور ہوئے تھے گو سیستان عند حضرت عمرؓ میں فتح ہو چکا تھا، لیکن کابل کا راجہ جو اس عہد میں صوبہ سیستان کا ایک حصہ تھا۔ ابھی تک مختار تھا۔ اس کو فتح کیا، لیکن عربوں کے واپس جانے کے بعد دوبارہ خود مختار ہو گیا تھا۔ ۲۹ھ ہجری میں عبد اللہ بن عامر بجائے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے تمام مشرقی ممالک کے حاکم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ بصرہ اس کا پایہ تخت تھا عبد اللہ بن عمیر لیشی کو سیستان اور عبید اللہ بن عمر کو مکران کا حاکم بنایا عبد الرحمنؓ۔ کرمان کے گورنر مقرر ہوئے۔ ابن عامر نے خراسان پہنچ کر سیستان کی حکومت ربیع بن زیاد حارثی کو دی اور کرمان مجاشع بن مسعود کو دیا۔ ہندوستان کی سرزمین پر یہ حملہ خشکی کی طرف سے ہوا اور خود اصحابہ رسولؐ کے مقدس ہاتھوں سے مفتوح ہوا۔

اس کے بعد عبد الرحمنؓ نے کابل، زبستان (غزنہ) اور قندھار وغیرہ کو فتح کیا اور تمام سیستان مکمل طور پر فتح ہو گیا۔ ۳۵ھ میں حضرت علی مولائے کائنات خلیفہ ہوئے۔ ۳۶ھ میں آپؑ نے تمام والیوں کو معزول کر دیا، مگر کچھ بغاوت کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ ۳۸ھ میں شاغر بن و عورا کو سرحدی حملہ کے لیے روانہ کیا گیا جس نے قیقان کو فتح کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے زیاد کو یہاں کا حاکم مقرر کیا جس نے ۳۹ھ میں خراسان پہنچ کر ان ممالک کا بہترین انتظام کیا۔ ۴۰ھ میں حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو ۴۱ھ میں عبد اللہ بن عامر حاکم اعلیٰ مقرر ہو کر بصرہ پہنچے۔ انہوں نے راشد بن عمر کو حد و ہند پر روانہ کیا۔ ۴۲ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے قیقان پر حملہ کیا، لیکن وہ شہید ہو گئے عبد الرحمن بن سمرہ کو ۴۲ھ میں والی سیستان مقرر کیا گیا۔ تمام بغاوتوں کو فرو کر کے کابل پہنچے۔ کابل کے تمام علاقے فتح کرنے کے بعد انتظام کیا اور واپس بصرہ آئے یہاں پر ۵۰ھ میں انتقال ہوا۔

۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ جو ابن سمرہ کی فوج کے سردار تھے جو ہند کی طرف براستہ خیبر روانہ ہوئے۔

مہلب کابل اور پشاور کی درمیانی گھاٹیوں کو طے کر کے سرزمین ہند میں پہنچے۔ اس دور میں یہ علاقہ سندھ میں داخل تھا۔ ۵۹ھ میں خراسان کے والی زیاد کا لڑکا عمار مجاہد ہو کر ساحل ہند پر آیا۔ پہلے سیستان ہو کر ساروز پہنچا۔ پھر

علاقہ دہلی سے گزر کر جو سیستان (بجستان) ہی میں واقع ہے۔ ہند مند (ہلمند) کی راہ سے کش ہوتے ہوئے قندھار پر حملہ آور ہوا اور اس کو فتح کیا۔ سندھ کی سرحد پرستان کی شہادت کے بعد ۶۱ھ میں ابوالاشفت منذر بن جارد عبدی حاکم مقرر ہوئے۔ بوقان اور قیقان اور قندار اخضرا کو فتح کیا۔ ۶۵ھ میں خلیفہ عبدالمالک بن مروان مسند خلافت پر بیٹھے مگر زیادہ تر انتظامات میں مصروف رہا۔ ۷۵ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی مشرقی ممالک کا حاکم اعلیٰ مقرر ہوا تو اس نے سعید بن اسلم بن زرعہ کلانی کو مکران اور سرحد سندھ کا حاکم مقرر کیا، مگر مکران پہنچ کر شہید ہو گیا۔ اس کے بعد مجاہد بن سحر تمیمی کو مکران بھیجا اس نے قندابیل (گندھاری) پر فتح حاصل کی، لیکن ۷۶ھ میں مکران میں انتقال ہو گیا۔ حجاج ثقفی نے پھر محمد بن ہارون بن ذرعہ نمری کو مامور کیا۔ ۹۱ھ تک محمد بن ہارون ملکی نظم و نسق میں مشغول رہا۔

فتح سندھ بہ عہد ولید بن عبدالمالک

حجاج بن یوسف ثقفی نے فتح سندھ کا مصمم ارادہ کرتے ہوئے محمد بن قاسم کو جو صوبہ فارس میں تھا۔ ایک فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے بمعہ چھ ہزار سائڈنی، تین ہزار اونٹ اور چھ ہزار شامی فوج کے ساتھ دیبل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ سب سے پہلے شیراز آیا اور مکران کی سرحد سے چل کر قزپور (پنج گور) فتح کیا پھر آگے بڑھ کر اربابیل (ارمن بیلہ/لس بیلہ) کے پائے تخت پر قبضہ کیا۔ اس مقام پر محمد بن ہارون دالی مکران بھی فوج لے کر آ گیا۔ ارمن بیلہ سے سیدھا دیبل پہنچا۔ ابتداءً رجب ۹۲ھ کو فتح کیا اس کے بعد نیرون (موجودہ حیدرآباد) سیستان۔ ستوی (ستی) قلعہ اشپہار کو فتح کیا اور ۱۰ رمضان ۹۳ھ کو راجہ دہر کو الور (اور موجودہ روہڑی) کے پاس جنگ کر کے جہنم واصل کیا۔ حجاج بن یوسف ثقفی کے انتقال کے آٹھ ماہ بعد ۹۶ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالمالک کا دمشق پایہ تخت شام میں انتقال ہو گیا اور سلیمان بن عبدالمالک تخت نشین ہوا۔ ۲۰ صفر ۹۹ھ کو سلیمان بن عبدالمالک کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے۔ ۱۰۰ھ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے تمام ٹھاکروں اور راجوں کو دعوت اسلام دی۔ عمر بن مسلم باہلی نے سندھ آ کر امن و امان قائم کیا اور کچھ علاقے جان نہر تک فتح کیے۔ ۱۰۱ھ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے وفات پائی تو زیند بن عبدالمالک خلیفہ مقرر ہوا مگر ۲۵ شعبان ۱۰۵ھ میں زیند بھی وصال کر گیا اور ہشام بن عبدالمالک خلیفہ ہوئے۔ ۱۰۷ھ میں جنید بن عبدالرحمن الہری کو سندھ کا حاکم مقرر کیا۔

جس نے بدامنی کو روک کر امن قائم کیا اور فتوحات ملتان بلکہ دریائے راوی تک کیں۔ جنید نے مارواڑ اور گجرات پر حملہ کیا اور سولنکی خاندان (کاٹھیاواڑ۔ کچھ جنوبی گجرات) پر فتح حاصل کی اس کے بعد چین مالوہ فتح کیا اور واپس سندھ آگیا۔ جنید شمال مشرقی علاقے دریائے بیاس سے مغرب کی طرف فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑتا ہوا پہنچا یہ ڈلاؤزی اور دھرم سالہ کے اوپر واقع ہے۔ اس وقت جنید کے ماتحت شمال میں کشمیر کی سرحد مشرق میں بیاس اور راوی مغرب میں بحر عرب جنوب میں مالوہ کے علاقے تھے۔ اس نے تقریباً چار برس حکومت کی جنید ۱۱۱ھ میں سندھ کی نظامت سے علیحدہ ہوا۔ اس کے بعد تمیم بن زید عتبی مقرر ہوا، مگر کاہل اور سست ہونے کی وجہ سے سندھ کا نظام درہم برہم ہو گیا اور اس کا بھی انتقال دریائے سندھ کے قریب ہو گیا۔ سندھ کے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ ملتان، سندھ سے الگ ہو گیا۔ اس کے بعد عراق کے حاکم خالد قسری نے حکم بن عوانہ کو والی سندھ مقرر کیا۔ اس کے وقت میں عمر بن محمد بن قاسم ثقفی فاتح سندھ نے سندھ کے مشرقی دہانے پر منصورہ آباد کیا اور تمام سندھ میں امن و امان ہو گیا۔ ۱۲۱ھ میں حکم بن عوانہ سندھ میں شہید ہوا۔ پھر سندھ کا ناظم زید بن عرار کو مقرر کیا گیا۔ ۶ ربیع الاول کو ۱۲۵ھ میں ہشام خلیفہ دمشق فوت ہو گیا۔ اس کی جگہ ولید بن یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ ۱۲۶ھ میں جب ولید مر گیا تو یزید الناقص بن ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو چھ ماہ بعد یزید ناقص بھی مر گیا۔ پھر ابراہیم بن ولید خلیفہ ہوا۔ ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کی جگہ بنو عباس نے خلافت حاصل کی۔ ۱۳۲ھ میں ابو مسلم خراسانی نے پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس عبداللہ السفاح خراسان کے علاوہ تمام مشرقی ممالک پر قبضہ کیا۔ ۱۳۴ھ میں موسیٰ بن کعب کو سندھ کا والی مقرر کیا گیا۔ ۱۳۶ھ میں خلیفہ ابوالعباس عبداللہ فوت ہو گیا۔ اس کے بعد موسیٰ بن کعب تمیمی والی سندھ فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا فرزند عینیہ بن موسیٰ کو سندھ کا والی بنایا گیا، مگر بدامنی پھیل گئی۔ ۱۴۲ھ/۷۵۹ء عمر بن حفص کو ابو منصور خلیفہ عباسی نے بغاوت فرد کر کے تھوڑا امن کیا۔ اسی دور میں اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضرت عبداللہ الاشتر بن محمد النفس الذکیہ بن عبداللہ بن حسنی ثنی بن حضرت حسن بن حضرت علیؑ سندھ تشریف لائے اور اسی علاقے میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد ہشام نے ۱۵۶ھ تک بدامنی نہ ہونے دی، مگر ۱۵۷ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ بعد میں معبد بن خلیل کو خلیفہ منصور نے سندھ کا والی مقرر کیا۔ ذوالحجہ ۱۵۸ھ میں خلیفہ منصور کا انتقال ہو گیا۔ اس کا لڑکا المہدی تخت خلافت پر بیٹھا تو ۱۵۹ھ میں معبد بن خلیل تمیمی کا انتقال ہوا تو روح بن حاتم تمیم خلیفہ مقرر ہوا۔

۱۵۹ھ میں غالباً پھر عرب تاجروں کو گجراتیوں سے شکایت پیدا ہو گئی۔ خلیفہ مہدی نے جہازوں کا ایک بیڑا عبدالملک بن شہاب مسمعی کے زیرِ کمان ۱۶۰ھ میں بھاڑ بھوت پہنچا یہ بھروچ سے سات میل مغرب کی جانب

ایک کچی بندرگاہ تھی۔ ان میں ابو بکر ربیع بن صلیح السعدی بصری تھے جن کو تابعی ہونے کا فخر حاصل تھا۔ انہوں نے جہاد کیا وہ خواجہ حسن بصری کے شاگرد تھے اور ہند ہی میں وفات پائی۔ اس کے یکے بعد دیگرے ۶۳ھ تک نصر بن محمد بن اشعث والی سندھ رہے۔ کچھ کچھ بغاوتوں کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں، مگر ۶۴ھ میں خلیفہ ہندی نے اپنے غلام لیث بن ظریف کو سندھ بھیجا جس نے ۶۵ھ میں بغاوت کو فرو کیا۔ ۶۹ھ میں مہد فوٹ ہوا۔ ۷۰ھ میں خلیفہ ہارون بن موسیٰ ہادی خلیفہ مقرر ہوا تو والی سندھ سالم یونس مقرر ہوا چار سال تک حکومت کی ۷۴ھ میں اسحق بن سلیمان ہاشمی والی مکران سندھ ہو کر آیا، مگر اسی سال فوت ہو گیا۔ ۷۱ھ میں بعہد ہارون رشید شیخ ابو تراب تبع تابعی مغربی سندھ میں ضلع ساکورہ (ساگرہ) پر مع قلعہ قابض تھے۔ یہیں وصال ہوا۔ ان کا مقبرہ ٹھٹھہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے جس پر ۷۰ھ تحریر ہے۔ ۸۴ھ میں قدیم خاندان آل مہلب کے داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی کو سندھ کی حکومت سپرد ہوئی۔ ۹۳ھ میں ہارون رشید کا دار الخلافہ بغداد میں انتقال ہو گیا۔ بعد میں اس کا لڑکا امین الرشید تخت نشین ہوا۔

۹۸ھ میں امین الرشید بھی مارا گیا اور اس کا بھائی ماموں الرشید تخت پر بیٹھا۔ ۲۰۵ھ میں برس تک حکومت کی۔ داؤد بن حاتم مہلبی بھی فوت ہوا۔ ۲۱۳ھ میں موسیٰ بن یحییٰ برکی سندھ پر ناظم مقرر ہوا۔ ۲۲۱ھ میں موسیٰ برکی فوت ہوا (جو کہ کشمیری النسل تھا) اس کے بعد اس کا لڑکا عمران بن موسیٰ بن یحییٰ بن خالد بن برمک سندھ کا نائب والی مقرر ہوا۔

۲۲۶ھ میں عمران مارا گیا اس کے بعد عینیہ بن اسحق سندھ کا والی مقرر ہوا۔ ۲۳۲ھ میں الواثق باللہ کا انتقال ہو گیا اور متوکل تخت نشین ہوا۔ ۲۵۵ھ میں عینیہ کا بھی انتقال ہو گیا تو اس کی جگہ ہارون ابن ابی خالد کو سندھ کا ناظم مقرر کیا گیا۔

پہلی صدی ہجری میں صحابہ کرام میں بعض حضرات سرزمین ہندوپاک تشریف لائے ان کے ساتھ تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت عرب و عراق سے آکر سندھ میں آباد ہوئی۔ محمد بن قاسم نے دیبل کی فتح کے بعد سندھ کی زمیں کی پیمائش کروا کر اس کے قطعات عرب فاتحین میں تقسیم کیے۔ علاوہ ازیں اس نے ایک عظیم الشان مسجد تھوئی اور دیبل میں چار ہزار مسلمان آباد کیے۔ پھر جب سندھ کا علاقہ ملتان تک فتح ہو گیا تو محمد بن قاسم نے مال غنیمت کے خمس میں سے ہر شہر اور ہر قبضے میں مسجدیں تعمیر کروائیں اور تمام سندھ میں مسلمان پھیل کر جگہ جگہ آباد ہو گئے۔ انہوں نے سندھ میں جا بجا قرآن و حدیث کے درس جاری کیے اور اس سرزمین نے ایسے ایسے باکمال لوگ پیدا کیے۔ جنہوں نے عالم اسلام میں اپنے علم و فضل کا جھنڈا بلند کیا۔ مثلاً یزید بن ابی کبشہ حضرت منعقل بن المہلب شیخ ابو حفص ربیع

البصریؒ ان کے شاگردوں میں حضرت سفیان ثوریؒ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حضرت وکیع بن الجراحؒ استاد امام محمد بن ادریس شافعیؒ حضرت موسیٰ بن یعقوب الثقفیؒ حضرت اسرائیل بن موسیٰ البصریؒ ابو عیسیٰ بن عبد الرحمن السدیؒ محمد بن کعب القرظیؒ اور موسیٰ بن بشار نافع مولیٰ ابن عمر کے شاگرد تھے۔ یہ تمام کے تمام تبع تابعین ہیں سے تھے۔ سندھ میں ان حضرات نے اسلام کی تبلیغ جس بڑے پیمانے پر کی۔ آج تمام ہندوستان کے مسلمان ان حضرات کے احسان مند ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت ابو علی سندی (سندھ کے صوفی) جن سے حضرت بایزید بسطامی (۲۶۱ھ/۸۷۴ء) نے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ ان مبلغین اسلام نے سندھ میں مذہب اسلام اور علم دین پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پودا کاشت کیا تھا وہ بڑھ کر جب تناور شجر بنا تو اس کی شاخیں تمام ہندو پاک کے گوشے سے میں پھیل گئیں جس سے تمام دنیا نے استفادہ کیا۔ ان حضرات کا دائرہ فیض زیادہ تر سندھ اور قرب و جوار تک محدود رہا۔ اس کے بعد پانچویں صدی ہجری میں جب سلطان محمود غزنویؒ (۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) نے شمال کی طرف سے ہندوستان پر حملہ کیا تو علماء و مشائخ بھی ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ مثلاً ابو محمد چشتیؒ (۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء) جو بعد میں واپس چشت تشریف لے گئے تھے۔ پھر سلطان شہاب الدین محمد غوریؒ (۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء) نے اجمیر پر حملے کیے تو دوران حملے بانی چشتیہ سلاسل حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتیؒ نے اپنے قدم مبارک سے ہند کو نوازا تو راجہ اجمیر جے پال کے متعلق فرمایا کہ من ترا زندہ بہ سلطان غور سپردم اجمیر فتح ہو گیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ہندو راجگان راجپوتوں کا زور ٹوٹ گیا اور تقریباً ہندوستان کی قدیم راجپوت حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کی مضبوط و مستحکم حکومتیں قائم ہو گئیں۔

چھٹی صدی ہجری / بارہویں صدی عیسوی میں تاتاریوں نے اسلامی ممالک پر مظالم ڈھائے اس سے مرکز خلافت اسلامیہ بغداد کی حیثیت ختم کر دی۔ بخارا و سمرقند، رے، ہمدان، خوارزم نیشاپور اور قزوین وغیرہ شہروں اور قصبہ کو تاراج کر کے خاک میں ملا دیا ان کی اس تباہی کا اثر مدرسوں اور خانقاہوں پر بھی ہوا جیسا کہ اس سے پہلے ہندو پاک میں مستقل اور مستحکم اسلامی حکومتیں قائم ہو چکی تھیں تو علماء و مشائخ نے بھی اپنی اپنی درسگاہوں سے نکل کر ہجرت اختیار کر کے پاک و ہند کا رخ کیا۔ یہاں پر انہوں نے اپنے فیض اثر سے دین اسلام کو وسیع پیمانے پر وسعت دہرائی اور وہی خانقاہیں بزرگان دین کے دم قدم سے دوبارہ پاک و ہند میں نمایاں کردار ادا کرنے لگیں ظاہر ہے اس کے اثرات یہاں کے معاشرے پر بھی ہوئے۔ غیر مسلمانوں نے جن کا معاشرہ کے اندر کوئی خاص مقام نہیں تھا۔ چھوت چھات اور ذات پات کی تقسیم میں ذہنی طور پر مبتلا تھے۔ انہوں نے اسلام کی تبلیغ کا زیادہ اثر لیا۔ اسی سے معاشرہ میں تبدیلی آگئی۔

۱۔ یہ تمام کے تمام

لاہور میں داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کی بہت وسیع پیمانے پر خدمات سرانجام دی ہیں۔ یہاں تک کہ لاہور کے حاکم رائے راجو نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور مسلمان ہو کر شیخ ہندی کے نام سے اپنا نام روشن کیا۔ اس سے متاثر ہو کر ایک اور ہندو سردار جے سنگھ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ آپ نے اسلامی مشن کی تکمیل کے لیے کئی ایک کتابیں لکھیں جس میں زیادہ تر کشف المحجوب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس سے پہلے حضرت سید شاہ حسین زنجانی برادرِ طریقت حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ لاہور تشریف لائے تھے۔ آپ نے بھی اسلامی تبلیغ میں بھرپور کردار ادا فرمایا۔ اجمیر شریف میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے دہلی میں آپ کے مریدِ طریقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکئیؒ نے بذریعہ درس و تدریس خانقاہی نظام کو چلایا۔ اس کے بعد پاکستان شریف میں بابا فرید الدین گنج شکر تونسہ شریف میں حضرت سلیمان تونسویؒ سیال شریف میں حضرت شمس الدین اور گولڑہ شریف میں حضرت پیر علی شاہؒ

حضرت علی ہجویریؒ

آپ کا اسم گرامی علی اور کنیت ابوالحسن ہے۔ داتا گنج بخش کے نام سے شہرت پائی غزنی کی دو بیٹیوں ہجویر اور جلاب میں ابتدائی عمر گزری۔ اسی لیے ہجویری اور جلابی بھی کہلائے۔ آپ کی ولادت باسعادت دسویں صدی عیسوی کے آخری عشرے میں یا گیارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہوئی بعض محققین نے سال ولادت مختلف قرآن کی مدد سے (۱۰۰۹-۱۰/۵۴۰) ثابت کیا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عثمان بن سید علی تھا۔ آپ کا خاندان علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں لاثانی تھا۔ حصول علم کے لیے متعدد ممالک کا سفر کیا اور اپنے عہد کے ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ سلسلہ ضیائیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور فقہی مسلک میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے۔ سلسلہ نسب و طریقت حضرت علیؑ رحمہ اللہ سے ملتا ہے۔ لاہور میں آپ ۵۴۳ھ/۱۰۲۹ء میں بھہر سلطان مسعود غزنوی حکم مرشد پاک بلئے رشد و ہدایت تشریف لائے اور طرح اقامت ڈال کر رشد و ہدایت کی شمع روشن کی اس وقت وہاں مسلمانوں کے نئے نئے قدم جمے تھے۔ مکمل سیاسی استحکام نصیب نہیں ہوا تھا اور دیوتاؤں کی سزین ابھی پورے طور پر نور اسلام سے آشنا نہیں ہوئی تھی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کا بول بالا کرنا لوگوں کو وحدانیت کا درس دینا۔ شرکت و بدعت سے روکنا بہت ہی کٹھن کام تھا۔ ویسے بھی یہاں کے سیاسی حالات اور معاشرتی حالات دگرگوں تھے۔ غزنوی خاندان بادشاہوں سے ہندوؤں کو جوڑک پنہی تھی۔ وہ اس کا بدلہ بے گناہ مسلمانوں سے چکارے تھے۔ یہاں پر آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی تاکہ اُسے عبادت اور ذکر و فکر کے علاوہ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کا مرکز بھی بنا سکیں۔ آپ نے ظلمت کدہ برتھیر کو نورِ حق سے منور کیا۔ آپ کی انسان دوستی۔ ہمہ گیر شخصیت و بلند کرداری پختہ عزم اور تبلیغ کے دلشیں انداز نے ایک انتہائی متعصب قوم پر جو گہرے اثرات چھوڑے اس سے معاشرہ میں ایک انقلاب آگیا۔ وقت کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کو سینے سے لگایا۔ آپ نے بُرائی کو جرم نہیں ایک بیماری سمجھا اور ایک طبیب کی طرح دقت کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ ہندو راہبوں کو آپ کے سامنے تبریم ختم کر دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

آپ کی ہا کمال شخصیت کا یہ کمال تھا کہ سینکڑوں لوگ آپ کے روحانی فیض سے متاثر ہو کر راہ ہدایت پا گئے۔ آپ تمام مسلمانوں کے بلا ایجاز مسالک و مکاتب فکر مشترک و مستند روحانی رہنما ہیں۔ غیر مسلم اہل علم و دانش نے بھی آپ کی عظمت و بزرگی کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور تبلیغ و ارشاد دین اسلام کے باب میں آپ کی بے مثال کامیابی و کامرانی کا اعتراف کیا ہے۔

اس کے علاوہ ٹھٹھہ، ملتان وغیرہ میں یہ خانقاہیں قائم ہو گئیں۔
 مثلاً الحافظ الحدیث الامام ابو بکر محمد بن محمد بن رجا ٹھٹھہ (سندھ) ہی کے مشہور محدثین میں سے تھے۔
 اسحاق بن راہویہ امام احمد بن حنبل اور علی ابن المدینی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے احادیث کا ایک مجموعہ
 الصحیح کے نام سے مرتب کیا ان کا وصال شریف ۲۸۶ھ / ۸۹۹ء میں ہوا۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں دیبل
 منصورہ اور بوقان وغیرہ میں سینکڑوں محدثین اور علما و مشائخ پیدا ہوئے۔ سندھ کے ان علمی مراکز کا فیض ملتان اور
 لاہور تک پہنچ گیا تھا۔ بعد میں چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں ویسے بھی چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلاسل
 کی باقاعدہ خانقاہوں نے درس و تدریس کے ذریعے مخلوق خدا کو راہ راست پر لانے کے لیے آغاز کر دیا تھا۔
 دُور دُور سے تشنگانِ علوم پر واہ دار کھینچ کر آئے اور شمعِ علم و ہدایت کی روشنی حاصل کر کے جاتے اور اپنے اپنے

آپ کا وصال شریف ۲۸۶ھ / ۸۹۹ء میں بعد سلطان ظہیر الدین ابراہیم غزنوی کے دور میں لاہور میں ہوا۔

گزشتہ سے پیوستہ فٹ نوٹ نمبر ۲۔

آپ کی ولادت باسعادت بجزستان میں ہوئی والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ غیاث الدین حسنی تھا۔ آپ کی نشوونما خراسان میں ہوئی۔ پندرہ سال
 کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ کی بسراوقات کے لیے ایک باغ ترکہ میں تھا۔ اسی باغ میں آپ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے
 تھے۔ ایک دن ایک مجذوب ابراہیم قندوزی کی نگاہِ کرم سے دل میں عشقِ الہی کے دریا کی لہریں اٹھنے لگی اور دُنیا سے دل برداشتہ ہو کر اپنی تمام
 ملکیت فقرا میں تقسیم فرمادی۔ آپ نے قصبہ ہارول میں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت فرمائی اور خرقہ خلافت سے نوازے
 گئے۔ آپ حافظ کلام اللہ تھے اور صائم الہم اور شب زندہ دار عابد تھے۔ عموماً فجر کے وضو سے نماز عشاء ادا فرماتے تھے اور روزانہ ایک تولیہ خشک
 روٹی کو پانی سے تر کر کے افطار فرماتے تھے۔ اپنے کپڑے خود ہی دھوتے اور پچھٹ جانے پر بنفس نفیس پیوند لگاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ
 اپنے پیر و مرشد کے ساتھ مکہ معظمہ کو تشریف لے گئے اور وہاں میزب کے نیچے آپ کے مرشد نے کھڑے ہو کر دُعا نہایت عاجزی سے فرمائی نہ آئی کہ معین الدین
 ہمارا دوست ہے۔ اس کو ہم نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد وہاں سے روضہ منورہ حضرت وارث دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
 پر حاضر ہوئے۔ آپ کے مرشد پاک نے حکم دیا کہ معین الدین تحفہ سلام پیش کر دو؛ چنانچہ آپ نے سلام پیش کیا۔ آواز آئی۔ وعلیکم السلام
 یا قطب المشائخ وہاں سے بغداد تشریف لائے جو غیر مسلم آپ کے رُفے مبارک کی زیارت کرتا۔ مسلمان ہو جاتا۔ حتیٰ کہ بغداد میں آپ کی برکت
 سے تمام کفار مسلمان ہو گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی حضرت غوث محی الدین سید شاہ عبدالقادر جیلانیؒ سے دو مرتبہ ملاقات ہوئی۔ جب آپ اپنے پیر و مرشد
 سے فخر کی تمام نصیحتیں حاصل کر چکے تو آپ کی عمر باذنِ سال تھی۔ آپ نے دورانِ سیاحت کئی بار حج کیے اور مدینہ منورہ کی زیارت سے
 مشرف ہوئے۔ ایک دن بحکم حضرت سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپہ مندوستان کی طرف تشریف لائے اور اجیر شریف میں قیام فرمایا۔ یہاں
 پداجیر کے راجہ پرتھوی راج کا ایک خاص بت کہہ تھا جس کا کفار نہایت احترام کرتے تھے اور اس کی چراغ تہی اور پوجا پاٹ کے مصارف کے
 لیے کئی پرگنے اور مواضع جات وقف تھے۔ آپ کی نظر کرم سے اس بت خانہ کو کفار نے چھوڑ دیا اور پھر ایک ساحر دیونا می سے بھی مقابلہ کیا، مگر

گرد و نواح کے علاقوں میں جا کر مخلوق خدا کی رہنمائی کرتے اور راہ ہدایت و مستقیم پر لاتے۔ وہ ہندو جن کا معاشرہ کے اندر کوئی مقام نہ تھا اور وہ غیر مسلم جو معاشرے کے اندر خود رو کیڑے مکوڑوں کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ جب انہوں نے مذہب اسلام کی وسعت و بند جو صلگی دیکھی۔ بزرگان دین کے کردار و اخلاق سے متاثر ہوئے تو وہ مذہب اسلام میں داخل ہوتے گئے جس سے ان کے قلوب کو سکون و تسکین ہوا اور معاشرہ کے اندر ان کو بھی اپنا ایک مقام نظر آنے لگا۔ گویا کہ دولت انسانیت ہاتھ لگ گئی اور ان کے دلوں سے احساس کمتری کا فوراً ہونے لگا۔ اس کے علاوہ ان کے امراض روحانی اور قلبی کو دور کیا۔ ان کے زخم خوردہ قلوب کو شفا ملنے لگی۔ پیغمبر اسلام نبی آخر زمان سے والہانہ عشق و محبت ان کے دلوں میں پرج بس گیا۔ گویا معاشرے کے اندر بھی ان کو اپنے ہی

ان کا سحر باطل ناکام ہو گیا اور آپ کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور شادی دیو کا لقب پایا۔ پھر نواح اجمیر میں ایک جوگی جیپال نامی سے معرکہ ہوا۔ آخر کار بے پال آپ کے قدموں پر گرا۔ آپ نے اس کو ایک پیالہ پانی کا پینے کو دیا جس کے پینے ہی حالت دگرگوں ہو گئی۔ آپ نے بے پال کے لیے تاقیامت زندہ رہنے کی بھی دعا فرمائی۔ اس کے بعد راجہ پرتھوی راج کو دعوت اسلام دی گئی، مگر اس نے انکار کر دیا لہذا آپ نے فرمایا کہ میں اس کو زندہ لے کر اسلام شہاب الدین محمد غوری کے سپرد کرتا ہوں تاکہ اس کی سزا ملے۔ پرتھوی سے دنوں کے بعد سلطان شہاب الدین نے خراسان میں خواب دیکھا کہ گویا ہندوستان میں حضرت خواجہ کے دو بردہ حاضر ہے اور حضرت اس سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے شہاب الدین خداوند تعالیٰ نے ہندوستان کی بادشاہت تجھے عنایت فرمائی ہے لہذا فوراً ہندوستان کا سفر اختیار کر اور راجہ اجمیر پر فتح حاصل کر۔ آپ کی پہلی شادی سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں میر سید وجیبہ الدین کی صاحبزادی بی بی عصمت سے ہوئی۔ آپ کی دوسری شادی بی بی امہ اللہ سے کی۔ انہیں کے بطن سے صاحبزادی بی بی حافظہ جمال متولد ہوئیں۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ حضرت خواجہ ابو سعیدؒ حضرت خواجہ فخر الدین اور حضرت خواجہ حسام الدین یہ تینوں صاحبزادے حضرت بی بی عصمت کے بطن مبارک سے تھے۔ آپ کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔ ۱۔ درویش وہ ہے کہ حاجت مند کو محروم نہ کرے۔ ۲۔ عارف تین سے برداشتہ خاطر رہتا اور صد ہزار تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے وہ وقت واحد میں مختلف کیفیات کا حامل رہتا ہے۔ ۳۔ متوکل وہ شخص ہے جس کو نہ کسی سے محبت ہو نہ عداوت اور نہ کسی اعانت کی ضرورت۔ ۴۔ صاحب محبت وہ ہے جو آغاز عشق ہی میں اپنے کو ناچیز تصور کرے اور اپنی مستی کو بیخ سمجھے۔ ۵۔ جو شخص خدا کی محبت میں مر گیا۔ اس نے سعادت کا میدان جیت لیا، لیکن مشاہدہ جمال دوست سے باقی ہے۔ حق تعالیٰ اس کو منتخب و مختار کرتا ہے۔ ۶۔ تجرید کے معنی یہ ہیں کہ فقیر خدا سے اتصال اور ماسوی سے انقطاع اختیار کرے۔ ۷۔ حیا یہ ہے کہ بجز اپنے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ تعظیم یہ ہے کہ ہمیشہ اطاعت و عبادت میں کوشاں رہے۔ ہیبت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے قصور پر منفعیل ہو۔

خلفاء! آپ کے خلفا گیارہ تھے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ خواجہ فخر الدین۔ قاضی حمید الدین ناگوری۔ شیخ وجیبہ الدین اصولی شیخ بلال الدین عرفہ مدنی شیخ احمد۔ شیخ محسن۔ شیخ سیدمان۔ جیپال جوگی المعروف بہ عبداللہ اور بی بی حافظہ جمال۔

آپ کا وصال شریف۔ ۴ رجب المرجب ۶۴۳ ہجری میں ہوا۔ اجمیر شریف میں روضہ اقدس واقع ہے۔

آپ کے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ادھی! آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت سید موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ پہلے آپ کا نام بختیار تھا۔ بعد میں خدا کی جانب سے قطب الدین کا لقب عطا ہوا۔ آپ کی ولادت باسعادت بمقام ادھی میں جو ماہی النہر کا ایک قصبہ تھا۔ میں ہوئی۔ آپ ملازمت

غموار نظر آنے لگے اور آٹے دن کی دور کی ٹھوکروں سے نجات مل گئی۔ ان کے پریشان حال ذہنوں کو ایک مرکز مل گیا تھا۔ آہستہ آہستہ معاشرے کے اندر تبدیلیوں کے آثار نمایاں ہونے لگے اور یوں شمع اسلام کے دیے سے دیا جلتا رہا۔ اسلام پھیلتا رہا آج ہندو پاک بڑھتی ہیں جتنے بھی مسلمان قومیں آباد ہیں۔ ان میں سترہ پچتر فیصد لوگ غیر مسلم تھے جنہوں نے ان بزرگان دین کے طفیل دین اسلام قبول کیا۔ انہی نو مسلم لوگوں میں کچھ صاحب ولایت اور دردمجبت والے ہوئے ہیں۔ مثلاً ضلع ہوشیار پور کے اندر موضع شام چوراسی میں حضرت خواجہ عبدالنبی شامی رحمۃ اللہ علیہ

ولی تھے۔ ہنوز آپ ڈیڑھ سال ہی کے تھے کہ والد بزرگوار حضرت سید موسیٰ کاوصال ہو گیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی ہر طرح سے پرورش فرمائی۔ ساٹھ چار سال کی عمر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجری کے پاس گئے مگر کچھ حالات ایسے ہوئے کہ آپ کی تعلیم حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سے ہوئی۔ پھر اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے آپ کی ظاہری و باطنی تربیت اور تعلیم فرمائی اور تھوڑے ہی عرصہ میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے اور بغداد شریف تشریف لے گئے۔ آپ نے شیخ شہاب الدین سروردی شیخ عبداللہ بن کرانی شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی جیسے اولیائے کرام سے اکتساب فیض کیا۔ آپ نے خواجہ حضرت معین الدین چشتی سے بیعت فرمائی اور خرقہ خلافت پایا۔ اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی اس کے بعد آپ ہندوستان دلی میں تشریف لے آئے۔ دلی آتے ہوئے آپ کے ساتھ شیخ جلال الدین تبریزی بھی تھے۔ جب دونوں صاحبان ملتان پہنچے اور اس کی خبر شیخ الاسلام حضرت غوث بہاؤ الدین ذکر یا سروردی نے پائی تو وہ استقبال کے لیے تشریف لائے اور نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنی خانقاہ میں لے گئے۔ بعد میں دلی تشریف لے گئے۔ حکم پیر و مرشد دہلی میں اقامت پذیر ہو گئے اور وہاں کے تمام لوگ آپ کے حلقہ گوش ہو گئے۔ روز بروز لوگوں کا ہجوم بڑھتا گیا اور آپ کے قدم مبارک سے آفتاب ولایت کی شعاعیں اطراف و کنارے کو منور کرنے لگیں۔ اکثر اُمراء نذریں گزارتے تھے، مگر آپ قبول نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو خیال پیدا ہوا کہ نہ تو کسی سے قرض لینا چاہیے نہ نذرانہ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اسی دن سے ہر روز آپ کے محلے کے نیچے سے ایک گرم روٹی نکلتی جو گھر کے تمام افراد کے لیے کافی ہوتی۔ عوام الناس نے اسی وجہ سے آپ کو اختیار کا کیلنا شروع کر دیا۔ اسی دوران میں سلطان شہاب الدین دہلیس خراسان چلا گیا بعد میں سلطان شمس الدین التمش بادشاہ مقرر ہوئے جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار خلکی کے مرید خاص تھے جس نے سلطنت کے کام کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔

ایک مدت کے بعد حضرت خواجہ قطب صاحب کو اپنے پیر و مرشد خواجہ غریب نواز کی قدم بوسی کا شوق غالب ہوا۔ آپ اجیر شریف تشریف لے گئے۔ دہلی پہنچ کر قدم بوسی سے سرفراز ہوئے۔ ایک روز حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اولیاء کے لیے تین صفتیں لازم ہیں۔ خوف، رضا اور محبت۔ خوف سے مراد ترک گناہ، رضا محبت ہی کے ضمن میں ہے اور محبت رضا کے معنی یہ ہیں کہ بجز خداوند تعالیٰ کے اور کسی چیز کا خیال ہول میں پیدا نہ ہو کیونکہ دنیا کی کوئی شے باقی رہنے والی نہیں ہے؛ چنانچہ اس دوران میں فرمایا کہ معتویب میں بھی رخت سفر باندھنے والا ہوں اور بہت جلد دوستوں کی مفارقت برداشت کرنی ہوگی اور یہی اجیر میرا مدفن ہوگا۔ بعد میں فرمایا کہ بابا میں نے تمہیں خدا کے سپرد کیا، خوش رہو اور تجربہ اختیار کرو۔ حضرت خواجہ قطب صاحب کے بانیس خلفائے۔ ۱۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر۔ ۲۔ شیخ بدر الدین غزنوی۔ ۳۔ شیخ برہان الدین بلخی۔ ۴۔ شیخ ضیاء الدین۔ ۵۔ سلطان شمس الدین اولیا۔ ۶۔ بابا سمجری بھردیا۔ ۷۔ مولانا فخر الدین علوانی۔ ۸۔ خواجہ میر۔ ۹۔ شیخ سعد الدین۔ ۱۰۔ شیخ محمود بہادری۔ ۱۱۔ مولانا محمد حاجری۔ ۱۲۔ سلطان نصیر الدین۔ ۱۳۔ قاضی حمید الدین ناگوری۔ ۱۴۔ شیخ محمد (۱۵) مولانا برہان الدین علوانی۔ ۱۶۔ شیخ

کے خالوادہ کا تعلق و واسطہ ایک ہندو گھرنے سے تھا۔ اسی طرح حضرت خواجہ محمد افضل جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
 ٹائڈہ شریف والوں کا تعلق بھی سابقہ دور میں خالصہ خالوادہ سے تھا۔ ان بزرگان دین نے نہ صرف دین اسلام
 سے وابستگی رکھی بلکہ ایک مخلوق کو راہ ہدایت بخشی۔ گرد و نواح کے علاقے ان کے فیض اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہ
 رہ سکے۔ اسی طرح قصبہ مکیریاں کے اندر مائی بھاگن شاہ صاحبہ جن کا مزار اقدس مرجع خلایق ہے۔ آپ اپنے وقت
 کی ابدال تھیں۔ گرد و نواح کا علاقہ آپ کا نہایت عقیدتمند تھا۔ ان کا بھی خاندان بقول ہنود سے تعلق رکھتا تھا واللہ اعلم
 بالصواب۔ انہوں نے بیشمار دین اسلام کی خدمات سر انجام دیں۔ ان حضرات کی روحانی قوت نے عشق و محبت کا درس دیا۔
 معاشرہ کو اخلاقیات سے روشناس کرایا جس جس کا ہاتھ پکڑا اُس اُس کو انسان بنا دیا۔

بھیکاً ہاتھ اسیل کی بھولے سے چھو جائے۔ آپ نبھائے عمر بھر ہیٹوں سے کہہ جائے۔

(حضرت سید میراں شاہ بھیکہ)

محمد تہجدیؒ - ۱۷ - شیخ احمد دینیؒ - ۱۸ - شیخ حسینؒ - ۱۹ - شیخ فیروزؒ - ۲۰ - شیخ بدالدین مومے تائبؒ - ۲۱ - شاہ جعفری قلندریؒ - ۲۲ - شیخ نجم الدین قلندریؒ
 آپ کا وصال شریف بمبر بادن سال مندرجہ ذیل شعر کی کنیت ایک مغل سماع میں وارد ہونے پر ہوا اور چوردہ بیچ الاذل ۶۲۵ ہجری آپ کی تاریخ
 وصال ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جان دیگر است

کے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے والد ماجد کا اسم گرامی شیخ محمد سلیمان علیہ الرحمۃ تھا۔ آپ کا خاندان فرخ شاہ کابلی سے ملتا ہے۔ فرخ شاہ
 کابلی کے عہد میں سلطنت سلاطین غزنویہ کے ہاتھوں میں چلی گئی، لیکن فرخ شاہ کی اولاد کابل ہی میں آباد رہی۔ جب چنگیز خان کا زمانہ آیا تو اس نے
 ایران و توران کو فتح کر لیا اور ایک شکر غزنی بھیجا جس نے ملک کابل پر بھی قبضہ کر لیا۔ آپ کے پردادا تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور آپ
 کے دادا قاضی محمد شعیب مع اپنے تینوں بیٹوں اور حزم و حثم کے عازم لاہور ہوئے اور حکم بادشاہ ہندوستان مقام کھووال سکونت پذیر ہوئے جو
 مضافات ملتان کا ایک قصبہ تھا۔ ۵۹۵ ہجری میں اس خاندان میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کے والد
 بزرگوار سلطان غزنوی کے بھانجے اور آپ کی والدہ ماجدہ نہایت عابدہ و زاہدہ تھیں۔ آپ نے اکثر علوم دینیات خاص خاص تحصیل کرنے کیلئے عازم
 ملتان ہوئے۔ ایک دن آپ مصروف تعلیم تھے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جو ہندوستان تشریف لے جا رہے تھے۔ اتفاقاً ملتان سے
 گزرتے ہوئے اسی مدرسے سے گزرے حضرت خواجہ قطب صاحب کی نظر فیض اثر آپ پر پڑی دریافت فرمایا کہ کونسی کتاب پڑھتے ہو عرض
 کیا کہ علم فقہ کی کتاب نافع فرمایا کہ تمہیں نافع سے نفع پہنچے یہ کلام فصاحت التیام سنتے ہی آپ کا دل بیقرار ہو گیا اور یہ حسن اعتقاد آپ کی خدمت
 اختیار کی۔ حضرت خواجہ قطب صاحب نے فرمایا کہ بابا فرید ابھی چند دن تک ملتان میں تحصیل علم کرو اس کے بعد میرے پاس دہلی آ جانا۔ حضرت
 بابا فرید صاحب نے اس فرمان کی تعمیل کی پھر اس کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت خواجہ قطب صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں پر سخت
 ریاضت و مجاہدے کیے۔ اس کے بعد آپ خواجہ قطب صاحب کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔

بخشش کونین از شیخین شد بادشاہی یافت از بادشاں جہاں

ایک دن حضرت بابا فرید صاحب نے اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ قطب صاحب سے سفر کی اجازت چاہی۔ آپ نے ابدیدہ ہو کر

اسی طرح جب حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے تو اُن کے دستِ حق پرست پر یہاں کے راجپوت حاکم لائے راجو نے دعوتِ اسلام قبول کی۔ پھر اس نے آگے چل کر اور اس کی اولاد نے اسلام کی تبلیغ کی۔ پھر اسی طرح حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے اجمیر کے سب سے بڑے ساحر جیپال کو مذہبِ اسلام سے روشناس کرایا اور اس کا نام اسلامی طریق پر عبد اللہ رکھا۔ اس کو فقر و ولایت سے بھی نوازا گیا۔ ملک الطاف حسین حالی مشہور شاعر کے تمام آباؤ اجداد ہندو راجپوت تھے اور یہ تمام کے تمام حضرت بوعلی شاہ قلندر بخش بنس کی نگاہِ کرم سے مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت سلطان باہو کی نگاہ جس ہندو پر پڑتی وہ اس وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا۔ الطاف حسین حالی کے خاندان ہنود نے حضرت بوعلی شاہ قلندر کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

ایسی آنکھوں کے تصدق میری آنکھیں بیدم

کہ جنہیں آتا ہے اغیار کو اپنا کرنا!

ان درویش حضرات کی دور رس نگاہوں نے کس کس پر احسان نہیں کیے اور کیا کیا حاجت روائیاں نہیں فرمائیں۔ جدھر جدھر بھی گئے وہ کرم ہی کرتے گئے۔

اور آگے بڑھیں حضرت سید ابوتراب المعروف شاہ گدا قادری شطاری رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار اقدس ریلوے برٹ انسٹی ٹیوٹ کے نزدیک مرجعِ خلافت ہے۔ ان کا ایک مرید اور خلیفہ ہندو دھوبی تھا جس سے سلسلے کی کافی نشوونما ہوئی صاحبِ ولایت تھا۔ اسی طرح حضرت شاہ حسین قادری کے ایک مرید مادھولال صاحبِ خلافت تھا۔ اس نے بھی اسلام کی خدمات نہایت اچھے طریقے سے سرانجام دیں۔

ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم آخر وقت میں مجھے نزدیک لو گے، بلکہ دو تین روز بعد پہنچو گے۔ اس کے بعد فاتحہ پڑھ کر رخصت فرمایا اور فرمایا تمہاری امانت قاضی حمید الدین ناگوری کے پاس موجود رہے گی۔ آنے کے بعد ان سے لے لینا۔ رخصت حاصل فرمانے کے بعد شہر ہانسی تشریف لے گئے۔ اور ایک مدت تک وہاں اقامت پذیر رہے جس رات حضرت قطب صاحب نے رحلت فرمائی۔ اسی رات حضرت نے خواب میں انہیں دیکھا کہ جلد از جلد دہلی پہنچنے کا حکم دے رہے ہیں؛ چنانچہ آپ حسبِ الحکم روانہ ہوئے اور سوئم کے دن دہلی پہنچے۔ زیارتِ روضہ مبارک سے فراغ ہو کر قاضی حمید الدین ناگوری سے خرقہ وغیرہ حاصل کیا۔ پھر وہاں سے ہانسی تشریف لے آئے۔ پھر یہاں سے آپ احمد صہ (موجودہ پاکستان) تشریف لے آئے اور شمعِ علم و ہدایت روشن کی جس سے ایک مخلوقِ خدا نے راہِ ہدایت پائی۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ زکوٰۃ کی تین قسمیں ہیں ۱۔ زکوٰۃ شریعت ۲۔ زکوٰۃ طریقت ۳۔ زکوٰۃ حقیقت۔ زکوٰۃ شریعت یہ کہ دو سو روپے میں سے پانچ روپے خدا کی راہ میں دیے جائیں۔ زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ دو سو روپے سے پانچ روپے لکھ لے جائیں اور بقیہ راہِ خدا میں خرچ کر دیے جائیں۔ زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ کل دو سو روپے خدا کی راہ میں خرچ کر دیے جائیں۔ سوائے خدا در رسول کے کچھ نہ رہے۔ ایک دفعہ آپ کے داماد اور خلیفہ حضرت بدر الدین اسحاق نے دریافت کیا کہ اسراف کسے کہتے ہیں۔ فرمایا کہ جو کچھ بھی کوئی بلا نیتِ خیر کے

بقول علامہ اقبالؒ

مت پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یہ اپنی آستینوں میں یدہیضا چھپا رکھتے ہیں

مسلمانوں نے اپنے مذہب، اس کی روایات، اپنی ذہنی افتاد، طرز فکر اور نظر یہ حیات سے ہندوؤں کو متاثر کیا جس کی وجہ سے ہندومت میں اصلاحی تحریکات کا آغاز ہوا۔ اس طرح اسلامی اثرات کا ہندوؤں کی فکر میں بڑا انقلاب رونما ہوا۔ اس خوشگوار صورت حال میں اسلام کی بنیادی قدروں کو جگہ ملنے لگیں۔ وہ اپنے جذبہ فکر میں خدا کے نام کے علاوہ اس کو توحید کے تصور میں پیش کرتے رہے۔

سے اور خدا کے لیے ندے وہ اسراف ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ درویش کو پردہ پوش رہنا چاہیے اور چار چیزوں کو لازم رکھے۔ اول اندھا بن جائے تاکہ لوگوں کے عیب نہ دیکھے۔ دوسرے کانوں سے بہرہ ہو جائے تاکہ کوئی بُرائی نہ سنے۔ تیسرے زبان کو بند رکھے تاکہ کوئی نہ کہنے والی بات نہ کہے۔ چوتھے ننگڑا بن جائے تاکہ خواہش پر کہیں نہ جاسکے۔ فرمایا: اصل الرسول درویش حضورِ قلب ہے۔

آپ کے بے شمار خلفائے جن میں سے خاص خاص خلفاء مذکورہ ذیل ہیں۔ - شیخ علاء الدین علی احمد صابر۔ ۲۔ شیخ نظام الدین اویا۔ محبوب الہی۔ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی۔ شیخ جمال الدین۔ چہار قطب ہنسوی۔ شیخ بدر الدین سلیمان ابن گنج شکر۔ شیخ شہاب الدین ابن گنج شکر۔ شیخ نصیر الدین ابن گنج شکر۔ شیخ یعقوب ابن گنج شکر۔ شیخ نظام الدین ابن گنج شکر۔ شیخ بدر الدین اسحاق۔ شیخ دھاروی۔ شیخ زین الدین، متقی۔ شیخ علی شکرین۔ شیخ علی شکر بار۔ شیخ محمد سراج، شیخ شاہ نور جمال۔ شیخ نجیب الدین متوکل (حضرت کے برادر حقیقی) شیخ عارف سیستانی اور شیخ صابر اور داؤد۔ آپ کا وصال شریف ۵ محرم الحرام بروز دوشنبہ ۶۹ ہجری میں پاکستان شریف میں ہوئی۔ وہیں پر مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔



ہوشیارپور میں تحریک آزادی پاکستان

۱۸۴۹ء میں الحاق پنجاب کے بعد کمپنی حکومت کی خواہش یہ تھی کہ صوبے میں مکمل امن وامان رہے اور عوام اس کے وفادار رہیں۔ پنجاب ایک زرخیز زرعی صوبہ تھا جس کے لیے عوام کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے متعدد اصلاحات کی گئیں۔ عوام سے براہ راست رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کوششوں کی وجہ سے صوبہ میں خوشحالی کی لہر دوڑ گئی۔ عوام جو سکھوں کی جنگوں اور نااہل حکومت سے تنگ آگئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں پنجاب نے آزادی کی جنگ میں خاص حصہ ہی نہیں لیا بلکہ کمپنی کی فتح میں اہم مدد فراہم پہنچائی۔ اس مدد میں پنجاب کے زمینداروں اور ریاستوں کے حکمرانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حکومت کو معلوم تھا کہ صوبے میں اپنی حکومت کی مضبوطی کے لیے زمینداروں کی خوشنودی انتہائی ضروری تھی، اس لیے ان کو مطمئن کرنے اور حکومت سے وفاداری رکھنے کے لیے پوری کوشش کی گئی۔ حکومت کے وفادار طبقے کو وسیع جاگیریں اور مراعات دی گئیں۔ حکومت کا اصل مقصد صوبے میں بااثر افراد پر مشتمل ایک ایسا گروہ قائم کیا جائے جو حکومت کا وفادار رہے اور اس کی مدد کرے، لہذا جاگیر دار ہی مقامی طور پر اثر و رسوخ کے مالک ہو سکتے تھے۔

سیاسی جماعتوں کے قیام کے بعد بھی حکومت کی یہی پالیسی رہی کہ پنجاب کے عوام سیاسی کارروائیوں اور کشمکش سے علیحدہ رہیں بڑی وجہ پنجاب کے عوام اعلیٰ فوجی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ یہ پالیسی انیسویں صدی کے آخر تک کافی کامیاب رہی لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں بالکل ناکام ہو گئی تھی۔ دیگر صوبوں کی نسبت زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گئی جو ۱۹۱۹ء کے ہولناک واقعات کا باعث بنی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مقرر ہونے والے حکام کمپنی بہتر صلاحیتوں کے مالک نہ تھے۔ عوام اور حکومت میں براہ راست رابطہ ٹوٹ گیا۔ موقع پر عوام کے مسائل معلوم کرنے کی بجائے حکومت فائلوں کے ذریعے فرائض سرانجام دینے لگی۔ تعلیم کی توسیع کی وجہ سے بھی عوام کے ذہن قابلیت

اہلیت رکھتے تھے۔ اور کچھ ویسے آمدورفت کی ترقی کے ساتھ فاصلے کم ہوتے گئے۔ پھر اخبارات کے اجراء سے بھی ان فاصلوں میں مزید کمی کا باعث بنتے گئے۔ خاص طور پر سرکاری ملازمتوں اور مقامی اداروں کے قیام سے ہندو مسلم فرقے وارانہ کشیدگی نے ایک نئی صورت کو جنم دیا۔

مغربی تعلیم کے باوجود دونوں قوموں نے اپنے آپ کو مذہبی بنیادوں پر منظم کیا اس میں ہندوؤں نے پہل کی۔ مسلمانوں نے حفظِ مآلِ تقدیم کے تحت اپنے مفادات کو محفوظ کرنے اور اپنی علیحدہ ہستی کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی انجمنیں وغیرہ قائم کیں۔ ہندوؤں نے اس کی مخالفت کی اور جب حکومت نے مسلمانوں کی کمی کو دور کرنے کے لیے چند احکامات جاری کیے تو ہندوؤں نے اسے دونوں قوموں کو آپس میں لڑوانے کے لیے حکومت کی طرف سے سوچی سمجھی سازش قرار دیا۔ چنانچہ بیسویں صدی کے آغاز تک صوبے کی حالت کافی حد تک تشویشناک ہو چکی تھی۔ کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ ۱۹۰۱ء میں سرحد کو پنجاب سے علیحدہ کر کے ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا گیا تھا۔

۱۹۰۲ء میں ملکہ وکٹوریہ کا انتقال ہو گیا۔ اسی دوران حکومت نے نہری نوآبادیات میں آبیانے کی شرح میں اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ کاشت کاروں نے اس فیصلہ کی سخت مخالفت کی مگر حکومت کا نظریہ یہ تھا کہ نہری سکیموں اور زمین کی زرخیزی سے کاشت کاروں کو بہت زیادہ منافع حاصل ہوا تھا۔ اس لیے آبیانے کی شرح میں اضافہ جائز ہے۔ اس پر کانگریس کے انتہا پسند لیڈروں نے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کاشت کاروں کو حکومت کے خلاف اُکسانے کی کوشش کی، چنانچہ متعدد مقامات پر فسادات ہوئے۔ فسادات کی ایک وجہ اور بھی تھی کہ انگریز صاحبان نے ہندوستانی عوام سے بغیر معاوضہ کے بیگار لینا شروع کر دی۔ جس سے اخبار "پنجابی" نے بیگار کی آرٹلے کر تخریبی خبریں شائع کر کے کانگریس اور دیگر انتہا پسند اخبارات نے حکومت کے خلاف سخت نکتہ چینی کی پالیسی جاری رکھی۔ اس زمانے میں حکومت اور انگریز افسران غیر متوقع سیاسی بیداری سے سخت گھبرا گئے۔ یہ افواہ بھی عام پائی جاتی تھی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے سچاس سال بعد برطانوی تسلط کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ کئی سیاستدانوں نے سخت اقدامات کا مطالبہ کیا۔ یہ افواہ بھی پائی جاتی تھی کہ لالہ لاجپت رائے نے برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے کابل کے حکمران سے مدد کے لیے درخواست کی تھی۔

۱۹۱۲ء میں پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ دیگر نوآبادیات کے ساتھ ہندوستان بھی اس میں شامل ہو گیا تھا۔ پنجاب نے اپنی گزشتہ تاریخ اور روایات کے مطابق جنگی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ اس سے پہلے ایک اجلاس ہندو مسلم

۱۔ پنجاب میں ۱۹۱۹ء میں فسادات (مقالہ) مس شنناز اختر۔ صفحہ ۱۰

۲۔ ایس۔ آر شرمہ۔ صفحہ ۲۱، ۲۲، ۲۳

سکتوں کو بلوایا گیا۔ وفاداری اور تعاون کا یقین دلایا گیا۔^{۱۷}

پنجاب نے جنگِ عظیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے عزم کا اظہار کیا تھا۔ اگرچہ اس کی آبادی ہندوستان کی آبادی کا پندرہواں حصہ تھی لیکن فوج میں اُن کی نمائندگی نصف سے زیادہ تھی۔^{۱۸}

پہر ضلع، قصبہ اور گاؤں میں بھرتی کے لیے کمیٹیاں اور سرعلاقے کے لیے بھرتی کا کوٹہ مقرر کر دیا گیا۔ مگر جوہی جنگی ضروریات میں اضافہ ہوتا گیا۔ بقول: لیفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اوڈوائرنے ۱۹۱۸ء میں خود اس بات کا اعتراف کیا،

”غیر تسلی بخش بھرتی کی بنا پر حکومت نے جبری اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔“

پنجاب کی ریاستوں نے بھی جنگی کوششوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کثیر مالی امداد بہم پہنچائی۔ حکومت نے اخراجات میں مدد دینے کے لیے قرضے بھی جاری کیے۔ اس سلسلے میں اُنہیں خطابات اور مراعات کا لالچ بھی دیا گیا، جس کو پنجاب کے لوگوں نے قبول کیا جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ زمینداروں نے قرضہ کے لیے ۳۳ روپے فی مربع اور ریلوے فنڈ کے لیے ۱۰ روپے فی مربع کے حساب سے وصول کیے۔

۱۹۱۸ء نومبر میں جنگِ عظیم ختم ہو چکی تھی۔ عوام میں بے چینی اور مایوسی زیادہ پھیل رہی تھی۔ کیونکہ جنگ کی وجہ سے قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اجرتوں میں سچاس فیصد اضافہ ہو چکا تھا۔ فوج میں بھرتی کی وجہ سے کھیتی باڑی کی طرف کم توجہ دی جاسکی جس کی وجہ سے پیداوار بہت کم ہوئی۔

رولٹ بل :

حکومت کا خیال تھا کہ جس طرح دورانِ جنگ عوام نے تعاون کیا تھا مگر اب جائزہ لینے سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ تعاون میں کمی آرہی ہے، لہذا اس کے سدباب کے لیے ۱۰ دسمبر ۱۹۱۷ء کو ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا صدر جسٹس سر سٹرنی رولٹ تھے۔ جس کے اغراض و مقاصد کچھ اس قسم کے تھے جس میں ہندوستان کی خفیہ انقلابی تحریکوں کی نوعیت بیان کرنا اور ان مشکلات کا جائزہ لینا جو ان سازشوں سے پیدا ہوتی ہیں اور حکومت کو اس کے سدباب کے لیے مشورہ دینا۔ لہذا کمیٹی نے دو دلائل دیے۔ (۱) سخت قسم کا قانون لوگوں پر لاگو ہو۔ اور اس طرح سے انقلابی تحریک اور اس سے پیدا شدہ جرائم کنٹرول ہو۔

جب یہ بل اسمبلی میں پیش ہوا تو سخت مخالفت ہوئی۔ اس بل کے قانون بن جانے پر قائد اعظم محمد علی جناح وغیرہ نے بطور احتجاج مجلس قانون ساز کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔

۲ اپریل ۱۹۱۹ء کو اس رولٹ ایکٹ کے خلاف پنجاب کے اضلاع کی طرح ایک جلسہ ہوشیار پور میں بھی منعقد ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ۶ اپریل ۱۹۱۹ء کو عام ہڑتال کی جائے۔ اس جلسہ میں آریہ سماجیوں اور کچھ وکیل تاجروں نے ۶ اپریل ۱۹۱۹ء کی ہڑتال کو کامیاب کرنے کے لیے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ پھر بعد میں شام کے وقت مسلمانوں نے ایک جلسہ منعقد کیا۔ جس میں ایک مسلمان وکیل نے لیڈرشپ کی۔ ۲ اپریل ۱۹۱۹ء کو ہوشیار پور میں ایک جلسہ ہوا جس میں شہر کے مشہور وکیلوں اور تاجروں نے شرکت کی اور یہ فیصلہ ہوا کہ ہوشیار پور کو بھی ہڑتال کے سلسلے میں باقی پنجاب کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ ۶ اپریل کو ہڑتال کے سلسلے میں ایک نوٹس شائع کیا جائے گا۔

اس جلسہ کو کامیاب بنانے کے لیے ۵۲ آدمیوں کے دستخطوں سے ایک نوٹس جاری ہوا جس میں ۶ اپریل کی ہڑتال کی اپیل کی گئی تھی۔ سرکردہ شہریوں نے جن کو حکام نے ہڑتال کی خلاف ورزی کرنے کو کہا تھا انہوں نے اگرچہ کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ لہذا ۶ اپریل کو ہڑتال ہوتی لیکن کچھ دکانیں کھلی رہیں۔ شام کو رولٹ بل اور ایکٹ کے خلاف جلسہ ہوا جس میں بہت زیادہ لوگ شریک ہوئے تھے۔ نزدیک نو دکانیں چھوٹے چھوٹے قصبوں اور بڑے قصبوں میں بھی ہڑتال ہوئی۔ اس کے بعد ۱۲ اپریل کو ہوشیار پور میں دوبارہ گاندھی کی پنجاب سے رولٹ ایکٹ کی وجہ سے جلا وطنی کے خلاف احتجاجی جلسہ ہوا کیونکہ اس احتجاج کی نوعیت وہی ایچی ٹیشن تھا جو شروع شروع میں رولٹ بل کے خلاف تھا۔ بعد میں جب یہی بل رولٹ ایکٹ میں تبدیل ہو گیا اور وہ لوگ جو تمام ہندوستان کی نمائندگی کرتے تھے جب وہ اس ایکٹ کے حق میں نہیں تھے تو کیسے سمجھ لیا جاتا کہ ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ اور عوام اس ایکٹ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے جس میں آزادی اور انصاف کے اصول کے خلاف انفرادی حقوق پامال ہوتے ہیں مگر باوجود سخت پابندی کے دوبارہ ۱۵ اپریل کو ضلع ہوشیار پور میں گودی والا کے مقام پر ہڑتال ہوئی۔ جلسہ ہوا۔ عوام نے شرکت کی۔ اس جلسہ کے لیے جالندھر سے ہوشیار پور میں ایک فوجی دستہ بھیجا گیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ علحدگی کی تحریک اور دو قومی نظریہ کا تصور تو اس وقت شروع ہو چکا تھا جب سرسید نے ۱۸۶۷ء میں فرمایا تھا کہ دونوں

قومیں دل سے کسی کام میں شریک نہ ہو سکیں گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔

۱۸۸۵ء میں نیشنل کانگریس قائم ہوئی۔ اس کے مقاصد حکومت سے وفاداری اور تعاون تھا۔ سر سید صاحب نے اس کی بھی مخالفت کی، کیونکہ کانگریس مسلمانوں کے لیے جو تعلیمی لحاظ سے ہندوؤں کے مقابلہ میں پیمانہ تھے، نقصان دہ تھی۔ اس قسم کی تجویز ایسے ملک میں کامیاب ہو سکتی ہے جہاں ایک قوم ہو، لیکن ہندوستان میں جہاں دو قومیں آباد ہیں اس قسم کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کا مطلب ہندوؤں کو مسلمانوں پر مسلط کرنا ہے جو مسلمانوں کو قابل قبول نہیں۔ ان کی علیحدگی کی بنائش و نما تاریخی، ثقافتی، مذہبی اور اقتصادی عوامل پر مشتمل ہوگی۔

لیکن انگریز قوم کو زیادہ خطرہ مسلمانوں سے تھا۔ کیونکہ انگریز نے حکومت مسلمانوں سے ہتھیالی تھی اور یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان عرصہ ہائے دراز سے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے لیے ایک مستقل خطرہ رہے اور رہیں گے۔

لہذا انگریز اس کی ہر تحریک کو کچلنے کے لیے تاک میں رہتا تھا۔ اس کی آڑ میں ہندو سکھ فائدہ اٹھاتے رہے۔ سر سید جو ہندو مسلم اتحاد کے کبھی حامی تھے کانگریس سے الگ ہو گئے۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۲ء کو ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا لیکن انگریز نے اس کو بھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔ اب مسلمان بھی سمجھ گیا تھا کہ ہندو اور انگریز دونوں سامراجی قوتیں ان کے خلاف ہیں۔ مسلم لیگ دن بدن ممبر شپ میں آگے بڑھتی گئی۔ مثلاً قائد اعظم محمد علی جناح اور ڈاکٹر علامہ محمد اقبال جیسے رہنما مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ قائد اعظم کی سربراہی میں مسلم لیگ کی مقبولیت عروج پر ہو گئی اور لوگ مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہو گئے۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مسلم لیگ نے اپنی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں اپنی تجاویز کے ذریعے کانگریس کے اس دعوے کی تردید کی کہ کانگریس ہی صرف ہندوستانی عوام کی نمائندگی کر سکتی ہے۔ برٹش گورنمنٹ کے اس اعلان پر کہ مسلمانوں کی نمائندگی صرف مسلم لیگ کر سکتی ہے۔

۱۹۴۰ء میں لاہور میں پاکستان ریزولوشن کے ذریعے مسلمانوں نے نظریہ پاکستان کو ایک واضح مطالبہ کی صورت

میں پیش کر کے اس کے حصول کے لیے جدوجہد کا اظہار کیا۔ ہندو اور انگریزوں نے اس جماعت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے، کے مقابلے میں یونی نیسٹ پارٹی قائم کی۔ وقت کے ساتھ ساتھ پہلی جنگ عظیم نے سیاسی سرگرمیوں کے لیے تازیانہ کا کام کیا تھا۔^۱

۶ جولائی ۱۹۴۵ء کو تمام سیاسی پارٹیوں کی کانفرنس شملہ میں منعقد ہوئی، لہذا اس کانفرنس کے بعد جلد ہی مسلم لیگ اپنی مقبولیت کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔^۲

اس کے بعد جنرل انتخاب ہوئے جس میں مسلم لیگ بلا شرکت غیرے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے ابھری اور یوں ان انتخابات کے ذریعے مسٹر جناح نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس میں مسلم رائے عامر نے ۱۹۴۶ء کے مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے ذریعے اپنا غیر مبہم اور واضح فیصلہ سنا دیا۔ ووٹوں کا تجزیہ ہوا تو سی پی میں مسلم لیگ کو سو فیصد ووٹ ملے۔ جب تمام ہندوستان کی نشستوں کا حساب کیا گیا تو مسلم لیگ کو تمام ہند میں ۸۹.۶ فیصد ووٹ ملے۔ پنجاب کے اندر چھ لیگی نشستیں کامیاب ہوئیں۔ ۱۶ جنوری ۱۹۴۶ء کو جناح صاحب نے اسلامیہ کالج لاہور کی وسیع گراؤنڈ میں اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ مسلم لیگ نے ۶ سال کے عرصے میں ترقی کر کے اپنے آپ کو واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا۔ تاریخ میں ایسی مثال ملنا مشکل ہے کہ آج تک کسی سیاسی پارٹی کو اتنی بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہو۔^۳

جب صوبائی الیکشن ہوئے تو سرکاری مشینری نے لیگ کو ناکام بنانے کے لیے ہر میدان میں رکاوٹ پیدا کی اور لیگی امیدواروں کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ کانگریس نے بھی مسلم لیگ کو رک پہنچانے کے لیے دوسری جماعتوں کے علاوہ خاص طور پر یونی نیسٹ پارٹی کی پشت پناہی کی۔

صوبائی انتخابات میں تقریباً سات سیاسی جماعتوں نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ کل ۷۵ نشستوں کے لیے تقریباً ۵۵ امیدوار کھڑے کیے گئے۔ مسلم لیگ ۸۴ کانگریس ۷۶، اکالی ۲۶، کونست ۲۷، احرار ۱۸، ریڈیکل پارٹی ۳، یونی نیسٹ نے تقریباً تمام نشستوں پر کسی نہ کسی امیدوار کو کھڑا کیا۔^۴

۱۔

۲۔ تفسیر ہند (مترجم عبدالوحید خاں)

۳۔ ہفت روزہ پیسہ اخبار ۲۶-۱-۱۷

۴۔ نوائے وقت ۲۶-۱-۱۷

ہندو جانتا تھا کہ اگر پنجابی مسلمانوں نے اپنا فیصلہ پاکستان کے حق میں کیا تو پاکستان بن جائے گا۔ ہندوؤں نے کروڑوں روپیہ مسلمانوں کو ہمیشہ خریدنے کے لیے صرف کیا۔ اس سلسلے میں علامہ علاؤ الدین صدیقی صاحب نے پنجاب کے مختلف اضلاع کا دورہ کیا اور خاص طور پر دیہاتوں میں گئے اور مسلمانوں کو جوش دلایا کہ مسلم لیگ کو ووٹ دے کر کامیاب کرائیں۔^۱

یکم فروری ۱۹۴۶ء سے لے کر ۱۵ فروری ۱۹۴۶ء تک انتخابات جاری رہے۔ ٹوانہ کی پارٹی نے مسلم لیگ کا مقابلہ کیا۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں کی قوت جوشِ عمل کو توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن لیگ نے نئی شاندار کامیابی حاصل کی اور یونی نیسٹ پارٹی کے مددگاروں کو نیچا دکھایا۔^۲

پنجاب اسمبلی میں ۱۷۵ مجموعی نشستیں تھیں جس میں مسلم لیگ ۷۵، کانگریس ۵۱، اکالی سکھ ۲۲ یونی نیسٹ مسلم پارٹی ۲۰ آزاد تھے۔^۳

مسلم لیگ نے یہ انتخابات خالصتاً نظریہ پاکستان کے نام پر لڑے۔ ضلع ہوشیار پور میں بھی مسلمانوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں پُر جوش جلسے کیے اور پاکستان کی اہمیت کو دل کھول کر بیان کیا۔ صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں ضلع ہوشیار پور تحصیل گڑھ شکر سے رانا نصر اللہ بیگ (مسلم لیگ) ۱۷۰۳۸ ووٹ - فتح محمد (آزاد پارٹی) ۳۳۰۲ ووٹ اور رانا محمد حسین (یونی نیسٹ پارٹی) ہوشیار پور اور کانگرہ سے چودھری علی اکبر (مسلم لیگ) اور نور محمد سپی والا (یونی نیسٹ) انتخاب میں جیت گئے۔ یہ نتائج بڑے شاندار تھے۔ بقول خواجہ ناظم الدین کہ "پنجاب کے مسلمانوں نے یہ ایک معجزہ دکھایا ہے۔" یہ انتخابات دو باتوں کو سامنے رکھ کر لڑے۔ اول یہ دنیا پر واضح ہو جائے کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے۔ دوم وہ پاکستان چاہتے ہیں۔ الحمد للہ انتخابات نے دونوں باتوں کو سچ ثابت کر دیا۔ مگر پھر بھی مسلم لیگ نوے فیصد کامیابی حاصل کرنے کے باوجود وزارت نہ بنا سکی، چنانچہ حکومت کے خلاف ۶ مارچ ۱۹۴۶ء کو سارے پنجاب میں مسلمانوں نے ہڑتال کر دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کئی دنوں کی ٹنگ و دو کے بعد سکھ یونی نیسٹ اور ہندو کانگریس جماعتوں پر مشتمل مخلوط وزارت ۱۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو مکمل ہو گئی، مگر پنجاب مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے ایک

۱۔ نوائے وقت ۱۸-۱-۴۶

۲۔ قائد اعظم جناح میری نظر میں از حسن اصفہان

۳۔ " " " "

۴۔ نوائے وقت ۲۶-۲-۴۶

قرارداد کے ذریعے بھرپور طریقے سے اس مخلوط وزارت کی مخالفت کی اور اعلان کیا گیا کہ مسلمانوں کے اعتماد کے بغیر کوئی وزارت نہ چل سکے گی۔

حکومت پنجاب نے مسلم لیگ کے خلاف تشدد کا لامتناہی سلسلہ جاری رکھتے ہوئے تقریروں کی آزادی سے محروم رکھنے کے لیے آخری حد تک جانے کی کوشش کی۔ اس نے بلاوجہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو یوم پاکستان کے موقع پر لاہور میں دفعہ ۱۴۲ نافذ کر دی مگر باوجود ان پابندیوں اور ناانصافیوں کے مسلمانوں نے پنجاب کے اندر آزادی کی جدوجہد جاری رکھی اور غیر نمائندہ حکومت سے نجات حاصل کرنے کے لیے میدان میں نکل آئے اور ایک کمیٹی مسلم نیشنل گارڈز تشکیل دی جس میں تحریک آزادی کے رضا کاروں نے بھرپور تعاون کیا اور جیسے ہوئے اس میں مسلم لیگ نے یہ موقف اختیار کیا کہ ہماری لڑائی ایک طرف انگریز سامراج کے خلاف ہے اور دوسری طرف ہمدرد سرمایہ دار اور اس کے ایجنٹوں کے خلاف ہے۔ حکومت پنجاب نے ہر قدم اور ہر موڑ پر اس تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے دفعہ ۱۴۲ کا ہتھیار استعمال کیا مگر مسلم نیشنل گارڈز کی بھرتی میں مردوں کے علاوہ خواتین نے بھی بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا۔ حکومت کی یہ ناجائز پابندیاں اس تحریک کے لیے اور بھی سود مند ثابت ہو رہی تھیں۔ اس طرح سے حکومت مسلم نیشنل گارڈز سے خوفزدہ ہو گئی اور مسلم لیگیوں اور رضا کاروں کی گرفتاریاں شروع کر دیں۔ اس میں گورنر فوج کا سہرا لیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۴۷ء میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی اور اس وقت تک جاری رہی جب تک پنجاب کی شہری آزادی بحال نہیں ہو جاتی۔ جب لاہور میں تحریک کا آغاز ہوا تو پنجاب کے دیگر اضلاع میں مسلم لیگیوں نے فوراً اپنے اپنے علاقوں میں تحریک کا آغاز کر دیا تھا۔ مسلم لیگ کی طرف سے سول نافرمانی کی جس تحریک کا آغاز لاہور سے ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو ہوا تھا اس کے دور رس اثرات کو روکنے کے لیے حکومت نے مسلم نیشنل گارڈز پر پابندی ہٹالی اور ۲۶ جنوری ۱۹۴۷ء کو تمام مسلم لیگیوں کو رہا کر دیا مگر اس کے باوجود سول نافرمانی کی تحریک کو جاری رکھا گیا جب تک پبلک سیفٹی آرڈی ننس ختم نہ ہو۔ سرکردہ مسلم لیگی ممبرز دوبارہ ۲۹ جنوری ۱۹۴۷ء کو گرفتار کر لیے گئے۔ ان گرفتاریوں کے بعد تمام صوبہ میں وسیع پیمانے پر مذکورہ تحریک شروع ہو گئی۔ ۲ فروری ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور میں جلسے ہوئے، جلوس نکالے گئے۔ اس میں گرفتاریوں کو پیش کیا گیا۔ ایفینٹ کرنل انوار الحق اور محمد دین بار ایٹ لاء کو اور دیگر گیارہ اشخاص کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۵ فروری ۱۹۴۷ء کو بھی ہوشیار پور میں جلسہ ہوا اور جلوس بھی نکالا گیا۔ یونین جیک کو اتار پھینکا گیا۔ بعد میں گورنر پنجاب اور خواجہ ناظم الدین میں مندرجہ ذیل شرائط پر مبنی ایک دوسرے کے ساتھ مفاہمت کے لیے دستِ تعاون بڑھایا گیا۔

۱۔ پنجاب کے تمام اضلاع میں شہری آزادی پر پابندیاں ختم کی جائیں۔

۲۔ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ آرڈی ننس کی بجائے ایک باقاعدہ قانون منظور کیا جائے۔

۲۔ مسلم لیگی لیڈروں کو رہا کیا جائے۔

۲۵ فروری ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم محمد علی جناح نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے نمائندے کے ذریعے مندرجہ ذیل شرائط مسلم لیگ کی جاری کردہ تحریک کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہیں حکومت تک پہنچائیں۔

اجتماعات :

۱۔ پیپک اجتماعوں پر سے پابندیاں اٹھالی جائیں۔

۲۔ جلوسوں پر سے پابندیاں دور کر دی جائیں۔

۳۔ پیپک سیفٹی آرڈی نانس آف پنجاب کو مع ترمیمات پنجاب اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں پیش کیا جائے۔

۴۔ اس تحریک کے سلسلہ میں تمام گرفتار شدہ اور سزایافتہ نظر بندوں وغیرہ کو رہا کیا جائے۔

لہذا اس کا اثر یہ ہوا کہ حکومت پنجاب نے مسلم لیگ کی تحریک آزادی کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور اپنی رضامندی کا اظہار کیا کہ پنجاب پیپک سیفٹی آرڈی نانس کو ختم کر دیا جائے گا۔ جلوسوں پر سے پابندیاں ہٹالی گئیں۔ مسلم لیگ کی تحریک کے ماخوذ گرفتار شدگان اور زیر مقتدمات قیدیوں کو رہا کر دیا گیا؛ چنانچہ ۳۴ دن کی مسلسل جدوجہد کے بعد مطالبات تسلیم ہو جانے کے بعد سول نافرمانی کی تحریک بند کر دی گئی۔ اس پر ہر ضلع میں جشن منائے گئے۔

تحریک کی کامیابی دراصل بااثر اور معزز افراد کی شمولیت، اس کے ساتھ ہمت استقلال کا جذبہ بھی تھی۔ خفہ پنجاب غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہونے کے لیے بیدار ہو گیا۔ خود اعتمادی کا جذبہ بھی پیش نظر تھا۔ اس تحریک میں طلباء، مردوں اور خواتین کے علاوہ علماء اور مشائخ نے جو کردار ادا کیے اُس کی مثال نہیں ملتی۔

خطیبوں نے مساجد و خانقاہوں میں جوشیلی اور پُراثر تقاریر کے ذریعے پاکستان کی اہمیت کو بتایا۔ مشائخ نے اپنے ہزاروں مریدوں سمیت سول نافرمانی کی تحریک کو آگے بڑھایا۔ جس کی وجہ سے تحریک بہت جلد وسیع پیمانے پر پھیل گئی۔ اس میں پیر شمس الدین سیال شریف، پیر صاحب قبلہ مہر علی شاہ گولڑہ شریف اور پیر جماعت علی شاہ صاحبان پیش پیش رہے۔ جب بزرگان دین کی گرفتاری کی نوبت آئی تو ان کے مریدین جیل کا محاصرہ کر لیتے۔ اس کے بعد حضرات ٹوانہ نے پنجاب میں آئندہ حالات کی نوعیت کا اندازہ لگاتے ہوئے ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو اپنا استعفیٰ گورنر پنجاب کو دے دیا اور اس سے پہلے برٹش گورنمنٹ نے بھی اپنے ایک اعلان کے ذریعے ہندوستان میں سیاسی اقتدار ۱۶ جون ۱۹۴۷ء تک ہندوستان کو منتقل کرنے کا اظہار کر دیا تھا۔ حضرات ٹوانہ کے استعفیٰ دینے سے مسلم لیگ کو خوشی ہوئی مگر اس کے برعکس ہندو سکھ بوکھلا گئے۔ وہ مسلمانوں کی وزارت تو کیا بناتے انہوں نے فرقہ وارانہ

فسادات شروع کرنے کے لیے ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو ایک جلسہ میں اعلان کر دیا کہ ۱۱ مارچ کو تمام صوبہ بھر میں انٹی پاکستان ڈے منایا جائے گا اور لیگی وزارت نہ قائم ہونے دیں گے۔ لہذا ۴ مارچ کو گیارہ بجے دن لاہور فساد کی لپیٹ میں آگیا۔ اور پھر ہندوؤں مسلمانوں کے علاوہ علحدہ علحدہ جلوس نکلتے رہے اور آپس میں تصادم ہوتے رہے۔

اشتعال انگیز تقریروں سے ہندوؤں کے درمیان فسادات زور پکڑتے گئے۔ ان فسادات کا اثر پنجاب کے دوسرے اضلاع پر بھی ہوا۔ بڑے شہروں میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ان فسادات کی آڑ میں آئینی حکومت کو معطل کر دیا گیا اور مسلم لیگی لیڈروں کو وزارت بنانے کی نوبت نہیں آئی اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ذریعے ۵ مارچ ۱۹۴۷ء کو پنجاب میں گورنر راج قائم کر دیا گیا۔ ان فسادات کی آگ نے تمام پنجاب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کہیں آگ لگائی جا رہی ہے، کہیں مار دھاڑ ہو رہی ہے اور کہیں خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔

ہوشیار پور میں تحریک پاکستان

مندرجہ بالا تحریک آزادی پاکستان کے پس منظر میں ہوشیار پور میں مسلم لیگ نے جو کردار ادا کیا اور جو قربانیاں پیش کیں اُس کی بھی مثال نہیں ملتی۔ یہ ہندوؤں کی قوم جو اپنا کھانا پتوں پر رکھ کر کھاتی تھی اور کھانے کے لیے ڈھاک لسوڑے یا بڑ اور پیل کے پتوں کی پتلیں ہی استعمال کرتی تھیں۔ یہ تو بھارت کے مغلوب مسلمان ہی تھے جنہوں نے بھارت باسیوں کو برتنوں میں رکھ کر کھانا سکھایا، ورنہ پیل کی گڑویوں یا گاروں کے سوا ان کے گھروں میں کون سا برتن تھا۔ یہی حال لباس کا تھا کہ اس قوم کا لباس اکثر بے سلا ہوتا اور سینتے۔ مرد اسے دھوتی کہتے تھے اور عورتیں ساری۔ اور یہی حال ان کے مذہب کا تھا کہ پتھروں کی کاٹ چھانٹ کر کے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا پاٹ کرتے تھے اور ان کو خدا مانتے تھے۔ ان بتوں کے نام انسان کے خون سے ہولی کھیلی جاتی تھی۔ یہ مسلمان قوم جس نے ان ایسے جانوروں کو تمذیب و تمدن سے روشناس کرایا اور انسانیت کا سبق پڑھایا وہی جانور مسلمانوں کے درپے آزار ہو گئے۔ اس قوم نے مسلم تمدن کی روح کو کچلنا اپنا شیوہ بنالیا تھا، لہذا قوم مسلم پر ان کے سلوک و برتاؤ کا رد عمل یہ ہوا کہ اس مسئلہ کا واحد حل تقسیم ہند ہے۔

ہوشیار پور میں غریب کانگریس کے ایک جانے پہچانے لیڈر ماسٹر ہری سنگھ تھے۔ ایک دفعہ اسمبلی انتخابات میں انہوں نے کانگریس کے وفد کو ٹکسا جواب دیا اور کانگریس کا ٹکٹ لینے سے انکار کر دیا۔ ایک سواکالی ٹکٹ پر کھڑے ہوئے

اور جیت گئے۔ لیکن کانگریس کو اُن کے خلاف اپنا امیدوار کھڑا کرنا تو ایک طرف رہا مخالف اُمیدوار کی حمایت کی بھی جرات نہ ہوئی۔ اسی طرح سرور سوہن سنگھ جوش نے کانگریس ٹکٹ لینے سے انکار کر دیا تھا اور آزاد ٹکٹ پر کامیاب ہوئے، لیکن کانگریس اس کی مخالفت تو کیا کرتی، بلکہ اس کے برعکس کامیاب ہونے پر انہیں پنجاب کانگریس کا جنرل سیکرٹری بنا دیا گیا۔ انہی انتخابات میں کانگریس نے سکھوں کی امداد میں سبجیل سے کام لیا۔ اسی کانگریس نے مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے اُمیدواروں کو ہزاروں روپے دیے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندو کانگریس یہ چاہتی تھی کہ پنجاب پر مسلمانوں کے منشاء کے خلاف حکومت کی جائے اس لیے سکھوں کی امداد کی ضرورت پڑی تھی۔

۱۹۳۷ء میں ہوشیار پور میں میونسپل کمیٹی کے انتخابات میں چھ ہندو کانگریس ٹکٹ پر کامیاب ہوئے اور ایک مسلمان ڈاکٹر شیخ انوار الحق جو بعد میں شہری مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے کئی سال سے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے رکن چلے آتے تھے اُن کو بلا مقابلہ جیت جانے پر ہندو اخبارات نے بہت بغلیں بجاتیں۔ کمیٹی کے کل چودہ ممبر تھے۔ سول سرجن صاحب صدر اور نائب صدر کے انتخاب میں حصہ نہیں لیتے تھے گویا کانگریس کی اکثریت تھی اور خیال تھا کہ شاید کانگریس کسی مسلمان کو صدر بننے کا موقع فراہم کرے اور اپنی فراخ دلی کا فرقہ پرستی سے بالاتر ہو کر ثبوت دے۔^۲ مسلمان جو ہمیشہ کانگریس سے وابستہ رہے مگر ہندوؤں سے شکست کھاتے۔ محمد شریف مولوی کانگریس کے صدر ہو گئے اور ایک دفعہ مجلس عاملہ کے اجلاس میں ہندو میونسپل کمشنر سے جواب طلب کیا۔ اُنہوں نے اس کو اپنی توہین سمجھ کر بے عزت کیا گیا۔ ہندوؤں نے اپنی عزت کو بچانے کے لیے اگلے انتخاب میں بھی ایک مسلمان کو صدر بنا دیا، کیونکہ مسلمان صدر اُن کے حسبِ منشا کام کرتا تھا۔

ہوشیار پور میونسپل کمیٹی کا سیکرٹری ہمیشہ سے ایک ہندو چلا آتا تھا۔ ایک موقع ایسا آیا ہندو سیکرٹری ریٹائر ہو گیا لیکن باوجود انتخاب کے ایک مسلمان ایم اے ایل ایل بی ہونے کے اور کئی سالوں سے کانگریس کا ممبر ہونے کے آخر کار کانگریس نے ایک ہندو کو منتخب کیا۔ انگریز اسی بات کو چاہتا تھا کہ مرکز میں ہندو مسلمان مساوی ہوں مگر اُن کا موقف وہی رہا کہ کانگریس ہندوستان کی تمام قوموں کی نمائندہ جماعت ہے۔ یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت تھا کہ جس ادارے میں ہندوؤں کی اکثریت ہو اس ادارے میں دوسری قوم کو کوئی حصہ نہیں مل سکتا تھا۔

۱۔ نیشنل علماء۔ حبیب احمد چودھری

۲۔ نیشنل علماء۔ حبیب احمد چودھری

مسلم طلبہ دوسوہہ کا انتخابی دورہ

یکم فروری ۱۹۴۶ء کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے تقریباً تین ہفتوں تک لاہور کے موضوعات کا دورہ کیا جس میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ان لوگوں سے وعدہ لیا کہ وہ مسلم لیگ کو کامیاب کرائیں اور علی اکبر علی اُمیدوار مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے اور اس کا مظاہرہ وہ جلوس کی شکل میں چل کر پولنگ اسٹیشن پر جائیں گے۔

اس کے بعد ۹ فروری ۱۹۴۶ء کو علامہ علاؤ الدین صدیقی علی مرحوم نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسلم لیگ ہوشیار پور کے زیر اہتمام ضلع ہوشیار پور کے تینوں شہری اور دیہاتی حلقوں کا دورہ فرمایا۔ نماز جمعہ جامع مسجد ہریانہ میں ادا کی جس کے بعد مسلمانان ہریانہ کے ایک عظیم الشان مجمع میں مسلم لیگ اور پاکستان کے موضوع پر تقریر فرمائی اور ہزار ہا مسلمانوں کے مجمع

فٹ نوٹ نمبر ۱۱، علی اکبر چودھری ولد گنا چودھری ۱۹۱۱ء میں موضع کولیاں مولیٰ نواح کیرپاں ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں نوجوان زمینداروں کی انجمن بنائی۔ کالت شروع کی شہر کی سیاسی و سماجی زندگی میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ کوپریٹو بینک ہوشیار پور میں بطور سیکرٹری اور انجمنی سائنڈہ ضلع ہوشیار پور کے صدر ۱۹۴۲ء تک رہے۔

مسلم لیگ ہوشیار پور کے صدر اور صوبائی مجلس عاملہ کے رکن بھی اسی دوران میں رہے۔ ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی دستور کے رکن منتخب ہوئے۔ استنبول کی پارلیمانی کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ ۱۹۵۱ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ نون وزارت میں وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں سوڈان میں پاکستان کے پہلے سفیر مقرر ہوئے۔ دو سال بعد سعودی عرب میں تبدیل ہو کر چلے گئے۔ ۱۹۶۵ء میں پاکستان مسلم لیگ کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اگست ۱۹۶۵ء میں صدارتی کابینہ میں امور داخلہ اور کشمیر کے وزیر مقرر ہوئے۔ (بحوالہ انسائیکلو پیڈیا)

فٹ نوٹ نمبر ۱۲، علامہ علاؤ الدین صدیقی ۱۹۰۷ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے گورنمنٹ کالج اور ایف سی کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے ایل ایل بی کیا۔ آپ ایک ماہر تعلیم اور محقق تھے۔ آپ نے کچھ عرصہ تک سرکاری ملازمت بھی کی۔ ۱۹۴۵ء میں ملازمت ترک کر کے مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لیا۔ ایک سال اور چند مہینے پنجاب مسلم لیگ کے صدر رہے۔ قیام پاکستان کے بعد سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات کے سربراہ کے عہدے پر فائز ہوئے اور دس سال سنڈی کیٹ اور آٹھ سال سینٹ کے رکن رہے۔ ۱۹۶۳ء میں اسلامی مشاورتی کونسل کے چیئرمین مقرر ہوئے اور ۹ سال تک اس عہدے پر کام کیا۔ ۱۹۶۴ء میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنائے گئے۔ آپ ۱۹۷۳ء میں ریٹائر ہو گئے۔

کو تقریباً دو گھنٹے اپنی بصیرت افزوز تقریر سے مسحور کیے رکھا۔ آپ نے مسلمانوں کو مرکزی اسمبلی کی شاندار فتح پر مبارکباد دی اور فرمایا کہ فتح اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کی رضا ہمارے ساتھ ہے۔ ازاں بعد قائد اعظم کی درازی عمر اور مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے دعا فرمائی۔ اگلے دن علامہ صدیقی صاحب دوسو سوہر روانہ ہو گئے۔ (نوائے وقت، فروری ۱۹۴۶ء)

مسلم لیگ کو کامیاب کرانے کے لیے علماء و مشائخ نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ مشائخین نے اپنے اپنے حلقہ اجاب اور مریدین میں مسلم لیگ کی اہمیت اور پاکستان کی عظمت کو بیان کیا اور خود بہ نفس نفیس قریہ قریہ، گاؤں گاؤں جا کر مسلم لیگ کے حق میں ووٹ حاصل کیے جن میں پیش پیش میاں علی محمد خاں صاحب چشتی نظامی اور پیر جماعت علی شاہ رہے۔

فٹ نوٹ نمبر ۱۱، امیر نعت پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ کی ولادت باسعادت ۱۸۳۳ء میں ہوئی۔ آپ کا تعلق سادات شیراز (ایران) سے تھا۔ جدِ اعلیٰ حضرت تید محمد نور شاہ عمد مغلیہ میں ہندوستان تشریف لائے اور موضع علی پور سیدال ضلع سیانکوٹ میں مسکن گزیں ہوئے۔ آپ نے ۱۲۶۹ھ میں قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر امرتسر میں عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولوی عبداللہ ٹوکی، مولانا محمد منظر سہا پوری، مولانا فیض الحسن سہا پوری، مولانا محمد علی ناظم ندوہ اور مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہم قابل ذکر ہیں۔ سند حدیث مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی، حضرت مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجرکتی، مولانا عبدالعلی محدث پانی پتی اور شیخ الاسلام عمر ضیاء الدین قسطنطنیہ جیسے کاملین وقت سے حاصل فرمائی۔ بیعت وارثاؤں حضرت شاہ صاحب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت بابا فقیر محمد تیراہی ثم چوراسی سے بیعت تھے اور آپ ہی سے سند اجازت اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام کا حق ادا کر دیا۔ آپ کے مریدین کی تعداد لاکھوں تک تھی جو پاک و ہند کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔

زیارتِ حرمین، حضرت شاہ صاحب نے بے شمار حج کیے۔ وصال سے دو سال قبل تک ضعف و ناتوانی کے باوجود ۱۹۳۹ء میں حج ادا کیا وہ عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ سے خاص عشق تھا۔ حد تو یہ ہے کہ اجناس خوردنی وہاں سے لاکر میاں کاشت کرائی جاتی تھیں کہ جس کے گراہیں اسی کے ٹکڑے کیوں نہ کھائیں۔

اخلاق و عادات، حضرت شاہ صاحب کے اخلاق و عادات بڑے پاکیزہ اور عشقِ الہی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ دار تھے۔ گنہگار خضرئی کی تعظیم کی وجہ سے سبز تر بند استعمال نہ کرتے تھے۔ غیر مسلم کے ہاتھ کی کوئی چیز کبھی استعمال نہ فرمائی۔ عاجز و مکر المزاج تھے۔ مریدوں کو لفظ "یار" سے پکارتے اور مریدہ عورتوں کو "نانی" سے۔ کبھی سر پہنہ نہ رہتے اور نہ کبھی الٹی پالتی مار کر کھانا تناول فرماتے تھے اور سنت فاروقی پر عمل کرتے۔ داد و بخش اور سخاوت میں معاصرین علماء و مشائخ میں یکتا تھے۔ حضرت صاحب مخلوقِ خدا کو وہ سبق سکھا گئے ہیں کہ آج بھی اس ادب و احترام پر معاشرے کی بنیاد رکھی جائے تو کھوئی ہوئی عظمت مل سکتی ہے۔

مذہبی و سیاسی خدمات، آپ کی حیات مبارک مذہبی و ملی اور سیاسی خدمات سے عبارت ہے۔ آپ نے پاک و ہند میں مشرق سے لے کر مغرب تک اور جنوب سے شمال تک سفر کیا اور خوابیدہ قوم کو بیدار کیا۔ آپ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے مجاہدانہ طور پر سرگرم عمل رہے۔ عمر بھر عقیدہ ختم نبوت کی بقا کے لیے کوشش کی اور اسی میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۱۴ء میں علی پور سیدال میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ ۱۹۰۴ء میں انجمن خدام الصوفیہ کی بنیاد رکھی اور رسالہ انوار الصوفیہ جاری کیا۔ تحریک خلافت میں حصہ لیا۔ ترکوں کی حمایت اور انگریزوں کی مخالفت کی۔ ۱۹۱۲ء میں مسجد کانپور کی شہادت کے خلاف آواز بلند کی۔ ۱۹۲۴ء میں شریعتیہ فتنہ ارتداد کھڑا کیا اور شدھی کی

اور کیا کیا نہیں خدمات سرانجام دیں۔ بقول مولانا جعفر شاہ پھلواریؒ ۱۹۳۲ء میں قبلہ پیر جماعت علی شاہ کے زیرِ صدارت دوسوہہ میں بہت بڑا جلسہ تھا جس میں مجھ کو بہ نظر محبت مدعو کیا گیا۔ میں نے معذرت لکھ بھیجی کہ حالات کے پیش نظر نہیں پہنچ پاؤں گا۔ یکایک ایک دن پہلے تار ملا کہ دوسوہہ کے جلسے میں پہنچو۔ یہ تار قبلہ پیر جماعت علی شاہ کی طرف سے تھا۔ جس کے بعد میرے لیے انکار کی گنجائش نہ رہی لہذا میں حاضر ہوا۔ یہ جلسہ بہت ہی کامیاب اور کامران ہوا۔ حضرت قبلہ پیر جماعت علی شاہ نے مسلم لیگ کی اہمیت اور پاکستان کے موضوع پر با اثر اور دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی تقریر فرمائی۔ ہندوؤں کی مکاری اور انگریزوں کے خلاف جو مسلمانوں کے مقابلے میں آریہ سماجی ہندوؤں اور برہمنوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے کے متعلق وضاحت سے تقریریں فرمائیں۔

تحریک چلانی تو آپ نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بڑی سخت مزاحمت کی۔ اگر وہ رمضان کا تفصیلی دورہ کیا جہاں اس تحریک کی شدت تھی۔ تین سال کی جدوجہد کے بعد ٹروہانڈ کے زعم باطل کو خاک میں ملادیا۔ ۱۹۲۹ء میں شار دابل منظور ہوا۔ اس بل کے تحت نابالغ بچوں کا نکاح قانوناً نامنظور قرار پایا۔ یہ سراسر اسلامی شریعت میں مداخلت تھی اس لیے حضرت شاہ صاحب نے اس بل کی شدید مخالفت فرمائی اور حکومت برطانیہ کی قوت و جبروت کی پروا کیے بغیر بہت سے بچوں کے نکاح پڑھائے اور عملاً اس قانون کی مخالفت کی۔ ۱۹۳۱ء میں مسلمانانِ کشمیر کے حقوق غصب کیے جانے پر مسلمانوں کے موقف کی حمایت کی۔ ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج لاہور کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے سیاسی خدمات کے علاوہ مذہبی اور ملی خدمات بھی انجام دیں۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بھی سرپرست رہے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کی بھی دل کھول کر مدد کرتے رہے۔ وصال شریف ۱۱ آپ نے آخری وقت نماز باجماعت ادا فرمائی۔ نماز عشاء اُس وقت باجماعت ادا فرمائی جبکہ عالم سکر ات شروع ہو چکا تھا اور بالآخر ۱۱ سال کی عمر میں ۳۱ اگست ۱۹۵۱ء بمطابق ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۷۰ھ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب جان عزیز جہاں آفریں کے سپرد کر دی۔

(انوار ملت ناشر مرکزی مسجد مجلس امیر ملت۔ قصور)

فٹ نوٹ نمبر ۱۲ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اہم گرامی حضرت شاہ سلیمان پھلواری تھا۔ آپ کے خاندان کا شمار بڑے بزرگوں کے سادات خاندانوں میں سے تھا۔ قصبہ پھلواری ہندوستان کے صوبہ بہار کے ضلع پٹنہ میں واقع ہے۔ آپ کے دادا کا نام دادو تھا۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواری قادری چشتی اپنے عہد کے جید عالم، خوش بیان و اعظا، نامور خطیب اور شیخ طریقت تھے۔ پھلواری کے سجادہ شہنشاہ پر فائز اور متنوع اوصاف کے مالک تھے۔ وہ اپنے عصر کے علم و فیض کے تین سرچشموں سے سیراب ہوئے۔ فرنگی محل لکھنؤ مولانا عبدالجسی فرنگی محل سہارن پور میں مولانا احمد علی سہارن پوری اور دہلی میں مولانا سید نذیر حسین دہلوی۔

حضرت شاہ سلیمان کی پیدائش ۱۲۷۹ھ اور تاریخ وصال ۲۷ صفر ۱۳۵۲ھ (۵ مئی ۱۹۳۵ء) ان کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑے شاہ حسن شاہ حسین (والد کی وفات کے بعد پھلواری کی مندرجہ شہنشاہ پر مشتمل ہوئے) تیسرے شاہ غلام حسین ندوی تھے۔ چوتھے مولانا سید محمد جعفر شاہ تھے۔ سید محمد جعفر شاہ ۱۹۳۳ء میں شہر کوپہر تھلہ مشرقی پنجاب کی شاہی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے۔ بعد میں بجائی کے فوت ہونے پر پھلواری کی مسند شہنشاہت بھی انہی کے سپرد ہوئی۔ ۱۹۴۷ء تک وہاں دونوں کام کرتے رہے۔ پھر پاکستان آگئے۔ آپ نے تصوف و سلوک کی گود میں شعور کی آنکھیں کھولیں اور علم و عرفان کے ماحول میں پرورش پائی۔ آپ کی تعلیم میٹرک تک کے علاوہ قرأت، تجوید پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے ندوۃ العلماء

اپنی دینی کاموں کو ترقی دینے کے لیے حضرت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ نے بقول حکیم عبداللطیف شادانی ایک بار اسلامیہ ہائی سکول دوسو سوہہ جو کہ آریہ ہائی سکول دوسو سوہہ کے مقابلے پر تھا، کے لیے مالی امداد حاصل کرنے کے لیے حیدرآباد کن تشریف لے گئے۔ وہاں پر کوششوں کے باوجود نظام و کن تک رسائی کی صورت پیدا نہ ہوئی مگر آخر کار کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ حکیم عبداللطیف شادانی اور ان کے رفقا بھی ہمراہ تھے۔ اپنی آمد کا مقصد بیان کیا اور کہا۔ اسلامیہ ہائی سکول میں مسلم طلبہ علم کی روشنی حاصل کر سکیں گے۔

میں جلیل القدر علماء کے سامنے زانوئے شاگردی کر کے جن میں شمس العلماء حفیظ اللہ، مولانا عبدالرحمن بلگرامی، مولانا حیدر حسن ٹونکی، مولانا شبلی اور مولانا عبدالودود ہیں۔ ان سے تفسیر حدیث فقہ ادبیات اور معقولات کی تکمیل کی۔ ۱۹۲۴ء میں ندوہ سے فارغ ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ کپور تھلہ سے اڈکارہ ہجرت کے آگئے۔

شاہ صاحب نہایت خوش مزاج، خوش طبع، خوش لباس، خوش خوراک، بلند اخلاق، فراخ حوصلہ، بذلہ سنج تھے۔ شعور شاعری کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ ۱۵ جون ۱۹۵۱ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ سے کافی عرصہ تک منسلک رہے۔ جماعت اسلامی میں بھی رہے لیکن کچھ عرصہ بعد کچھ اختلافات کی بنا پر علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر ۱۹۶۳ء میں اس ادارے سے بھی بینائی کی کمزوری کی وجہ سے الگ ہو گئے۔ آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کے لیے متعدد کتابیں لکھیں جن میں گلستان حدیث، انتخاب حدیث و مقام سنت، معارف حدیث، پیغمبر انسانیت، اجتہادی مسائل، مجمع البحرین، انوار حجابی زندگی کے لیے اہم قانونی تجاویز، مسئلہ تعداد ازدواج اور اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ وغیرہ۔ آپ کا انتقال ۳۱ مارچ، یکم اپریل کی درمیانی شب ۱۹۸۲ء کو ۸۱ برس کی عمر میں کراچی میں انتقال ہوا۔ (المعارف - مئی، جون ۱۹۸۲ء)

چودھری رحمت علی، پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں برصغیر کے بہت سے مسلمان قائدین نے اپنی اپنی بصیرت و ہمت اور فکر و دانش کے لحاظ سے یادگار کارنامے سرانجام دیے۔ اس انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے برصغیر کے قریب آسارے مسلمانوں کی تائید حاصل تھی اور پیش پیش تھے۔ یہ تحریک برسوں تک چلی پھر کہیں جا کر کامیابی کی صورتیں پیدا ہوئیں۔ نخل ہوشیار پور کے تقریباً سب ہی مسلمانوں نے اس آزادی کی تحریک میں حصہ لیا۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں کردار چودھری رحمت علی مرحوم نے ادا کیا جنہوں نے برصغیر کے اندر مسلمانوں کے اکثریت کے علاقوں پر مشتمل ایک اسلامی مملکت کا نام "پاکستان" تجویز کیا اور مسلمانان ہند کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ اس آزادی کی خاطر جلد از جلد کوششیں تیز کر دو اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر علیحدہ مملکت قائم کرو تاکہ آزادی سے ترقی و نشوونما کر سکو اور مسلمان کا جو اعلیٰ مقام ہے اسے حاصل کر دو۔ چودھری صاحب نے اپنے اس موقف کو سمجھانے کے لیے ایک رسالہ بعنوان "اب۔ دگر نہ کبھی نہیں" تحریر کیا۔ اس میں انہوں نے واقعات عالم کے مدوجز اور حال و مستقبل کا جو تجزیہ اس دور میں پیش کیا اگر دیکھا جائے تو ہر لحاظ سے صحیح تھا۔

چودھری صاحب مرحوم ۱۶ نومبر ۱۸۹۶ء میں موضع "موہراں" تحصیل اوند نخل ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد چودھری شاہ محمد گوری متوسط درجے کے زمیندار تھے۔ چودھری صاحب نے ابتدائی تعلیم ایک مکتب میں حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان اینگلو ہائی سکول جالندھر سے پاس کیا۔ ۱۹۲۱ء میں مزید تعلیم کے حصول کی خاطر لاہور تشریف لاتے اور اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔ اس دور میں اس دانش کدے میں پروفیسر ایم اے غنی، مولانا اصغر علی رومی، خواجہ دل محمد اور سید عبدالقادر جیسی ممتاز شخصیات اس دانش کدے کے ساتھ منسلک تھیں۔ ان شخصیتوں نے چودھری صاحب کی ذہنی صلاحیتوں کو مزید جلا بخشیں۔ ۱۹۱۵ء میں انہوں نے "زمین شناسی کی بنیاد رکھی۔ اس بزم شبلی میں یہ تاثر دیا گیا کہ "ہاں میں ہوں"

اس تحریک آزادی میں ہوشیار پور ضلع کے جن بلند کرداروں اور پر وقار شخصیتوں نے داسے درے، قدمے، سنبھنے حصہ لیا۔ ان میں صف اول کے چوہدری رحمت علی تھے جنہوں نے پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں بڑے صغیر کے بہت سے مسلمانوں کی اکثریت والے علاقوں پر مشتمل ایک اسلامی مملکت کا نام "پاکستان" تجویز کیا۔

حکیم سید محمد عبدالحق قادر جو ہر ملی تحریک میں پیش پیش رہے۔ جب بھی اور جہاں بھی مسلم لیگ کے جلسے منعقد ہوتے۔ مسلمانوں کو تحریک میں حصہ لینے کے لیے پرجوش تقریریں کرتے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کی سر بلندی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ ہندوؤں اور سکھوں کے تعصب سے بہت نالاں رہتے۔ ان کے جوش اور جذبے نے ان کو تمام عمر کے لیے مجاہد بنا دیا تھا۔ وہ جلسے میں ترانہ ایک خاص انداز سے پڑھتے تھے، جس سے ایک دردمند مسلمان متاثر ہوتے بغیر نہ رہتا تھا۔ انہی جذبات کی بنا پر شعر کہنے کا ذوق بھی پیدا ہو گیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد فیصل آباد رہائش اختیار کی۔ اسی طرح عبدالحکیم بسمل نے بھی آزادی تحریک پاکستان کے لیے بڑے بڑے کام کیے۔ ہوشیار پور تحریک پاکستان کا ایک بڑا مرکز تھا۔ بسمل اس ضلع کے کارکن فعال اور پرجوش تھے۔ سول نافرمانی کی تحریک میں براہ شرکت رہے۔ گرفتار بھی ہوئے اور ہوشیار پور جیل سے گورداپور جیل منتقل کیے گئے۔

(کلوان شوق۔ ص ۵۸-۵۷)

پھر ان پلیٹ فارم سے تقسیم ہند اور آزاد اسلامی مملکت کا تصور پیش کیا گیا۔ چوہدری صاحب کالج کے جریدے "کریٹک" کے ایڈیٹر بھی رہے۔ جب بی۔ اے پاس کر لیا تو میدان صحافت میں قدم رکھا اور محمد دین فوق کے جریدے "کشمیر گزٹ" کے اسٹنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے اپنی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ ان دنوں کشمیر گزٹ اور جوں کے دانشور، سیاسی کارکنوں اور بڑے صغیر کے مسلمانان علماء اور اکابرین کی علمی اور سیاسی سرگرمیوں کا ترجمان تھا۔ اس جریدے سے منسلک ہونے کے بعد چوہدری صاحب کی ذہانت یہاں ایک نئی فکر سے روشناس ہوئی۔ ۱۹۲۲ء میں چوہدری صاحب چیئرس کالج لاہور میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ کالج ہی میں مزاری خاندان کے بچوں کے اتالیق مزاری اسٹیٹ کے مشیر اور سیکرٹری مقرر ہوئے لیکن یہاں انہوں نے ہر لمحہ علمی تشنگی کو محسوس کیا اور یہی احساس انہیں انگلیٹڈ لے گیا۔ انگلیٹڈ میں انہوں نے گیمبرج اور ڈبلیو یونیورسٹی سے قانون اور تاریخ سیاست میں ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور پاک نیشنل بلڈنگ موومنٹ کے نام سے تنظیم قائم کی۔ ان دنوں برطانیہ کا تارہ عروج پر تھا اور تمام عالم کے لیے ایک سیاسی مرکز تھا۔ انگلیٹڈ میں تمام زیر تعلیم طلبہ ہندوستان کے چوہدری صاحب کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے اور مسلمان طلبہ سے حلف لیا کہ واپس وطن جا کر علیحدہ اسلامی مملکت کے لیے جان و دل سے کوشاں رہو۔ ۱۸ جنوری ۱۹۳۲ء میں جب دوسری گول میز کانفرنس کا آغاز ہوا تو ایسے قیمتی موقع پر ایک پمفلٹ بعنوان "اب۔" گورنر کبھی نہیں۔" شائع کیا جس میں لفظ پاکستان استعمال کیا گیا۔ اسی پمفلٹ میں مجوزہ مملکت پاکستان کا محل وقوع کو بھی اجاگر کیا گیا۔ اخبارات اور جرائد کے مدیروں سے انفرادی طور پر تعلقات کو استوار کیا گیا جس میں ان کے اخبارات کے ذریعے پاکستان کے لیے کوششیں کی گئیں تاکہ مسلمان اپنا مقام پہچان سکیں اور آگے بڑھیں۔ اس طریقے سے حصول پاکستان کے لیے کندھے سے کندھا ملا کر چلیں۔ اپنے دست باند کے بل بوتے پر ایک علیحدہ اسلامی مملکت قائم کریں جس میں اسلامی قوانین رائج ہوں اور ظلم کے اندھیرے سائے سے نکل کر روشنی کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں۔ اس تحریک انقلاب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی کوششیں ان اخبارات و جرائد کے ذریعے اور تیز کریں۔

اس آزادی کی تحریک کو کامیاب کرنے کے لیے عوام کے قلوب کی ترجمانی کرنے کے لیے کیا کیا جتن نہیں کیے۔ انگریزوں کی سختیاں اور راتے میں روڑے اٹکانے والے ہندوؤں سکھوں کی مشکلات کو دل و جان سے برداشت کیا۔ مگر ماتھے پر شکن تک نہ آئی۔ برابر ان روڑوں کو راتے سے ہٹاتے رہے اور راستہ صاف کر کے عوام کو اپنے پیچھے لگایا اور خود اُن کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھالی۔ ۱۹۳۱ء میں کانگریس کی مسلم آزاد پالیسی کے پیش نظر مجلس احرار کی بنیاد رکھی گئی جن میں پیش پیش چودھری افضل حق تھے۔

اس انقلابی تحریک کے ذریعے اور سلسلے میں چودھری صاحب نے جرمنی کے نازی رہنما ہٹلر سے ملاقاتیں کیں۔ ۱۹۳۶ء میں ترکی ادیبہ خالدہ ادیب خانم سے بھی پیرس اور لندن میں ملاقاتیں کیں۔ اسی دور میں چودھری صاحب نے کامن ویلتھ آف مسلم نیشنز کے قیام کی تجویز پیش کی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو جب قرارداد پاکستان لاہور منظور ہوئی تو اسے جلد ہی شہرت حاصل ہوئی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکت پاکستان کو قائم کر دیا۔ چودھری صاحب ایک دفعہ سرزمین پاک کو اور اپنے خوابوں کی سرزمین کو دیکھنے کے لیے پاکستان تشریف لائے اور پھر واپس چلے گئے۔ چودھری صاحب کی صحت گر رہی تھی۔ آخر ۲ فروری ۱۹۵۱ء کو آپ کا وصال ہو گیا اور آپ کو کیمبرج یونیورسٹی کے احاطہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

چودھری افضل حق : ۱۸۹۱ء میں چودھری امیر خاں راجپوت کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا وطن گڑھ شکر ضلع ہوشیار پور تھا۔ آپ کے گھر کا ماہول کچھ ایسا دیندار تھا جس کی وجہ سے آپ بچپن سے ہی دین اور اسلام سے آشنا اور صوم و صلوة کے پابند ہو گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں سے حاصل کر کے انٹرنس کا امتحان امرتسر سے پاس کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا پورا خاندان امرتسر منتقل ہو گیا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں اسلام آباد کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ یہاں پر اکثر ایک عیسائی میسنری پروفیسر سے اسلام اور فلسفہ پر بحث ہوتی رہتی۔ اس بحث کی طولیت چودھری صاحب کی صحت اور تعلیم پر اثر انداز ہوئی اور کچھ امرتسر میں بیٹھنے کی وجہ سے بھی تعلیم مکمل نہ کر سکے، کیونکہ چودھری صاحب خود اس وبا کی لپیٹ میں آ گئے تھے اور پھر خدمتِ خلق کے جذبے کے طور پر بھی بیماری کے دوران عوام کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیا تھا مگر تعلیم کا ارادہ ترک کر کے ۱۹۱۴ء میں محکمہ پولیس میں سب انسپکٹر کے طور پر بھرتی ہو گئے اور پھر ابتدائی ٹریننگ پھلور ضلع جالندھر میں حاصل کی۔ یہاں سے اُن کی لدھیانہ پولیس تھانہ میں تقرری ہو گئی اور ان دنوں ہندوستان میں تحریکِ خلافت زوروں پر تھی۔ ایک دن لدھیانہ میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ایک جلسے میں تقریر سے متاثر ہو کر پولیس سے استعفیٰ دے دیا اور ۱۹۲۱ء میں خلافت کمیٹی میں شامل ہو کر گڑھ شکر سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ ترکوں پر انگریزوں کے ظلم و تشدد کے خلاف آواز بلند کی اور ۱۶ فروری ۱۹۲۲ء کو گرفتار ہوئے اور انبالہ جیل میں رکھے گئے۔ یہاں پر بھی سیاسی قیدیوں سے امتیازی سلوک برتنے پر انتظامیہ کے خلاف احتجاج کیا۔ سزا ہوئی اور رہائی کے بعد ضلع کی کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۳۷ء تک رہے۔ اس عرصہ میں قیدیوں کی اصلاح کے لیے سرکاری کمیٹی کے غیر سرکاری ممبر رہے اور پنجاب کے جیل خانوں کی اصلاح کی۔ پنجاب اسمبلی میں سکھوں کی مسلمانوں کے لیے تلوار اور کلٹاڑی بلا لائسنس رکھنے کی اجازت حاصل کی اور اس کے لیے باقاعدہ قانون پاس کروایا۔ جب مسلم لیگ و جناح لیگ اور شفیق لیگ میں تقسیم ہوئی تو چودھری صاحب سر شفیق لیگ میں شامل ہو گئے۔

(تحریک پاکستان میں ناجا باناز)

تجزیہ تقسیم کا اثر

تقسیم ملک کی تجویز کا اعلان ۳ جون ۱۹۴۷ء کو کیا گیا۔ سکھوں نے اس تقسیم کے اعلان سے پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت کی تدابیر پر عمل پیرا ہونے کے لیے جتھے بنائے گئے۔ انند پور صاحب ضلع ہوشیار پور میں ہولی کا سالانہ میلہ پانچ مارچ سے آٹھ مارچ ۱۹۴۷ء میں ہوا۔ جس میں تقریباً پندرہ ہزار اکالیوں (کاگرس) نے پرجوش تقاریر کیں۔ جتھے دار موہن سنگھ ان اکالیوں کا صدر تھا۔ ۱۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو شرومنی اکالی دل نے تمام جتھے داروں کے نام ہدایات کا مسودہ تیار کر کے منظور کیا جس میں ہر وقت ایک ایک سو کے اکالی جتھے تیار رکھنے کا حکم تھا۔ اس مہم کو کامیاب کرانے کے لیے سرمایہ اکٹھا کیا گیا۔ زیادہ تر سرمایہ اس مہم پر ہندوؤں نے لگایا۔ ہندو قوم خود تو لڑنے سے پیچھے رہتی ہے مگر مٹکاری میں سب سے آگے رہتی ہے۔ گڑھ شکر میں اکالی جتھوں کی از سر نو تنظیم اور بھرتی کی گئی۔ ان جتھوں کو صرف ایک نعرہ دیا گیا۔ ”مار دیں گے یا مارے جائیں گے۔“

ان جتھوں کو ہدایات جاری کی گئیں۔ سکھ تلواروں کو بے نیام کر کے نکلیں، مسلمانوں کو قتل کریں۔ اپنے شہیدوں کا انتقام لیں۔ سردار سر مکھ سنگھ ایم ایل اے نے آزاد ہند فوج سے اپیل کی کہ وہ اکالی سینا میں شامل ہو جائیں۔ اکالی فوج کی تنظیم برابر جاری تھی۔ ہوشیار پور میں بھرتی زیادہ تیزی سے جاری تھی۔ اور وہاں ممبروں کو کرپانیں مفت دی جا رہی تھیں۔ ماسٹر تارا سنگھ کی سرکردگی میں دوسواستی شہیدی جتھے داروں نے بیساکھی پر ۱۲ اپریل ۱۹۴۷ء کو اکالی تخت کے سامنے خودکشی کا حلف اٹھایا گیا۔ اس مقصد کے لیے مختلف گوردواروں سے پچاس لاکھ روپیہ کے فنڈ جمع ہوئے جو ماسٹر تارا سنگھ نے پاکستان کی تحریک کی مخالفت کے لیے کھولا تھا۔

۱۳ مئی ۱۹۴۷ء کو اکالی لیڈروں نے فیصلہ کیا کہ ہر گاؤں میں جتھے بندی کی جائے۔ ہر جتھے کو گھوڑ سواروں، سابق فوجیوں اور آزاد ہند فوج کے سپاہیوں سے تقویت پہنچائی جائے۔ آئندہ ہونے والے فسادات میں سکھ عمل کرنے میں ابتدا کریں۔ ان لیڈروں میں سردار سورن سنگھ ہوشیار پور اور موگا میں گیا۔ ہوشیار پور کے سفر کے دوران اس نے ایک جلسے کو خطاب کیا اور دوران تقریر کہا کہ تم سب کو اپنی اپنی مکمل تیاری کرنی چاہیے، کیونکہ پتھ کی طرف سے تم سب کو عنقریب دعوت عمل دی جائے گی۔ اس وسیع پروپیگنڈا پر دوسوہہ اور ٹانڈہ کے مسلم اکثریت کے علاقوں میں سکھوں کو ملک پہنچائی جائے اور ضلع ہوشیار پور کے مقامات ٹانڈہ، دوسوہہ اور کیریاں میں تھانہ کمانڈوز مقرر کیے جائیں۔ اس علاقے میں انند پور صاحب کو ایک مضبوط قلعہ بنایا گیا۔ ہر ہندو سکھ گاؤں کو حکم دیا گیا کہ دس دس سکھوں کا ایک ایک جتھا تیار کریں۔

مقامی اکالی نمائندوں نے جالندھر ہوشیار پور کے ضلعوں میں وسیع دورے کیے۔ جالندھر میں اشتہار تقسیم کیے گئے جن

میں تحریر تھا کہ ایک مخالف پاکستان کمیٹی قائم کی جائے مسلمانوں کا اقتصادی بائیکاٹ کرو۔ بعض دیہاتوں میں ٹرننگ سنٹر کھول دیے گئے۔ ہوشیار پور میں چارڈیفنس کمیٹیاں قائم کی گئیں اور ان کمیٹیوں کو ایک ایک ہزار روپیہ فراہم کیا گیا۔ سکھوں کا مطالبہ تھا کہ ان کے لیے پاکستان کے معرض وجود میں آنے کا مطلب سکھوں کے لیے مکمل خاتمہ ہو جائے گا اور وہ اقلیت بن کر رہ جائیں گے، لہذا انہوں نے مطالبات کیے اور اپنی قوت کو منظم کرنے میں مصروف ہو گئے، لہذا گوجرانوالہ میں گیانی کرتار سنگھ نے سکھوں اور ہندوؤں کی دفاعی تنظیم کا کام شروع کر دیا۔ شہیدی جتھے تیار کیے گئے۔ پچاس لاکھ روپیہ کے فنڈ دھڑا دھڑ جمع کیے گئے۔ سکھوں کی مختلف رضا کاروں کی جماعتیں بھرتی شروع کی گئی۔ ہوشیار پور میں بھی شہیدی جتھوں کے خفیہ "خانوں" میں سولہ سو ممبر شامل ہوئے۔

سکھوں کے خود مختاری کے منصوبہ جات

- ۱۔ مسلمانوں کے جان و مال کی وسیع تباہی و بربادی عمل میں لائی جائے۔
- ۲۔ اگر ممکن ہو تو مغربی پنجاب کی مشرقی سرحد کے متصل سکھ علاقے سے مسلمانوں کو قطعاً نابود کر دیا جائے۔
- ۳۔ سکھ قوم کے تمام طبقے۔ تعلیم یافتہ لوگ، مذہبی اور سیاسی لیڈر، سابق آزاد ہند فوج کے سپاہی، کاشت کار اور طلبا سب کے سب اس منصوبے کی تمکین کے لیے جمع ہو جائیں۔ وسیع اور باضابطہ انتظامات کے ماتحت ان کو انتظامی کاموں کے لیے، قتل و غارت اور آتش زنی کے لیے تیار کیا جائے۔
- ۴۔ مسلمانوں کو پاکستان جانے کی بجائے قبرستان بھیجا جائے۔

12 VILLAGES IN DASUYA TEHSIL,
ATTACKED BY SIKHS
INVADERS AIDED BY POLICE AND
CIVIL AUTHORITIES
HARASSED MUSLIMS FLY FROM 15 OTHER VILLAGES
SERIOUS ALLEGATIONS BY LEAGUE LEADERS

Lahore, Aug. 26 - Hakim Abdul Lateef and Ch. Mohammad Saeed, President and vice President of the Dasuya Muslim League respectively, who managed somehow or other to reach here from Dasuya have informed the Orient Press that the Sikhs with the help of the Civil and police officials attacked the following villages, in Dasuya tehsil: Bagoal khurd, Baklan, Durgu Hari Dhunga, Sheikhpur Darawla, Dindu Chopra-Baireha, Raja Munga, Khokal Dawakri, Khatten and Baulpur.

They further stated that the Mussalmans of the following villages, harassed the local police, have fled to by unknown places, Turan, Mihalpur, Kotli Gandian, Kaithan Dasuya Jand, hanza, Kotli Khurd, Khairabad, Jalalpur, Salimpur, Damar and Langarpur.

After Aug. 15

They disclosed that till Aug. 15 the Mussalmans all over the tehsil successfully defended themselves against the onslaughts of the Sikhs and many times repulsed them inflicting considerable losses on the invaders, but after the transfer of power when civil officials, the military and police began to help the Sikhs, the Muslims became helpless and suffered very badly.

EASTERN TIMES
LAHORE

WEDNESDAY AUGUST 27, 1947

TENS OF THOUSANDS KILLED

If the organised mopping up operation of August 18, 19 and 20 were isolated communal incidents as the East Punjab Government has dared call it all. I can say is that the word slaughter would then probably mean dreadful that the brutal murder of innocent citizens women and children.

The death roll in Jullunder and Hoshiarpur districts has reached thousands figures. MAY I ask the East Punjab Government as to what has happened to the Muslims of Talwandi Kishinpur Khalchian living on the further side of railway line in Jullunder city and other small villages in tahsil Amritsar, Hoshiarpur districts, tahsil Jallundur. The Civil Hospital, Jullunder still has patients who describe tales of horror and butchary.

THOUSANDS OF GIRLS ABDUCTED

Take for instance the locality in which I lived, My house Dr. Col. Muhammad Ali's house, Mr. Anwar-ul-Haq, D.C. Rawalpindi's house and all other houses numbering about 200 have been looted and then burnt. All the big workshops and manufacturing concerns belonging to Muslims on the Railway Road and opposite Mandi Fentoganj have been systematically destroyed. Thousands of innocent Muslims Girls have been abducted. When I was coming to Lahore on August 22, I saw a Muslim refugee caravan being looted by the sikhs three miles below the boundry line under the very nose of the Hindu troops stationed there for protection. The robbers had not only taken away young girls but had dragged with them children of teenage as well.

If all this is described as isolated communal incidents by a responsible Government, God help the residents of East Punjab. The Government, instead of deploring the shameless inhuman attitude of its people and taking strong action against them is trying to sheild their brutal acts and thus encouraging them to further slaughter.

I can never forget the words of a very responsible high civil official of Jullundur who after hearing the woeful tale of Muslims laughed and said, "Well, We have not forgotten RAWalpindi as yet". This attitude of the East Punjab Government will not lead us anywhere. We in West Punjab might not be able to forget Jullundur and Hoshiarpur and thus this barbarous struggle may become endless.

REPORTER AN EYE-WITNESS (MAJ. CHAUDHRI)

THE DAILY EASTREN TIMES LAHORE

AUGUST 29, 1947 THE FRIDAY.

ضلع ہوشیار پور کے ایک لاکھ مسلم پناہ گزیں

چک سعد اللہ میں پچیس ہزار کا اجتماع

میں دروہبرے دل سے آج ضلع ہوشیار پور کے ایک لاکھ سے زائد پناہ گزیں کی حالتِ زار کی طرف جو کمال پور، چک سعد اللہ (سادو) پنڈوری بی بی اور چک لادیاں وغیرہ کے کیمپوں میں مقیم ہیں۔ بیس دن سے مسلمانان ضلع ہوشیار پور کا قتل عام جاری ہے۔ پناہ گزیں کو نہ صرف حملہ آور بلکہ بہت سی جگہوں پر بھارتی حکومت کے تشدد کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مسلمان پناہ گزیں بے سروسامانی کی حالت میں کہاں جائیں۔ نہ تو ہتھیار ہیں کہ مقابلہ کر سکیں اور ننگے بھوکے بے آسرا کیمپ میں پڑے ہوئے ہیں۔ موسمِ برسات کی وجہ سے اور بھی زیادہ پریشانی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کیمپ میں سر چھپانے کو جگہ نہیں ہے۔ بیماروں کے لیے کوئی دوا دارو کا بندوبست نہیں ہے۔ ہندو سکھ تو ویسے ہی جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔

ضلع ہوشیار پور میں جم کر مقابلہ ہندوؤں، سکھوں کا تو ہر جگہ کیا گیا مگر اس سے زیادہ سخت مقابلہ مستی وال اور چک سعد اللہ کے باشندوں نے کیا جس کی وجہ سے ہزاروں مسلمانوں کی جانیں بچیں۔ سترہ اگست کو بارہ سو سے زائد ہندوؤں اور سکھوں نے ایک منصوبے کے تحت "بڑی بسی" میں مسلمانوں کا قتل عام کرنے اور لوٹ مار کرنے کا سلسلہ مسلح اور منظم طریقے سے شروع کیا گیا۔

دوپہر کے دو بجے تک ملحقہ مواضع کا بے رحمی سے خاتمہ کرنے کے بعد چک سعد اللہ کاؤٹخ کیا۔ اور ایسا بھر پور حملہ کیا کہ خدا پناہ۔ اس کا دفاع گاؤں کے چند نوجوانوں نے بڑی ہمت سے کیا۔ مسلسل پانچ گھنٹے تک دونوں طرف سے ہندوؤں و رانفلوں کی لڑائی کے بعد سکھوں کو اپنے ۸۵ مردہ اور ۱۲۰ زخمی آدمیوں کا نقصان اٹھانا کرنا کام واپس لوٹنا پڑا۔ گاؤں کی عورتوں نے اپنے بچوں اور بھائیوں کو میدانِ جنگ میں لسی اور پانی مہیا کیا اور اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی بھی میدانِ جنگ میں ہی کی۔

مذکورہ چک کو محفوظ مقام سمجھتے ہوئے تقریباً پچیس ہزار پناہ گزیں کی مزید تعداد تحصیل اونہ، ہوشیار پور وغیرہ سے آنا شروع ہو گئی۔ ان کے خورد و نوش کا انتظام بھی گاؤں والوں کو کرنا پڑا۔ گاؤں کے اندر صرف ایک کنواں تھا جس کی وجہ سے اتنی بڑی تعداد میں پناہ گزیں کی ضرورت ایک کنواں پوری نہ کر سکا۔ اس کے علاوہ خوراک کی کمی کو بھی محسوس کیا گیا۔ اس کے بعد مزید بڑی اطلاعات ہندوؤں اور سکھوں کی

طرف سے حملہ آور ہونے کی ملتی رہیں۔ دشمن اپنی خفت مٹانے کے لیے اور شکست کا بدلہ لینے کے لیے سرتاپا کوشش کر رہا تھا کہ مذکورہ چک کا کوئی فرد بھی بچ کر نہ جائے۔ پاکستان جانے کے بجائے قبرستان جائیں۔

(انقلاب، لاہور۔ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۴۷ء)

(ایک چشم دید رپورٹ)

شام چوراسی میں مسلم پناہ گزنیوں پر حملہ

متعدد افراد شہید و مجروح ہوئے

شام چوراسی ضلع ہوشیار پور میں جو جالندھر سے چودہ میل دور ہے، پر بلوایوں نے بھرپور حملہ کیا جس کی وجہ سے بیسیوں افراد شہید ہوئے اور متعدد افراد مجروح ہوئے۔ حفاظتی فوجی دستے نے حملہ آوروں پر جوابی حملہ کرتے ہوئے گولیاں چلائیں جس سے پندرہ بلوائی مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اس کے بعد پناہ گزنیوں کو حفاظت کے ساتھ جالندھر کیمپ میں پہنچا دیا گیا۔ ایک اور جگہ ضلع فیروز پور کے ایک گاؤں سے جو فیروز پور سے ۱۲ میل دور مشرق کی طرف ہے بلوایوں کے حملہ کی اطلاعات ملی ہیں۔ لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق چار بلوائی بھی مارے گئے۔ جالندھر اور ہوشیار پور کے اضلاع میں دیہات کی حالت خراب ہے۔

(انقلاب، لاہور۔ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۴۷ء)

جالندھر ڈوٹیرن کی حالت کافی سدھر گئی ہے

(مشرقی پنجاب کی حکومت کا ایک لغویاتی بیان)

لاہور، ۲ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ مشرقی پنجاب کی حکومت کا ایک اخباری بیان منظر ہے کہ جالندھر ڈوٹیرن کی حالت نمایاں طور پر بہتر ہو گئی ہے۔ فیروز پور لدھیانہ کے شہروں اور دیہات کی حالت سدھر گئی ہے۔ جالندھر اور ہوشیار پور کے شہروں میں امن ہے، لیکن ان اضلاع کے دیہات کی حالت خراب ہے۔ روزانہ سکھوں اور ہندوؤں کے حملے ہوتے رہے، قتل و غارت ہوتی رہی۔ حملے کے وقت معصوم بچوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ عورتوں کو برہنہ کیا جاتا۔ ان کے پستانوں کو کاٹا جاتا۔ ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ غرض کہ مشرقی پنجاب کی حکومت کا بیان انتہائی جھوٹا تھا کہ جالندھر ڈوٹیرن کی حالت سدھر گئی ہے۔

(انقلاب، لاہور)

ایک سرکاری پریس نوٹ

”جب مشرقی پنجاب میں ہزار ہا مسلمان تہ تیغ کیے جا رہے تھے۔ لاکھوں مسلمان بزور تشدد اپنے اپنے گھروں سے بھگائے جا رہے تھے۔ دہشت زدہ اور نادار مسلمان پاکستان کا رخ کر رہے تھے، لیکن انہیں اس امر کا یقین نہ تھا کہ وہ زندہ سلامت وہاں پہنچ بھی سکیں گے۔“

ہوشیار پور میں ۵ جولائی ۱۹۴۷ء ریاست بلاپور کی سرحد سے ذرا ادھر اولندہ کے مقام پر مسلم مزدوروں کا ڈیرہ تھا جس پر رات کو مسلح حملہ کیا گیا۔ حملہ آوروں کے پاس اس حملے میں ایک رائفل، بارہ بوری کی بندوقیں اور ریوالور استعمال کیے گئے۔ اور تین ملز کے دستی بم بھی پھینکے گئے۔ ۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو ننگل انڈیا پور کے علاقے میں موضع دونال کے پاس مسلح سکتوں نے پٹھانوں کے ڈیرے پر حملہ کیا۔ پہلے اس کیمپ پر چار بم پھینکے گئے اور پھر حملہ آوروں نے رائفلوں اور بندوقوں کے فائر شروع کیے۔ ۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء کو سکتوں کے ایک جتھے نے جو بندوقوں، ریوالوروں اور بموں سے مسلح تھا۔ موضع ”بالیمہ“ تھانہ مہال پور کے ایک مسلمان راجپوت کے گھر پر حملہ کیا گیا اور دو دستی بم پھینکے گئے۔

۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء کو تقریباً تین سو سکتوں نے بموں، بندوقوں، رائفلوں اور بھالوں سے مسلح ہو کر ہوشیار پور سے ٹانڈہ جانے والی سڑک پر موضع آصل پور پر حملہ کیا۔ چند مسلمان مارے گئے اور زیادہ تر زخمی ہوئے۔ چار مکانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ خشک چارے اور بھوسے کے ذخیروں کو بھی نذر آتش کر دیا گیا جو مویشیوں کے لیے تھا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان کا اعلان ہوتے ہی ہندوؤں اور سکتوں نے ضلع ہوشیار پور کے تمام علاقوں میں قتل و غارت اور خون ریزی کے عمل کو اور زیادہ تیز کر دیا۔ ان ظالم درندوں نے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں تک کو بھی تہ تیغ کرنے میں ظلم کی حد کر دی۔ جوان لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی اور بعد میں ان کو قتل کر دیا گیا۔ معصوم بچوں کو نیزوں کی نوکوں پر لٹکایا گیا۔ ہر مسلمان گاؤں میں خون کی بولیاں کھیلی گئیں۔ مکانوں کو جلایا گیا۔ مال و اسباب لوٹ لیے گئے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو موضع پسرٹی ضلع ہوشیار پور میں سکھ سیوک سنگھیوں کے ممبروں اور پولیس کی موجودگی میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور کے نواح میں بسی میاں علی محمد خاں پر سیا سنگھ اور آزاد ہند فوج کے تین سوا فراد نے

مل کر قتل و غارت کی اور مال و اسباب لوٹ کر لے گئے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور شہر میں تقریباً چار سو سکھوں نے حملہ کیا جس میں کچھ مسلمان قتل ہوئے اور زیادہ تر زخمی ہوئے۔ اس پر ستم یہ کہ ان زخمیوں کے لیے علاج معالجے کا کوئی انتظام نہ تھا۔

۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور شہر میں ہوشیار پور کی پولیس اور مقامی ملٹری نے مل کر مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور شہر میں ہوشیار پور کی پولیس اور مقامی ملٹری نے مل کر مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو بسی کلاں نواح ہوشیار پور میں ایک سو سکھوں مع مقامی پولیس و آزاد ہند فوج نے مل کر مسلمانوں کا قتل عام اور لوٹ مار کی اور خون کی ہولی کھیلی گئی مسلمان بے چارے حملے کا دفاع کیسے کرتے جب کہ وہ ننتے کر دیے گئے تھے۔ اسی تاریخ کو ہوشیار پور شہر میں سکھوں اور پولیس والوں نے بے دردی سے مسلمان علاقوں پر فائرنگ کی۔

۱۸ اگست ۱۹۴۷ء کو بمقام ساون ضلع ہوشیار پور میں ایک لڑائی کے موقع پر مسلمان پولیس افسروں کو غیر مسلح کر دیا گیا اور یہ سب کچھ سکھوں اور ان کے پجاریوں ہندوؤں نے کیا اور پھر ان پر حملہ کیا گیا۔

۱۹ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور شہر میں مسلم پولیس افسروں کو بھی غیر مسلح کر دیا گیا اور پھر ان ننتے مسلمانوں پر ناقابل بیان ظلم کیے گئے۔

۲۳ اگست ۱۹۴۷ء کو صبح ۶ بجے موضع کھور تھانہ بلاچور ضلع ہوشیار پور میں سکھوں نے آزاد ہند فوج اور ڈوگرہ فوج کے ہمراہ بھر پور حملہ کیا۔ تقریباً ڈھائی ہزار مسلمانوں جن میں عورتیں، بچے، بوڑھے بھی تھے قتل کر دیا گیا اور ان کے گھروں سے مال و اسباب لوٹ کر لے گئے۔

۲۴ اگست ۱۹۴۷ء کو موضع سرسہ ضلع ہوشیار پور میں سکھوں اور ہندو غنڈوؤں نے بہ سرکردگی رام سنگھ اور سزنام سنگھ جتھے دار، لوٹ مار، آتش زنی اور فائرنگ کر کے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اور جو زندہ بچے وہ زخمی تھے۔

ان حملہ آوروں کے قتل و غارت اور ظلم سے جو زندہ بچے وہ پیدل یا بذریعہ بسوں اور ریل گاڑیوں پاکستان پہنچے، مگر ان ظالموں نے ریل گاڑیوں پر بھی حملے کیے۔

۱۹ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور ریلوے اسٹیشن پر ایک بڑا سکھوں کا جتھا ٹرین پر حملہ آور ہوا اور مسلمانوں کو ٹرین سے گھسیٹ گھسیٹ کر نکالا اور تلواروں، نیزوں سے نہایت بے دردی سے ہلاک کیا گیا۔

یکم ستمبر ۱۹۴۷ء کو بیاس ریلوے اسٹیشن پر ۴۰ سکھوں نے مسلمانوں کا جانی نقصان کیا اور ان کے مال و اسباب لوٹ کر لے گئے، جوان لڑکیوں کو اغوا کیا گیا۔

پانچ ستمبر ۱۹۴۷ء کو موضع خوجے والا، ریاست کپورتھلہ میں ٹرین پر بہت بھیاہک حملہ کیا گیا۔ اس ٹرین میں تقریباً

پانچ ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ ٹرین کو پٹھری سے اتار دیا گیا۔ ان درندہ صفت انسانوں نے کس کس انداز سے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ عورتوں اور جوان لڑکیوں کے پستانوں کو نہایت بے دردی سے کاٹا گیا اور بچوں کو ان کے والدین کے سامنے ذبح کیا گیا۔ اس منظر کو دیکھنے کے لیے علاقے کے چیف منسٹر اور کنور صاحب خود موجود تھے وہ مداخلت کیوں کرتے۔ اگست اور ستمبر کے دو ماہ میں گورداسپور، فیروز پور، جالندھر، لدھیانہ اور ہوشیار پور کے اضلاع میں پانچ لاکھ سے زائد مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو خاک و خون میں نہلایا گیا۔ ایسے مسلمان جو راستے میں دریاؤں کی طغیانی، بھوک و پیاس کے مصائب، درندہ صفت ظالم انسانوں کے شکنجوں اور سردی افواج کی گولیوں کے شکار ہوئے پاکستان پہنچ کر راستے کے زہر آلود پانی، دباؤں اور سردی کی شدت سے مرنے والے پناہ گزین کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ تھی۔ ان عورتوں، بچوں اور مردوں کی تعداد جو اغوا اور ارتداد کے چنگل میں پھنس کر مشرقی پنجاب میں رہ گئے دس لاکھ تک پہنچتی ہے۔

(پاکستان کی قیمت۔ منشی عبدالرحمن خاں)

اسی ضلع ہوشیار پور کے ایک علاقہ شام چوراسی کے مسلمانوں کی پاکستان میں منتقلی کے دوران ہندوؤں، سکھوں کے وحشیانہ مظالم یہاں تک زور پکڑ گئے تھے۔ ایک مہاجر کی کہانی اسی کی زبانی:

روزنامہ نوائے وقت ۵ دسمبر ۱۹۴۷ء ایک روز صبح کے وقت چوک سرجاہل جہاں ہم رہتے تھے پر آج کسی وقت ہندو سکھ حملہ کریں گے، چنانچہ چوک سرجاہل کے مسلمان نوجوانوں نے شیخ رفیع کی حویلی میں جمع ہو کر اس منظم حملے کو ناکام بنانے کی تیاری کی۔ تقریباً تین سو سکھوں اور ہندوؤں نے بندو قوں سے مسلح ہو کر چوک سرجاہل پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کی تعداد حملے کو روکنے کے لیے بمشکل نوے یا پچانوے افراد پر مشتمل تھی۔ ان نوجوانوں نے جس طرح پاکستان کے لیے قربانیاں دیں۔ اس کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو اس وقت موجود تھے۔ ایک نوجوان گرتا تو اس کی جگہ دوسرا نوجوان آتا۔ ان نوجوانوں نے بڑی عمر کے لوگوں میں بھی عزم نو پیدا کر دیا کچھ تو اسی وقت جا کر اس حملہ کو روکنے کے لیے تیار ہو گئے۔ چوک سرجاہل میں یہ جنگ تین روز تک جاری رہی۔ اسے ہوشیار پور کے مسلمانوں کی طرف سے بغیر کسی اسلحہ کے فیصلہ کن دفاعی جنگ کہا جا سکتا تھا۔ قوموں کے لیے وہ بڑی مصیبت کا دن ہوتا ہے۔ جب اس کے نوجوان فیصلہ کن مرحلوں میں ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جائیں لیکن دو آبہ کے نوجوانوں نے یہ ثابت کر دیا کہ تحریک پاکستان کو جس قدر خون کی ضرورت ہے اس کے لیے وہ ہر دم تیار ہیں۔ چوک سرجاہل جب خالی ہونا شروع ہوا تو ہم لوگ بھی جامع مسجد کے قریب شیخ جان محمد کی حویلی کے آس پاس ایک مکان میں منتقل ہو گئے، لیکن وہاں پہنچنے کے لیے ایک بلے دریا ہے کو عبور کرنا ضروری تھا۔ اس کے آخری سرے پر ایک مندر تھا جس سے ہندو غنڈے فائرنگ کرتے تھے۔ سرکاری پولیس بھی ان کی مدد کرتی تھی، کو عبور کرتے ہوئے بے شمار مسلمان شہید ہوئے۔ میرے والد صاحب اس دوران میں لاہور سے کانوائے لینے چلے گئے۔ مسلمانوں نے قافلے بنا کر اپنے اپنے

گھروں سے نکلنا شروع کر دیا تھا۔ صرف ہمارا ہی خاندان والد صاحب کا انتظار کرتا رہا۔ سکھوں، ہندوؤں نے ہوشیار پور کی تمام مساجد سے قرآن مجید اٹھا کر سڑکوں پر پھینک دیے اور بدست ہو کر اغوا شدہ مسلمان خواتین کی بے حرمتی کی جا رہی تھی۔ آخر کار والد صاحب گیارہویں روز "کانوائے" لے کر پہنچے۔ انہوں نے بتایا کہ دریا نے بیاس طغیانی پر ہے، اس لیے آنے میں دیر ہو گئی۔ ان کے ساتھ بلوچ رجمنٹ کے لوجوان سٹین گنوں اور تھری ناٹ تھری بندوقوں سے لیس تھے۔ شام کے وقت شام چوراسی پہنچے تو اس کی نہر کا پانی خونِ مسلم سے سرخ تھا۔ شام چوراسی کے مسلم لوجوانوں نے چار دن تک مسلسل پندرہ ہزار سکھوں اور ہندو غنڈوں کو روکے رکھا۔ اور اس دوران مسلمان گھرانوں کو قافلوں کی صورت میں روانہ کیا۔ نہر طغیانی پر تھی ہم عبور نہیں کر سکتے تھے، لہذا رات گزارنے کے لیے وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ رات کو ایک بلوچی نے والد صاحب کو بتایا کہ ہوشیار پور میں پندرہ روز میں ساڑھے تین ہزار مسلمان شہید ہوئے اور یہ سب کچھ مرہٹہ فوج کی زندگی کی وجہ سے ہوا۔ اغوا ہونے والی خواتین کا اندازہ نہ ہو سکا۔ رات ڈیڑھ بجے کے قریب چاند کی روشنی میں شمال و جنوب سے اچانک بڑی تعداد میں سکھ "ست سری اکال" کا نعرہ لگاتے ہوئے آگئے۔ بلوچ رجمنٹ کے جوانوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ ادھر ادھر چھپ گئے اور کانوائے کے مردوں کو کچھ رائفلیں دے دیں۔ اور کچھ لوگوں کے پاس پہلے ہی اسلحہ موجود تھا۔ جب وہ قریب آئے تو ان پر زبردست فائرنگ شروع کر دی گئی۔ وہ سمجھے کہ کانوائے سوئے ہوئے ہیں۔ ابھی اس بوکھلاہٹ سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ پیچھے سے کانوائے کو لے جانے والے بلوچ رجمنٹ کے جوانوں نے اسٹین گنوں سے انہیں بھون کر رکھ دیا۔ اس کے بعد حملہ اور ایسے بھاگے کہ صبح تک کوئی خبر نہ ملی۔ ہم نے علی الصبح نہر کو عبور کیا تو کچھ فاصلے پر کسی عورت کے کراہنے کی آواز آئی۔ ایک بزرگ ڈاکٹر نصیر الدین فوراً آگے بڑھے۔ انہوں نے پوچھا کون ہے تو دیکھا ایک عورت خون میں لت پت پڑی تھی۔ انہوں نے اس خاتون کو پانی پلایا اور مرہم پٹی کی۔ اس عورت نے بتایا کہ شام چوراسی کے مقابلہ میں اس کے والد سات بھائی، چچا اور ان کے چار لڑکے شہید ہو گئے ہیں۔ تین بہنیں مقابلہ کرتی ہوئیں نہر میں ڈوب گئیں۔ والدہ کو حملہ آوروں نے قتل کر دیا۔ میں چھپ گئی لیکن انہوں نے مجھے ڈھونڈ نکالا۔ جب حملہ آور میرے قریب آئے تو میں نے گنڈاسے دو حملہ آوروں کو زخمی کر دیا۔ پھر انہوں نے بدلہ میں میرا چہرہ شکر کر دیا۔ خاتون آخری سانسوں پر تھی۔ آخری سانس میں پاکستان کو سلام کہہ کر شہید ہو گئی۔

راقم الحروف کے گاؤں کی ہجرت

اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے بڑی سخت جدوجہد اور شب و روز کی ان تھک محنتوں سے ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء بمطابق ۲۷ رمضان المبارک کو مملکت پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ پھر جو اکاد کا فساد پہلے رہے تھے، اب زوروں پر شروع ہو گئے

تھے۔ ہندو سکھ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے اور درپے آزار ہو گئے۔ مال و اسباب کو لوٹتے، جانی نقصان کرتے مگر یہ قوم مسلم جن کی تعلیم و تربیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام، تبع تابعین کے بعد اللہ پاک کے ولیوں، بزرگوں اور مشائخین نے کی ہو، جن کی زندگی کا ہر شعبہ مجاہدانہ ہو اور اللہ رسول کے لیے وقت ہو جو حق و باطل کی جنگ میں قتل ہونے پر شہادت کا درجہ پاتے ہیں اور جنگ میں قتل ہونے پر غازی کا درجہ پاتے ہیں، کیونکہ ہندوؤں کے سامنے ہتھیار ڈال سکتے ہیں جن قصبوں اور دیہاتوں میں مسلمانوں کے خاندان اقلیت میں تھے وہاں پر مسلمانوں کو آسانی سے شہید کر دیا گیا اور جوان لڑکیوں کو جبراً اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور جن دیہاتوں یا قصبوں میں ہندو سکھ خاندانوں کی اقلیت میں ہوتے مسلمانوں نے ان کے ساتھ اپنے اخلاق و محبت کی وجہ سے بھائیوں جیسا سلوک کیا۔ ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ ان کا ہر طرح سے دفاع کیا۔ شب و روز پریشان کن خبریں آرہی تھیں کہ آج فلاں گاؤں کے اتنی تعداد میں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ اور آج فلاں قصبے کو بلوائیوں نے نذر آتش کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو آذیتیں دے دے کر قتل کر دیا گیا حکومت برطانوی نے ابھی پاکستان کا اعلان نہیں کیا تھا۔ تقریباً ایک مہینہ پہلے پولیس اور مٹری کے ذریعے جبراً گاؤں اور قصبے سے ہتھیار چھیننا شروع کر دیے تھے تاکہ بوقت ضرورت مسلمان نہتے رہیں اور اپنا دفاع نہ کر سکیں اور کچھ ایسی سکیس تیار کیں کہ جب ان کے قافلے پاکستان کی طرف ہجرت کریں ان پر حملہ کر کے ان کو ختم کر دیا جائے۔ ارد گرد کے دیہات اور قصبات پہلے تو جتھہ بندی کے ساتھ اپنا دفاع کرتے رہے جس سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی مگر جہاں مسلمان جتھے ناکام ہو جاتے وہاں پر بد فطرت ہندوؤں اور سکھوں کی بن آتی۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک مہینہ تک جاری رہا۔ ہمارے گاؤں کی تمام آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ دو چار گھر عیسائیوں کے تھے۔ رمضان شریف ختم ہوا عید کا چاند نظر آیا لوگوں نے نماز عید کے لیے تیاری کی اور دربار شریف کی مسجد میں گئے اور نماز عید الفطر پڑھ رہے تھے۔ جب ایک رکعت ختم ہوئی تو اچانک گاؤں کی عورتوں اور بچوں نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا کہ سکھوں کا جتھہ گاؤں پر حملہ کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ مشکل تمام دوسری رکعت ختم کی۔ نماز عید کا خطبہ کون سنتا کون پڑھتا بھگدڑ مچ گئی۔ گاؤں کے تمام مردوں نے فوراً گاؤں کے باہر دفاع کے انتظام کر لیے۔ عورتیں بھی چوکس ہو گئیں۔ مگر خدا کی قدرت نہ سکھ آئے اور یہ حملہ ہوا۔ اس کے بعد ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو پُر خطر حالات کے پیش نظر یکے بعد دیگرے گاؤں والوں نے قریب و دور میں اپنے عزیز واقارب کے ہاں عورتوں اور بچوں کو بھیجنا شروع کر دیا۔ اس کے دو چار دن بعد حکومت ہند کے اعلان کے مطابق ایک کیمپ قائم کر دیا گیا جو کہ پندرہ بیس دیہات پر مشتمل تھا۔ یہ کیمپ دوسو ہر ریلوے اسٹیشن کے متصل ایک پڑاؤ اور اسلامیہ ہائی سکول دوسوہ میں لگایا گیا تھا۔

موسم برسات کی وجہ سے کیمپ میں رہتے رہتے لوگ وبائی امراض کا شکار ہونے لگے۔ جن خاندانوں کے عزیز واقارب

ظالم درندوں، ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے تھے وہ بھی سکون قلب کھونے کی وجہ سے لاغر اور بیمار پڑ گئے تھے۔ کیمپ کے اندر علاج معالجے کا انتظام تو ہوتا نہیں تھا جس کی وجہ سے لوگوں کی اموات ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ اس کیمپ کا قیام تقریباً ڈیڑھ دو مہینہ تک بہار اس کے بعد اکتوبر کے پہلے ہفتے میں اس کیمپ کو روانگی کا حکم دیا گیا۔ جب قافلہ چلتے چلتے اڑمٹا نڈہ کے نزدیک پہنچا تو وہاں پر ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت سکھوں اور ہندوؤں نے سڑک کے دو طرفہ کھڑی فصلوں سے نکل کر بے خبر راہ چلتے قافلے پر اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ بھی نہیں تھا جس سے ان ظالم درندوں کا مقابلہ کرتے، لہذا بیسیوں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا اور جوان لڑکیوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ عجب نفسا نفسی کا عالم تھا۔ بھگدڑ مچ گئی۔ ڈوگرہ ملٹری جو قافلے کی رہنمائی کر رہی تھی وہ بجائے مسلمانوں کا دفاع کرنے کے جو لوگ جانیں بچا کر بھاگتے ان پر گولیاں برسائی شروع کر دیں۔ ان کی گولیوں کی بوچھاڑ سے بھی کئی لوگ شہید ہوئے۔ جو زخمی ہوئے وہ بھی مرے ہوؤں کے برابر تھے۔ جس جگہ پر یہ اچانک حملہ کیا گیا، وہاں پر سڑک برسات کی وجہ سے دلدلی ہو گئی تھی۔ جب ہندو سکھ حملہ کر کے بھاگ گئے۔ دوبارہ قافلہ کو متحد کر کے روانگی کا حکم دیا گیا۔ لاشوں اور زخمیوں کو اسی جگہ چھوڑ دیا گیا۔ ان کا کیا حشر ہوا کوئی پتہ نہیں۔ قافلے کا پہلا پڑاؤ موضع ڈھڈا سنوڑا تھا۔ قافلہ پہنچنے سے پہلے ان ہندوؤں سکھوں نے سڑک کے کنارے جو سڑوں اور کنوؤں کے اندر چونا اور سچی ڈال دیا تھا۔ جو بھی ان جو سڑوں اور کنوؤں کا پانی استعمال کرتا پیٹ کے امراض میں مبتلا ہو جاتا۔ اس جگہ پر کیمپ نے دو دن قیام کیا۔ یہاں سے پھر اسے روانگی کا حکم دیا گیا۔ اس مقام سے چل کر جب پریشان حال قافلہ ضلع جالندھر کے موضع علاول پور دھوگری کے نواح میں پہنچا تو اس جگہ پر قافلے کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ اس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے اس قافلے کو کچھ اس طرح امداد فرمائی کہ قافلے کے تحفظ اور رہنمائی کے لیے بلوچ رجمنٹ مسلمان ملٹری پہنچ گئی۔ یہاں پر لوگوں کو ذرا سکون ہوا۔ مسلمان ملٹری راستے میں مسلمانوں کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ اس کیمپ میں ہماری رشتہ میں ایک نانی تھی اس کا یہاں پر انتقال ہو گیا تھا۔ سڑک کے کنارے اگر ان کو بد فطرت ہندو اور سکھ نظر آجاتا فوراً اس کو گولی کا نشانہ بناتے اور جہنم واصل کر دیتے۔ قافلے نے اس مقام پر دو دن قیام کیا تاکہ راستے کی پریشان کن تھکن دور ہو سکے۔ چوتھے دن وہاں سے پھر قافلے کو روانگی کا حکم دیا گیا۔ جب قافلہ چلتے چلتے دریائے بیاس سے بھی چار چھ میل پیچھے تھا پہنچا۔ وہاں پر سڑک کے دونوں کناروں اور دور دور تک ہزاروں کی تعداد میں انسانوں اور مویشیوں کی بکھری پڑی ہوئی لاشیں نظر آئیں، جن کی بدبو سڑاؤ اور تعفن کی وجہ سے قافلے والوں کے دماغ پھٹے جاتے تھے۔ بڑی مشکل سے اہل قافلہ نے چار چھ میل کا راستہ طے کیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جالندھر کینیٹ کے گرد و نواح کے تقریباً بیس موضع جات پر مشتمل مسلمانوں کا قافلہ جو تقریباً پچتر ہزار سے زائد مسلمانوں پر مشتمل تھا وہ پاکستان ہجرت کر رہا تھا۔ جب چلتے چلتے شام کو تھکے ماندے قافلے نے اس منزل پر پڑاؤ

کیا تو ہندوؤں اور سکھوں نے دریائے بیاس کا کنارہ توڑ کر پورے قافلے کو سیلاب کی نظر کر دیا۔ ایک تورات کی تاریکی اور دوسرا سیلاب۔ کوئی انسان اور مویشی زندہ نہیں بچا۔ ہمارے قافلے کو دریائے بیاس کو پار کرنے کے بعد دوسرے کنارے پر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا گیا۔

ہمارا قافلہ جمعہ کے روز شام کو دریائے بیاس پر پہنچا۔ دوسرے دن اسی مقام پر بروز ہفتہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء بمطابق ۹ کاٹک ۲۰۰۴ بکرمی عید الفضحی آگئی۔ خوشی کیا ہوتی۔ لوگوں نے اس عید قربان پر اپنی جانیں اور عزیز و اقارب کی جانیں پاکستان کے لیے قربانی میں دے دی تھیں۔ یہاں پر ہمارے کچھ عزیزوں کی بھی اموات ہو گئی تھیں۔ دل ایسے سخت ہو گئے تھے، کون کسی کے لیے روتا، کون کسی کا غم کھاتا، کون کسی کے بچھڑنے پر پریشان ہوتا۔ اگر دل میں کوئی آرزو تھی یا حسرت تھی تو صرف پاکستان پہنچنے کی تھی یعنی اس پاک سرزمین میں پہنچنے کے لیے جس کے لیے ہزاروں لوگوں کی قربانیاں ننگ لاپچی تھیں۔ گھر بار لٹا چکے تھے اور ہر طرح سے اجڑ کر پاکستان کی طرف رواں دواں تھے۔ بے سرو ساماں تھے اور دلوں میں اگر کوئی امنگ تھی تو صرف ایک امنگ تھی وہ صرف پاکستان کی تھی۔ یہاں پر قافلہ نے چار دن تک قیام کیا۔ اس کے بعد قافلے کو روانگی کا حکم دیا گیا۔ وہاں سے قافلہ چل کر امرتسر پہنچا اور بیاکھی دسہ گرافنڈ میں پڑاؤ کیا۔ اب لوگوں کے پاس سے راشن بالکل ختم ہو گیا تھا۔ ہندو سکھ جو سامان خوراک بیچتے تھے اُس کو خریدنے میں مسلمان بچکچاتے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ اس میں زہریلی چیزیں ملی ہوتی ہوں۔ اور کھانے کے کسی جان کا نقصان ہو جائے۔ خیر لوگ بھوکے پیاسے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔ امرتسر میں گورنمنٹ ہسپتال کے کچھ ڈاکٹروں کا انتظام کر رکھا تھا مگر وہ انتظام تسلی بخش نہیں تھا۔ لہذا جن لوگوں کے پاس بیل گاڑیاں تھیں ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی اپنی بیل گاڑیاں لے کر لاہور جا سکتے ہیں۔ سراقم الحروف کے والدین نے بھی بجائے بسوں، ٹرکوں پر جانے کے ان ہی بیل گاڑیوں والے قافلے کے ہمراہ چار پانچ روز امرتسر میں اپنی تھکن دور کرنے کے بعد ایک شب کو چل پڑے۔ تمام شب قافلہ چلتا رہا۔ یہ ہماری آخری منزل کا سفر شب کو رہا۔ ادھر صبح کا تارا نمودار ہوا۔ ادھر ہم بھی منزل کے قریب پہنچ چکے تھے۔

جیسے ہی ہم بارڈر یعنی پاک سرحد پر پہنچے نماز فجر کا وقت تھا۔ ایک طرف ہندوستان کا ترنگا اور دوسری طرف پاکستان کا سبز پللی پرچم لہرا رہا تھا۔ ہم نے اور قافلے والوں نے سرزمین پاک میں داخل ہو کر نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ایک آدھ گھنٹہ آرام کرنے کے بعد پھر چل پڑے۔ مگر تھکن سے جسم چور چور ہو رہے تھے۔ اب مزید چلنے کی ہمت نہیں تھی مگر پھر بھی لوگ کہہ رہے تھے کہ کسی گاؤں کے نزدیک پڑاؤ کیا جائے۔ ہمارے پاس راشن نام کو نہیں تھا۔ مگر جیسے اس قدر بند تھے کہ بغیر خوراک کے شب بھر سفر کرتے رہے۔ سورج طلوع ہوا۔ دن چڑھا۔ دن کے دس گیارہ بجے ایک گاؤں کے نزدیک ڈیرے ڈال دیے۔ ادھر ٹرک پر تین چار مٹری کے ٹرک گزر رہے تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھا اور ٹرک

ہمارے نزدیک لائے اور روک کر پوچھنے لگے کہ راشن چاہیے، لہذا انہوں نے ہمارے ہاں کتنے پر پانچ سیر کے قریب وال اور بیس سیر آٹے کے چلے گئے۔ والدین نے کھانا تیار کیا اور سب نے مل کر پیٹ بھر کر کھایا۔ اور رات کے تھکے ماندے تھے تھوڑا سا آرام کیا پھر چل پڑے۔ اب دلوں میں خوف و ہراس نہیں تھا۔ آزاد ملک میں پہنچ چکے تھے۔ آزادی سے چلنے لگے اور شام تک ہڈیا رہ برکی روڈ پر واقع باولی کیمپ پہنچ گئے۔ وہاں پڑ پھڑے ہوئے عزیز و اقارب مل گئے۔ پھر آہستہ آہستہ پتہ چلتا رہا کون مرا، کون زندہ بچا۔ یہ ہمارے گاؤں کی روداد تھی کہ وہ کس طرح پاکستان پہنچے اور راستے میں جو جو تکالیف اٹھائیں ان کا مختصر سا خاکہ قارئین کرام کے پیش نظر ہے۔ ضلع کے دوسرے دیہات اور باقی مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کے حالات ایسے ہی پریشان کن رہے۔ ٹرینیں تک کاٹ دی گئیں۔ قافلے کے قافلے شہید کر دیے گئے۔ جو زندہ بچے وہ پاکستان پہنچے۔



غیر مسلموں کے تاثرات

ایک ہندو مصنف "دھنوتری" پنجاب کی غونی داستان جس کا ترجمہ حکیم سید اختر حسین ہاشمی نے کیا ہے لکھتا ہے۔ مشرقی پنجاب میں مسلم اور مغربی پنجاب میں ہندو سکھ اقلیتوں کو نیست و نابود کرنے کی منظم جنگ اور مشرقی پنجاب میں اکالیوں کے شہیدی دل اور ہندو بسھا کے راشٹریہ سیکھ اور مغربی پنجاب میں قومی محافظین ان دستوں کو بدترین مظالم ڈھانے اور سیہ کارانہ افعال کا ارتکاب کرنے میں نہ صرف پولیس اور فوج نے عملی امداد دی بلکہ سکھ ریاستوں کے حکمرانوں نے بھی ساتھ دیا۔ برطانوی سامراجیوں کی حکمت عملی اور ان کے منصوبوں اور اہلیسانہ فراست کا مشاہدہ مسلم لیگ کی تحریک بول نا فرمانی جو مسلم قومی محافظین کے دستوں کو غیر قانونی قرار دینے کی وجہ سے شروع ہوئی تھی حکومت کے حکم تیغ کے باوجود اس نظریہ کے تحت برقرار رہی کہ اس کے ذریعے حضرت کانگریس وزارت پر دباؤ ڈالا جائے۔

اپریل کے ۲۰ فروری ۱۹۴۶ء والے اشتعال انگیز اعلان کے فوراً ہی بعد جس کے ذریعے تقسیم ہند کی بنیاد ڈال دی گئی تھی گورنر جنرل نے خضر حیات خاں جو تمام عمر برطانیہ کا قابل اعتماد وزیر بنا رہا تھا یہ خواہش ظاہر کی کہ استعفیٰ

دے کر راستہ صاف کر دے۔ اس اعلان سے مسلم لیگیوں کو تشکیل وزارت کی لگن اور دوسری طرف اکالی سکھوں اور ہندوؤں کے لیے کدورت پیدا کی۔ امرتسر میں لاتعداد مسلمانوں کو سکھوں نے چوک پراگ داس میں قتل کیا۔ اس کے بعد ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو پنڈی کے اطراف میں ہنگامے شروع ہو گئے۔ عوام لوٹ مار، آتش زنی اور ناقابل بیان مظالم کا ارتکاب کر رہے تھے۔

ایک موقع پر راولپنڈی کے ہنگامہ کے موقع پر میکڈانلڈ کا بیان ۱

”فکر مند مت ہو۔ یہ فوراً ہی اپنے مصائب بھول جائیں گے جب مغربی اور مشرقی پنجاب میں اپنے ہم مذہبوں

کو مسلمانوں سے اپنا انتقام لیتے ہوئے دیکھیں گے۔“

پھر کیا ہوا۔ انتقام لینے کا پراپیگنڈہ شروع ہو گیا۔ دیہاتوں میں شہیدیوں کی تشکیلیں شروع ہو گئی۔ اس کے لیے مسلح افواج کے لیے جیب گاڑیاں اور موٹر ٹرک فراہم کیے گئے۔ اس کام میں ان کی امداد و اعانت نہ صرف پنجاب کے سکھ حکمرانوں (فریڈ کوٹ اور پٹیالہ) نے کی بلکہ ضلع امرتسر میں بڑے بڑے زمینداروں مثلاً خاندان مجیٹھ اور راج ہنس کے ہر مہندر سنگھ نے ہر قسم کی مدد دی۔ امرتسر کا روڑتی باوا گر مکھ سنگھ اور پنجاب کارٹیس گوکل چندرا شریہ سیک کا قائد ایک پُرانا فرقہ پرست راستے بہادر بدری داس تھا۔

پٹیالہ نے راولپنڈی کے پناہ گزینوں کے لیے اپنی ریاست میں ایک بڑا کیمپ قائم کیا۔ سرمایہ داروں نے تقریباً آٹھ کروڑ روپے پٹیالہ کے سرکاری بینک میں جمع کرائے۔ فیروز پور میں مہاراجہ فریڈ کوٹ نے اکالی دستوں کو متعدد جیب گاڑیاں فراہم کیں اور اسلحہ فراہم کیا۔ ایک طے شدہ منتظم منصوبے کے تحت تقریباً دو لاکھ مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ اس وقت ۳۶ لاکھ ہندو اور سکھ مغربی پنجاب میں اور ۴۴ لاکھ پرستار ان اسلام مشرقی پنجاب میں آباد تھے۔

ایک ہندو مصنف کرن داس کوہلی تھا اپنی کتاب ”نومہا پرش“ میں تقسیم ہند و پاکستان کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ایسے ہی ایک گاؤں کے بعد دوسرے گاؤں کو تباہ کر دیا؛ چنانچہ ان حملوں کا پہلا نشانہ بہترین تارن اور مجیٹھ نامی گاؤں امرتسر میں تباہ و برباد ہو گئے۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو قتل و غارت کی یہ گرم بازاری اپنے غمناک کمال کو پہنچ چکی تھی۔ پولیس اور انتظامیہ ٹونکے کی چوٹ آن کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس برستی آگ نے گورداسپور اور نواح اضلاع کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ۴ اگست ۱۹۴۷ء کو میجر جنرل ریس نے جو ”شکر حد بندی“ کا سپہ سالار تھا بمقام لاہور صحیفہ نگاروں کی ایک کانفرنس منعقد کی اور اس کانفرنس میں اعلان کیا کہ میرا شکر نہ صرف ”غیر جانبدارانہ حیثیت کا حامل“ بلکہ جوار بھی ہے اور اس کا تمام ترکمان برطانوی عہدہ داروں کے ہاتھوں میں ہے۔ جب کوئی فوج کسی فریضہ کی انجام دہی

پر مامور کی جاتی ہے تو وہ اپنے فرائض کا کامل احساس رکھتی ہے۔ مزید برآں اس نے اس امر کا بھی اظہار کیا کہ گو ہماری فوج عمدہ داروں اور انتظامی سے عمل کرے گی، لیکن ہمیں اس کا بھی اقتدار حاصل ہے کہ اپنے فرائض آزادانہ حیثیت سے انجام دیں یہ فوج "مارشل آگنٹس" سپہ سالار اعلیٰ کی راس نگرانی میں ہے۔ انگریزوں نے نہ صرف اپنے فرائض کو یک لخت فراموش کر دیا تھا بلکہ ایک عظیم واحد قوت کی حیثیت سے یہ سارے صوبے میں تباہی و بربادی کا ممد و معاون ثابت ہوا۔

شہیدی دل راشٹر پر سیوک سنگھ اور قومی محافظین کے مسلح دستے کھلے بندوں اپنے تخریبی اعمال میں مشغول ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی نہیں روکا گیا۔ اور ظلم اپنے انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ حتیٰ کہ آج ہر پنجابی کی زبان پر یہ ضرب المثل ہے کہ سکھ دستوں کا برطانوی کمانڈر اکالی بن گیا اور ہندو مسلم دستوں کی کمان کرنے والا ماسجھائی یا مسلمان "مسلم پناہ گزیں جو امرتسر سے بھاگ کر لاہور میں پناہ ڈھونڈنے آئے تھے، ہندو ڈوگر فوج نے چن چن کر ختم کیا۔ ۱۳-۱۴ اگست کو تین چار ہزار افراد نے اپنی جانیں قربان کیں۔ اس کے علاوہ دیگر اضلاع میں بے پناہ خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ یہ مسلح دستے شراب کے نشے میں بدمست اور انسانی خون کے پیاسے اپنے شکار کی تلاش میں گشت لگائے ہوتے تھے۔ اور ہندو سکھ پولیس نیز "شکر بندھی" کی عملی امداد سے مسلمان پناہ گزینوں پر بھونکے بھینٹوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے۔ سینکڑوں مسلم خواتین کی عصمت دری کی گئی اور ان کا اغوا کیا گیا۔ ایک مرتبہ مسلم خواتین کی ایک جماعت کو سر سے پاؤں تک برہنہ کر کے امرتسر کی شاہراہوں پر گشت کرایا گیا۔

ابھی تقسیم ہند کی باتیں عوام میں ہو رہی تھیں۔ مسلمان قوم اپنی آزادی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبہ صدارت اللہ آباد میں ہندو سیاسی شریپندوں کی توجہ بٹا کر مسلم لیگ کے رہنماؤں اور قوم کو جمہوریت و آزادی کی طرف توجہ دلائی۔ ہندو شریپند اخباروں نے مسلم لیگ کے اظہار آزادی کا نوٹس لیا۔ وہ تو جانتے تھے کہ ہندوستان کو آزادی ملے۔ اب اس آزادی کے پردے میں مسلمان مسلم لیگ رہنماؤں نے مسلم آزادی کی سعی و کوششیں شروع کر دیں۔ ہندو قوم دل سے نہیں چاہتی تھی کہ ہندوستان کا بٹوارہ ہو جائے اور اس بٹوارے میں مسلمان بھی آزاد ہو جائیں۔ اخباروں میں اس کے متعلق کافی لے دے ہوئی۔ ہندو رسائل و جریڈوں میں بھی ہندو اہل قلم شریپندوں نے پاکستان کے متعلق دل کھول کر مخالفت کی۔ شعراء نے اپنی بد فطرت ذہنیت سے مجبور ہو کر شعر کہے۔ ایک ہندو شاعر تلوک چند محروم نے مندرجہ ذیل رباعی پاکستان کی مخالفت میں مشہور ماہنامہ جریدہ "زمانہ" کانپور میں چھپوائی۔

تقسیم وطن چہ فتنہ عریاں است ایں شیوہ افتراق و شر سامان است
پاکستان است اندروں، دوزار تو کہ ایں رہ کہ میروی بہ ترکستان است

مگر اس کے مقابلے میں تحریک پاکستان کے حامی جیالے مسلمان شاعروں نے مسلم لیگ کو منظم اور مضبوط رکھنے کے لیے نظمیں لکھیں۔ یہاں تک کہ اس وقت کے رسالوں، جریدوں اور اخباروں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جو مندرجہ ذیل ہے۔

مسلم لیگ کا ترانہ

اسلام کا جھنڈا لہرا کر ایمان کا جذبہ پیدا کر
بنت خانہ کی راہ نہ دیکھا کر کبے کی طرف منہ اپنا کر
مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

ظلمت نے جو کفر کی آگھیر ایک شمع جلا کے لگا پھیرا
منزل پہ پہنچ کے جما ڈیرا محفل بوتیری ساقی تیرا
مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

باطل پر اڑے ہیں کانگریسی، کرتے نہیں حق کی دلوری
کچھ اور ہے ان کے جی میں سب، ہاں چھوڑے انکی ہم نفسی
مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

شفیق (آفتاب جنوری فروری ۱۹۳۹ء)

احسان کا بھنڈا ہاتھ میں لے ایمان کا ڈنڈا ہاتھ میں لے
اسلام کا جھنڈا ہاتھ میں لے پھر ساری یہ دنیا تیری ہے

مسلمانوں کو رواد نچا خدا کے نام کا جھنڈا
تھیکا دو سامنے تم لیگ کے برابر پرچم کو
منظم ہو مسلمانو نہیں ہے وقت سونے کا
مسلمانوں سنبھل جاؤ ذرا بوشیار ہو جاؤ
قدم ہو راہِ حق میں ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا
مشادو حق پرستی پر خیالِ خام کا جھنڈا
کرو مضبوط مسلم لیگ کے احکام کا جھنڈا
لگائے کانگریس ہر سو ہے اپنے دام کا جھنڈا

سن لو سن لو یہ فریاد۔ بگڑی قوم کی ہے روداد اس پر غیروں کی بیداد۔ کردو اس جملہ پر ساد
مسلم لیگ زندہ باد۔ زندہ باد، زندہ باد

لیگ کے سب ممبرین جاؤ۔ اسلامی پرچم لہراؤ۔ سوئے ہوئے بھائی کو جگاؤ۔ پھر سب مل کر گاؤ۔

مسلم لیگ زندہ باد۔ زندہ باد، زندہ باد

لیگ کا دامن تمام لوہ پیارے، یکجہتی سے کام لو پیارے وحدت کا اک جام لو پیارے جوش سے پھر یہ نام لو پیارے

مسلم لیگ زندہ باد۔ زندہ باد، زندہ باد

(آفتاب - ۱۹۳۹ء)

پاکستان کے حامی

مسلمان ہو چکے ہیں دل سے پاکستان کے حامی بہت نزدیک ہیں منزل سے پاکستان کے حامی
مقابل کون آسکتا ہے تیسری حق پرستی کے نہ گھبرا غلبہ باطل سے پاکستان کے حامی

پاکستان والے ہیں

انوکھی تان والے ہیں نرالی شان والے ہیں یہ اپنی دُھن کے پتے لوگ ہیں ایمان والے ہیں
پکار اٹھتے ہیں مسلم لیگیوں کو دیکھنے والے یہ پاکستان والے ہیں یہ پاکستان والے ہیں

عجب ہشیاری و متی ہے پاکستان والوں کی سبھی واقف ہیں کیا ہستی ہے پاکستان والوں کی
وہ دن نزدیک ہے جب سب پکھل جائیگا یہ عقدہ ارے پنجاب اک بستی ہے پاکستان والوں کی

ضیاء بخش دل و جاں صاحب ایمان کی صورت وہی قرآن کی عظمت وہی قرآن کی صورت
مسلمانوں کی ہستی کا بھرم اللہ رکھے گا حقیقت آئینہ کر دے گی پاکستان کی صورت

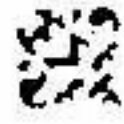
کہوں کیونکر کہ خود قرآن ہے قرآن کا مطلب کوئی کفر آشنا کیا سمجھے گا کیا ایمان کا مطلب
مسلمانوں کی پاکینہہ تمناؤں کا گوارہ بجائے خود ہے پاکستان پاکستان کا مطلب !

خدا چاہے تو ہر مشکل تری آسان ہو جائے تیری پہچان کا قائم "نیا عنوان" ہو جائے
 نئے عنوان سے قائم تیری پہچان ہو جائے تیری قربانیوں کا نام "پاکستان" ہو جائے

(ماہنامہ خاتون لاہور ۱۹۴۴ء)

تمنا تے ترقی میں یہ احسان کر کے چھوڑیں گے ہم پاکستان پر اپنی جان قربان کر کے چھوڑیں گے
 جگر کے خون سے پالیں گے بوٹے باغ احمد کے ہر اسلام کا اک دن گلستان کر کے چھوڑیں گے

ہفتہ وار "خاتون" ۱۹۴۴ء



صوفیائے کرام کا اعلانِ حق -۱-

مسلم لیگ کی حمایت میں حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ جو مسلم لیگ میں شامل نہ ہو اور
 مرجائے تو ان کے مرید ایسے شخص کا جنازہ بھی نہ پڑھیں۔ اور اس طرح حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں آستانہ عالیہ
 اجیر شریف نے ارشاد فرمایا کہ مسلم لیگ نے حصولِ پاکستان کے لیے انتخاب لڑنے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان
 دل و جان سے مسلم لیگ کے ساتھ ہو جائے۔ حضرت پیر لادے حسین شاہ سجادہ نشین گلبرگہ شریف دکن نے فرمایا۔ صرف
 مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی جماعت ہے۔ مولانا حافظ خواجہ غلام سدید الدین سجادہ نشین تونسہ شریف بذریعہ خاص ارشاد
 فرمایا کہ مریدین باصفا اور تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ حضرت سجادہ نشین دربار پاک پن کا ارشاد ہے
 کہ مسلمانوں کے ووٹ کے حقدار صرف مسلم لیگ نمائندے ہیں۔ مولانا الحاج سید شاہ غلام محی الدین چشتی نظامی سجادہ نشین
 گولڑہ شریف نے فرمایا کہ اے مسلمانو! اس معرکہ حق و باطل میں مسلم لیگ کا ساتھ دو۔ مولانا حافظ شاہ محمد قمر الدین چشتی نظامی
 سجادہ نشین سیال شریف کا فرمان ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب تک پاکستان میں مسلم لیگ کا ساتھ دے۔ حضرت مولانا
 سید فضل شاہ امیر حزب اللہ جلال پور شریف کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! وحدتِ ملت کو قائم رکھو اور مسلم لیگ کا ساتھ دو۔
 ہزراتی نس سرآغا خاں نے اپنے لاکھوں مریدوں کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے کی تاکید کی تھی۔

"خاتون" ۱۰ دسمبر ۱۹۴۵ء



ان کی دُعاؤں کی لکڑی، ان کی دعاؤں کی لکڑی، ان کی دعاؤں کی لکڑی

مختصر سے لکڑی کافی ہے، یہ سب مانجھتے
(علامہ اختر الہامی)

کہاں چھپے ہیں جو کج رو کو رشتہ جنتیں
کہاں گئے جہنمیں اہل جمال کہتے ہیں!

اعجاز جیلانی شروانی

۲۰۰۰ء

کتبہ، علی احمد صاحب شہیدی لاہور

پاکس خاطر، عیال بھٹ، نواز صاحب کراچی پبلشرز

حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صابریؒ

خلقت العلماء من صدی وخلق السادات من صلبی وخلق الفقراء من نور الله تعالى (الحدیث)
یہ حدیث پاک ان بزرگان دین کے متعلق ہمارے سرکارِ دو عالم والی دوا رت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی
ہے جس کا ترجمہ اس طرح سے ہے کہ علماء میرے سینے سے، سادات میری پیٹھ سے اور فقراء انوارِ الہی سے پیدا ہوتے۔ ایک
اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تخلیق زمین کی مٹی سے کی اور فقراء بہشت کی مٹی سے پیدا کیے،
اس لیے فقراء ہمیشہ بے حرموں، بے حسد اور بے ریا ہوتے ہیں۔ "الفقراء لا محتاج الی اللہ" فقراء اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے
محتاج نہیں ہوتے۔ اور جو لوگ ان بزرگوں اور صالحین و صادقین کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لیے قرآن پاک میں
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يا ايها الذين آمنوا كوفوا مع الصادقين (اے ایمان والو! صادقین کی معیت میں رہو)

ایک اور حدیث پاک میں ارشاد نبویؐ ہے کہ حب الفقراء حب الرحمن "فقراء کی محبت اللہ پاک کی محبت ہے" تو
ایسے ہی بزرگان دین میں سے جن کا ذکر کیا جا رہا ہے، آپ کا اسم گرامی خواجہ خواجگان خواجہ محمد دیوان چشتی صابری تھا آپ
کی ولادت باسعادت کی کہانی کچھ اس طرح سے ہے۔ آپ کے والد ماجد جن کا نام نامی لالہ پوہورام تھا، ایک بندورا چوت
خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے دور کے ایک مشہور و معروف اور یگانہ روزگار زرگر تھے۔ نہایت ہی ایمان داری سے
کام کرنے کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں روپے کا کاروبار رکھتے تھے۔

آپ کی سکونت بمقام کا منتھاں نزد دو سو بہرہ ضلع ہوشیار پور (بھارت - پنجاب) میں تھی۔ لالہ پوہورام کی اولاد میں
صرف تین لڑکیاں تھیں۔ ان لڑکیوں کے بعد کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی اور اسی وجہ سے لالہ پوہورام کے دل میں یہی ایک
آہ و سہاٹی رہتی تھی۔ اور اکثر پنڈتوں، سادھوؤں اور مسلمان درویشوں کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نرینہ اولاد کے لیے
دُعائیں کرواتے۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کی بیوی مائی دیوی دیال اپنے پڑوس میں سائیں رحمت علی کے گھر گئیں تو دیکھا کہ

گھر کے اندر خوب صفائی ہو رہی ہے اور برتن صاف کیے جا رہے ہیں۔ استفسار کرنے پر پتہ چلا کہ ان کے گھر میں حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی جناب غوث الاعظم جیلانی کا ماہانہ ختم شریف ہر ماہ چاند کی گیارہویں کو نہایت محبوب و احترام کے ساتھ منعقد پذیر ہوتا ہے۔ مانی صاحبہ اس اہتمام سے متاثر ہوئیں اور کہا کہ اگر اس محفل پاک میں کوئی غیر مسلم شمولیت کرنا چاہے تو۔ انہوں نے کہا کہ ہاں بصد شوق کر سکتا ہے، لہذا مانی صاحبہ اور لالہ پوپلورام نہایت عقیدت مندی سے ختم شریف میں باقاعدگی سے دامے درمے، قدمے اور منحنے حصہ لیتے رہے۔ آخر کار وہ دن آیا ان بزرگوں کے طفیل تمناؤں کی کلیاں پھول ہونے لگیں۔

ایک دن ایک درویش مجذوب صفت سر اور پاؤں سے برہنہ ہاتھ میں اہنی چھڑی اور لبا کرتہ پہنے ہوئے دوسوہ اور کانتھال کے بازاروں میں سیاحی کرتے ہوئے تشریف لائے۔ اچانک لالہ پوپلورام کی نظر اس درویش پر پڑ گئی۔ وہ آپ کو کشاں کشاں عرض معروض کرتے ہوئے اپنے غریب خانے تک لے آئے۔ کھانا کھلایا۔ اس کے بعد مانی صاحبہ اور لالہ پوپلورام نے ہندو دھرم کے طریقے پر نمسکار کیا اور نرمیہ اولاد کی خواہش ظاہر کی، جس پر آپ نے بڑی کراہی اور دُعا قبول ہوئی۔ کہتے ہیں کہ اس درویش کو عوام "پیروریانی" کے نام سے پکارتے تھے۔ اُس کے ایک سال بعد لالہ پوپلورام کے گھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا فرزند ارجمند عطا فرمایا جن کا شمار اکابرین میں ہوتا ہے۔ اس فرزند ارجمند کی ولادت باسعادت پر لالہ پوپلورام نے دو گائیں پنڈتوں کو دان کیں۔ اس کے علاوہ مندروں، گوردواروں، مسجدوں وغیرہ کو بطور عطیات روپیہ پیسہ تقسیم کیا اور غریب غریبا کو بھی خیرات تقسیم کی۔ نومولود جب تین دن کا ہو گیا تو اُس نے اپنی ماں کے شیر کو نوش نہیں فرمایا جس سے والدین کی خوشی پریشانی میں بدل گئی۔ حکیموں، پنڈتوں کو بلوایا گیا۔ علاج معالجہ کیا گیا، مگر پریشانی کسی طرح کم نہ ہوئی۔ لالہ صاحب کے پڑوس میں ایک سید صاحب جن کا نام سید غلام احمد جو حافظ قرآن پاک تھے، رہتے تھے، بچے کی ولادت کا سن کر لالہ صاحب کے گھر تشریف لائے اور نومولود کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار کر کے بچے کی ساری کیفیت بیان کی۔ سید غلام احمد صاحب نے طفل نومولود کو طلب کر کے ایک نظر دیکھا۔ پھر پریشانی کو بوسہ دیا۔ پھر دونوں کالوں میں آذان و تکبیر پڑھ کر سنائی اور نیک و صالح ہونے کی دُعا فرمائی۔ پھر سورہ فاتحہ ایک کاغذ پر تحریر کر کے فرمایا کہ پانی یا عرق گلاب میں اس نقش کو گھول کر چند روز تک نوش کروائیں۔ انشاء اللہ جلد ہی صحت کئی ہو جائے گی۔ اس کے بعد حافظ صاحب گھر تشریف لے آئے اور آتے ہی اپنی اہلیہ سیدہ رحمت بی بی سے فرمایا کہ پڑوس میں لالہ پوپلورام کے ہاں ایک بہت حسین و جمیل بچے نے جنم لیا ہے مگر وہ اپنی والدہ صاحبہ کے شیر کو نوش نہیں کرتا، لہذا تم جاؤ شاید تمہارے جانے پر کوئی بات بن جائے۔ جب سیدہ رحمت بی بی لالہ پوپلورام کے ہاں تشریف لے گئیں اور مانی صاحبہ نے اس بانصیب حسین و جمیل بچے کو گود میں لیا تو جویش و جذبہ ماوری سے مانی صاحبہ کے پستانوں

سے دودھ بننے لگا جس پر اس بانصیب بچے نے مائی سیدہ صاحبہ کا شیر نوش فرمایا اور پھر کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مائی صاحبہ کو بھی بچے سے انس و محبت پیدا ہو گئی تھی، جہاں تک کہ زمانہ شیرگی تک مائی صاحبہ کا ہی شیر نوش فرماتے رہے اور بچے کی پرورش ہوتی رہی۔ ایک دن والدین نے اپنے دھرم کے مطابق دن مقرر کر کے تمام ہندو بھاری کو بلوایا۔ کھانے کا اہتمام کیا گیا اور اس شبہ گھڑی میں مہورت نکال کر شبہ نام "دیوان چند" رکھا گیا۔

چار سال کی عمر میں دیوان چند کے والد ماجد لالہ پوہورام کا انتقال ہو گیا اور آپ یتیم ہو گئے اور پھر چھ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کا بھی سر سے سایہ اٹھ گیا۔ اور پرورش کا تمام بوجھ آپ کے چچا لالہ آتمارام نے اٹھایا۔ گھر میں رہتے ہوئے حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ آپ کی چچی پریمی "آپ سے نفرت کرنے لگی۔ آپ تمام دن مسلمان بچوں کے ہمراہ کھیل کود میں مشغول رہتے اور جب بھوک پیاس پریشان کرتی تو آپ مائی دولال کے گھر چلے جاتے اور کھانا تناول کرتے اور کبھی کبھی چچا لالہ آتمارام کی دوکان پر بھی چلے جاتے۔ اُن کے حقے کی حلیم بھرتی اور حسب توفیق خدمات سرانجام دیتے تھے۔

نودس برس کی عمر میں آپ مسلمان بچوں کے ہمراہ مسجد میں چلے جاتے اور حافظ سید غلام احمد خطیب مسجد سے قرآن پاک کا درس لیتے اور نماز پڑھنے کی تعلیم و تربیت حاصل کرتے۔ شدہ شدہ ایک دن میردین حجام سے لوگوں کی نظریں بچا کر نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کر لیا اور ختنہ کروا لیا۔ آپ کی تعلیم و تربیت صرف پرائمری کلاسوں تک محدود رہی، وقت گزرتا گیا۔ جب آپ کی عمر چودہ سال ہو گئی تو ایک عجیب متی و کیفیت سے سرشار سر اور پاؤں برہنہ ایک لمبا کرتا پہنے ہوئے اور مزاج میں کسی قدر خاموشی سی رہنے لگی۔ جب کبھی کیفیات میں مزید اضافہ ہو جاتا تو جوشِ محبت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف پڑھتے جس سے آنکھیں پُر نم ہو جاتیں۔

ایک دن آپ کے چچا آتمارام نے ایسی حالت دیکھ کر سخت سست کہا اور کہا کہ تو اپنا دھرم چھوڑ کر مسلمان ہوا چاہتا ہے اور آپ کو پکڑ کر گرو "رامانا تھ" جس کی رہائش دوسو ہر شہر کے بظرف مشرق ایک تالاب پر تھی جس کو چھانیاں والا تالاب کہتے تھے، پر لے گیا اور گرو سے کہا یہ بچہ تمام دن مسلمان بچوں کے ہمراہ کھیل کود میں مشغول رہتا ہے اور اکثر مسجد میں جا کر انہیں کے طور طریقے پر عبادت و ریاضت کرتا ہے، لہذا میں آپ کے پاس لایا ہوں تاکہ اس کو منع کریں، مگر گرو رامانا تھ نے بھی اس کے برعکس لالہ آتمارام کو سختی سے منع کرتے ہوئے کہا کہ اس بچے کا نچتر عروج پر ہو گا۔ لہذا تم اور سب اس کے ساتھ محبت کرو۔ ایک دن چچا آتمارام نے کہا کہ "دیوان چند" تمہارے والد نے ہزاروں روپے لوگوں کو بطور قرضہ دے رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری جائیدادیں ہیں۔ اپنا انتظام تم خود ذمہ داری سے سرانجام دو۔ جب ذرا سیمانے ہو جاؤ گے تو تمہاری شادی کر دی جائے گی۔ اُس وقت آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ تمام کاغذات و اثاثہ چچا سے لیے اور اُن پر تحریر کر دیا۔ "میں نے قرضہ وصول کر لیا"

جدی جاں نیاں میں سے ایک مکان چچا آتمارام کے نام ہسبہ کر دیا۔ ایک مکان جناب سید حافظ غلام احمد جن سے قرآن پاک کا درس لیا تھا۔ ہسبہ کر دیا۔ ایک مکان اور ایک دوکان سلطان محمد ذیلدار کے نام ہسبہ کر دی اور خود ذیلدار صاحب کے دیوان خانہ میں رہائش کر لی۔ ذیلدار سلطان محمد کی رہائش کا منتہاں میں تھی جو بڑے ہی عالم فاضل اور صاحب ذوق تھے۔ ایک دن دیوان چند نے ذیلدار سلطان محمد خان کے ذرائع سے مسجد میں اعلان کر دیا کہ میں یعنی دیوان چند نے مذہب اسلام قبول کر لیا ہے اور اسلامی نام دیوان چند سے "دیوان محمد" رکھا گیا ہے۔ ویسے روحانی طور پر تو آپ مسلمان تو تھے ہی۔ اب شریعت کے مطابق آپ نے سرعام مسلمان کا دعویٰ کر دیا۔ جیسے ہی یہ اعلان ہوا آپ کے عزیز واقارب اور دیگر ہندو برادری نے ذیلدار سلطان محمد خان کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ ذیلدار صاحب نے ہمارے نابالغ بچے دیوان چند کو ورغلا کر مسلمان کر دیا ہے۔ اور یہ خبر اس دور کے ہفت روزہ اخبار "سراج الاخبار" میں شائع ہو گئی جس کا عنوان مندرجہ ذیل تھا:

"چوہدری سلطان محمد خان ذیلدار نے جو بڑے خلیق اور بہرہ و عزیز ہیں ان کی سعی سے ایک زرگر ہندو لڑکا مسلمان ہو گیا۔"

دوسوہہ ضلع ہوشیار پور

(سراج الاخبار صفحہ نمبر ۵ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۸۹۴ء)

عدالت نے ذیلدار صاحب اور دیوان چند کو مع فریقین سمن جاری کر دیے۔ مقررہ تاریخ پر جب عدالت میں دونوں فریقین حاضر ہوئے۔ ہندوؤں کے دلائل سننے کے بعد جب مسلمانوں کی باری آئی تو دیوان چند نے عدالت کے روبرو صاف بیان تحریر کر دیا کہ میں نے باہوش و حواس برضا و رغبت مذہب اسلام قبول کیا ہے، اس میں میرے ہندو عزیز واقارب کو میرے ذاتی معاملات میں دخل در انداز ہونے کی ضرورت نہیں، لہذا اس بیان پر مقدمہ خارج ہو گیا۔ اس کے بعد دیوان محمد کچھ کچھ بے قرار و بے چین رہنے لگے۔ ایک دن چوہدری سلطان محمد خان نے اس بے قراری کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کسی کامل مُرشد کا دامن پکڑ لوں تاکہ میرے دل کو روحانی سکون مل جائے۔ آپ تقریباً تین سال تک ذیلدار صاحب کے دیوان خانے میں رہے۔ جب کسی کامل شخصیت کا پتہ چلتا کہ فلاں جگہ کوئی درویش رہتا ہے، وہاں پر تشریف لے جاتے۔ سب سے پہلے آپ حافظ رحمت علی رنگرنی کی وساطت سے حضرت سرکار سید حسین شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ جن کا دربار پاک دوسوہہ شہر کے شمال مغرب کی طرف واقع تھا۔ اپنے دورِ عصر کے ایک عالم محدث اور ولی کامل تھے۔ گرد و نواح کے ہزاروں لوگ آپ کے عقیدت مند تھے، کی خدمت اقدس میں تشریف لے گئے اور اپنی آمد کا مقصود بیان کیا مگر شاہ حسین قادری نے پہلی ہی نگاہ میں بھانپ لیا اور فرمایا کہ دیوان محمد آپ اس وقت اونچی پرواز میں ہو۔ ہماری اتنی طاقت نہیں کہ آپ کے بوجھ کو اٹھاسکیں، لہذا تمہارا فیض روحانی ہمارے پاس

نہیں ہے۔ کسی دوسرے صاحب درویش کے پاس جاؤ۔ اور تم اپنا زلی حصہ تلاش کرو۔ پھر حضرت شاہ حسین قادری سے اشارہ پا کر حضرت مائی بھاگن شاہ کے پاس تشریف لے گئے جو کہ مکیریاں میں رہائش پذیر تھیں اور وہ اپنے دوڑیں ابدال کے مرتبہ پر تھیں۔ حضرت دیوان محمد کو دیکھ کر مسرت سے اچھلنے کودنے لگیں اور زبان مبارک سے فرمایا "آوے دیوانیا، توں ایٹھے کیوں آیا ایں" آپ نے دست بستہ عرض کیا کہ میرا یہاں آنے کا مقصود مرشد کامل کی تلاش ہے۔ بقول مولانا روم،

بر در درویش رو ہر صبح و شام تا ترا حاصل شود مطلب تمام
ہر کہ مقبول است درویش از نظر شد مراتب او ز بالا عرش بر
ہر کہ شد مقبول — حق ہست او لطف خدا را مستحق

جب مائی صاحبہ نے آپ کی آمد کا مقصود سنا تو فرمانے لگیں کہ میرا ایک بھائی حافظ کرم بخش چشتی صابری ہوشیار پور میں مقیم ہے۔ آپ اس کے پاس جائیں وہاں تمام قلبی مقاصد حاصل ہو جائیں گے، لہذا آپ چالیس میل کا راستہ پیدل طے کر کے ہوشیار پور پہنچے۔ ان دنوں آپ روزے رکھتے تھے۔ جب آپ حافظ کرم بخش چشتی صابری کی خدمت اقدس میں پہنچے تو آپ کسب معاش میں رنگریزی کا کام کرتے تھے۔ خواجہ محمد دیوان کو دیکھ کر فرمانے لگے، اگر آپ نے کوئی کپڑا وغیرہ رنگوانا ہے تو بتاؤ ورنہ چلے جاؤ۔ آپ یہ حکم سن کر دوکان سے باہر نکل کر بیہوش ہو کر گر پڑے۔ راہ چلتے لوگوں نے آپ کو اٹھایا آپ وہیں کھڑے رہے، شام کو قبرستان کندن شاہ چلے گئے اور رات گزار کر پھر حافظ صاحب کی دوکان کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ جب آپ کو اسی طرح صبح سے شام کرتے کرتے بہت دن گزر گئے تو ایک دن دریائے رحمت جوش میں آگیا۔ حافظ سرکار پاک نے آپ سے استفسار کیا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ آپ نے دست بستہ عرض کی کہ میرا نام محمد دیوان ہے۔

محمد دیوان صاحب کی آمد کا مقصود سن کر سلسلہ عالیہ چشتیہ، بابریہ میں مشرف بیعت فرمایا۔ کچھ دن پر مرشد کی خدمت اقدس میں رہ کر واپس دوسوہر تشریف لے آئے اور موضع ہرود تھلے تشریف کے نزدیک ایک جھونپڑی بنالی۔ تقسیم ہند سے پہلے وہاں پر اسلامیہ ہائی سکول واقع تھا۔ یہ اراضی دوسوہر کے پٹھانوں کی تھی۔ وہ اراضی دو حقیقی بھائیوں کی تھی۔ ان پر قتل کا مقدمہ بن چکا تھا۔ دونوں برادر سرکار پاک خواجہ محمد دیوان چشتی صابری کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا اللہ فضل کرے گا مگر نماز کی پابندی کرنا۔ لہذا جب وہ عدالت میں پیش ہوئے تو وہ باعزت طور پر بری ہو گئے۔ اس کے دوسرے دن وہ دونوں بھائی سرکار کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ حکم کریں تو یہ اراضی جہاں جھونپڑی ہے آپ کے نام ہبہ کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے جائیدادیں نہیں چاہئیں۔

انہی دنوں آپ کی ہمیشہ درویشی اور بہنوئی شورام جو کہ قصبہ گڑھ دیوالہ میں رہتے تھے۔ آپ کی درویشانہ روش اختیار کرنے کی خبر سن کر آئے اور دونوں پریشان ہوئے۔ آپ نے انہیں دس روپے دے کر رخصت کرتے ہوئے فرمایا جس سرکار

دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن میں نے پکڑا ہے اُس کو تا ابد نبھاؤں گا۔ تمہارا اور ہمارا تعلق رشتہ داری کا ختم اور آئندہ آنے کی زحمت نہ کرنا۔ اس کے بعد وہ کبھی نہیں آئے۔

سرکار حافظ کرم بخش رحمۃ اللہ علیہ نے سرکار خواجہ محمد دیوان چشتی صابریؒ کی کمر میں ایک آہنی زنجیر کس کر باندھ دی تھی۔ نسا گیا ہے کہ وہ زنجیر چھتیس سال کے بعد خود بخود ہی گھس گھس کر کمر سے اتر گئی۔

”فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمتہ“ (دانشمند کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا) مُرشدِ کامل اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاکم ہوتا ہے اور اپنے مریدین کی پرورش و تربیت اس انداز سے کرتا ہے کہ ولایت و جود دارِ السلام رہے اور الملک لمن غالب (ملک اسی کا ہے جو غالب رہے) مُرشدِ کامل طالب اللہ کے وجود میں جو چور ہیں مثلاً نفس، حرص، حسد، شہوت اور غرور و تکبر جو گناہوں کی جڑیں ہیں اُس کی بیخ کنی کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ کو بارہ برس تک روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا گیا۔ حافظ سرکار نے آپ کی کمر میں زنجیر اس لیے ڈال دی تھی تاکہ شہوت کی تمام رگیں مُردہ ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ حافظ سرکار پاک کی خدمت اقدس میں تقریباً پانچ سال تک رہے۔ اور آدابِ شیخ کا خیال یہاں تک رکھتے تھے کہ آپ ہمیشہ حافظ سرکار کے پاؤں ہی دیکھتے رہے اور اپنی نظریں اُوپر نہ اٹھاتے تھے۔

آکھ منہ ناک اور کان سب اونچے اونچے ناؤں

سجھو نیچے کرنے جو پوچھیں جائیں پاؤں

قضاے حاجت کے لیے شہر کی حدود سے دُور نکل جاتے۔

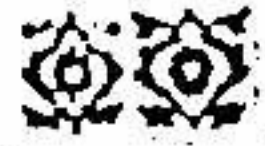
ایک دفعہ سلطان محمد خاں ذیلدار نے آپ کے پاس رحمت علی رنگریز کے ذریعے ایک بوری آٹا، گڑ اور تیل وغیرہ اس نظریے سے بھیجا کہ یہ آپ کے لنگر کے لیے ایک ماہ تک کافی رہے گا، مگر آپ نے ایک ہی دن ان تینوں جنسوں کے پوڑنے پکا کر مخلوقِ خدا کو کھلا دیے۔ بعد میں سلطان محمد خاں ذیلدار نے رحمت علی رنگریز کے ذریعے اطلاع کی کہ میں فقیر کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی ایک حجت تھی وہ ختم ہو گئی۔ میرا اللہ پاک مالک ہے۔ بعد میں آپ نے ہر دو تھیلے شریف میں جا کر ڈیرہ لگا لیا۔ وہاں پر اہل دیہہ نے اراضی شاملات میں سے کچھ اراضی پیش کی۔ اس شاملات میں کچھ حصہ چوہدری شیو داس اور کچھ حصہ پنڈت دھرم داس کا تھا۔ انہوں نے بھی اپنے حصہ سے دست برداری اختیار کی۔ اس اراضی شاملات کے ملحق غلام محمد کی اراضی تھی۔ اُس نے بھی وہ اراضی آپ کے نام پر وقف کر دی۔ پھر اس اراضی میں نتھورام اڑھتی ساکن بنالہ ضلع بنالہ نے ایک چاہ سچتہ تعمیر کرا دیا۔ سرکار پاک کے خدام بابا رستم علی شاہ، سائیں امام دین وغیرہ نے آموں کے باغ اس اراضی میں لگوائے۔ پھر موضع چوٹا بلہ کے سلطان علی خاں نے دربار کے حجروں کی تعمیر کے لیے شہیر اور بالے میتا کیے، جس سے دو سچتہ کمرے اور ایک باورچی خانہ تیار ہو گیا۔

آپ کو ایک دور میں عشق مجازی بھی رہا۔ دوداد کچھ اس طرح سے ہے کہ دوسو بہر کی ایک مائی امام بی بی کے ہاں جناب
 نوٹ پاک کا باقاعدگی سے ختم شریف ہوتا تھا۔ اُس نے سرکار پاک رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دعوت پر مدعو کیا۔ آپ وہاں پر تشریف
 لے گئے۔ اس دعوت میں شیخ نور ماہی کا اکلوتا لڑکا محمد حسین آیا ہوا تھا۔ لڑکا بہت صاحبِ جمال تھا۔ اُسے دیکھتے ہی آپ کو
 اس سے محبت ہو گئی۔ دعوت سے فارغ ہو کر آپ کا منتہاں برودکان رحمت علی رنگریز چلے گئے۔ شب بھر کو نہیں بدلتے
 رہے۔ نیند نہ آئی، صبح ہو گئی۔ سورج طلوع ہوا اور آپ شیخ نور ماہی کے ہاں پھر تشریف لے گئے۔

وہاں جا کر معلوم ہوا کہ محمد حسین قرآن پاک کا درس لینے کے لیے حافظ اللہ دتہ کے پاس گیا ہوا ہے۔ آپ وہاں سے
 حافظ اللہ دتہ کے پاس چلے گئے۔ جب تک محمد حسین وہاں رہا، آپ وہیں تشریف فرما رہے۔ اس کے بعد آپ کا یہ وظیرہ ہو
 گیا کہ آپ ہر روز اس درسگاہ میں چلے جاتے اور کھڑے کھڑے محمد حسین کو دیکھتے رہتے۔ جب محمد حسین پڑھنے سے فارغ ہو
 جاتا تو اُس سے بات چیت بھی کرتے۔ اسی طرح کچھ عرصہ گزر گیا۔ محمد حسین کے والد شیخ نور ماہی کو آپ کی اور محمد حسین کی
 محبت کا حال معلوم ہوا تو وہ آپ کو اپنے گھر لے گئے اور رہائش کے لیے وہیں ایک کمرہ دے دیا۔ آپ تمام دن محمد حسین کی
 خاطر تواضع میں مصروف رہتے۔ کوئی کام اس کی مرضی کے بغیر نہ کرتے اور تمام دن اُس سے جدا نہ ہوتے۔ رات کو آپ باہر
 تشریف لے جاتے۔ رفتہ رفتہ محمد حسین اور سرکار پاک کی محبت کا سارے شہر میں چرچا ہو گیا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر شیخ نور ماہی
 سے کہنا شروع کر دیا کہ اس محبت کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔ تم دنیا دار ہو، تمہارا ایک ہی لڑکا ہے اگر وہ فقیر ہو گیا تو تم کیا کرو گے۔
 اس وجہ سے شیخ صاحب نے آپ سے بے اتفاقی شروع کر دی۔ انہی دنوں اتفاق سے محمد حسین کی نسبت دریا پار موضع
 جلال آباد ضلع امرتسر میں طے پائی۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ سرکار پاک نے بھی برات کے ہمراہ جانے کا خیال ظاہر کیا لیکن
 شیخ صاحب کو پسند نہ آیا۔ شادی کے روز حسبِ معمول جب سرکار پاک باہر سے تشریف لائے تو دیکھا برات روانہ ہو چکی تھی۔
 آپ کو سخت صدمہ ہوا جس کمرے میں آپ رہا کرتے تھے۔ اس کے دروازے کی زنجیر پکڑے پکڑے آب دیدہ ہو گئے۔ محمد حسین
 کو راستہ میں شدت سے بنجار ہو گیا اور دریا پر پہنچتے پہنچتے تمام جسم پر آبلے نکل آئے۔ اس کی خراب حالت دیکھ کر برات واپس
 آگئی۔ دوسو بہر واپس آکر علاج معالجہ میں مصروف ہو گئے، لیکن بجائے آفاقہ کے مرض بڑھتا گیا۔ شیخ نور ماہی کے رشتہ دار
 ہوشیار پور سے حضرت حافظ کرم بخش صاحب کو بھی لائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا خدا ناراض ہو گیا ہے۔
 چند دن کے بعد محمد حسین راہی ملک عدم ہوا۔ سرکار پاک پریشان ہو کر اُن کے گھر سے چلے گئے اور پھر کبھی اُن کے گھر کا
 دروازہ نہ دیکھا۔

یہ واقعہ ہر دو تھلہ شریف کا دربار بنانے سے پہلے کا ہے۔ ایک روز آپ ہر دو تھلے شریف سے گزر رہے تھے وہاں
 موضع بلکن کا رہنے والا حا کونامی ہندو جاٹ دکان کرتا تھا اڑھائی سو ایکڑ اراضی کا مالک تھا۔ گانے بجانے کا شوق رکھتا تھا۔

مزا میر خود تیار کرتا۔ فروخت کرتا، فقیروں کا معتقد اور خود فقیر نش تھا، کی دکان پر بوقت دوپہر گرمی کے موسم میں تشریف لے گئے۔ اس نے عرض کی کہ کچھ دیر آرام کریں اور کچھ تسی پانی نوش فرمائیں۔ آپ نے منظور فرمایا۔ اس کے بعد آپ کا معمول ہو گیا۔ دکان پر جاتے۔ اہل دیہہ بھی ان سے محبت کرنے لگے۔ جوں جوں محبت بڑھی آپ کی آمدورفت بھی بڑھتی گئی۔ ایک روز حاکو جاٹ نے عرض کیا کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو میں تین چار ایکڑ اراضی آپ کے نام ہبہ کر دوں، نیز اس پر ایک مکان بھی تعمیر کرا دوں گا، لیکن یہ پیشکش نامنظور فرمائی۔



ایک دفعہ بوقت شام سرکار پاک حاکو جاٹ کی دکان پر رونق افروز تھے کہ حضرت خواجہ حافظ کرم بخش صاحب بھی تشریف لے آئے۔ شب کو حافظ صاحب نے گانا سننے کی خواہش ظاہر کی؛ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل غزل پیش کی۔

تینوں کتھے ملاں دلدارا کوئی دس ملن دا چارا
عزازیل لٹی میری ہٹی دے گئی بیخ جانوں پٹی دے
ہویا صاف حساب ہمارا تینوں کتھے ملاں دلدارا

آخر شب تک گانا ہوتا رہا۔ بعد ازاں آرام فرمانے لگے۔ جب صبح کو بیدار ہوئے تو دیکھا حضرت حافظ صاحب تشریف لے جا چکے ہیں۔ یہ حالات دیکھ کر سرکار پاک ہوشیار پور روانہ ہوئے۔ وہاں جا کر نہایت عاجزی سے معافی کے طلب گار ہوئے کہ ہم سے حضور کیا خطا ہوئی جو چپکے سے تشریف لے گئے۔ حضرت حافظ صاحب نے خوش ہو کر تشریف فرمائی۔



جب آپ کی عمر تقریباً چوبیس سال تھی تو روحانی ولایت کی خلافت سے سرکار حافظ علیہ الرحمۃ نے نوازا۔ سب سے پہلے بہرہ و تھلہ تشریف کے پیراندرہ اور پھیر سائیں بابا رستم علی شاہ مریدین کی صف میں شامل ہوئے اور دربار پاک میں خدمات بھی سرانجام دینے لگے۔ ویسے آپ کے مریدین کی تعداد ایک ہزار تھی۔ مرید کرنے کے بعد چند نصیحتیں ضرور فرماتے۔ مثلاً نماز روزہ نہ چھوڑنا، جھوٹ نہ بولنا، چغلی نہ کھانا، والدین کی خدمات اپنے اوپر لازم کرنا۔ حلال و حرام کی تمیز رکھنا۔ بعض دفعہ مریدین کو وظائف کی تلقین بھی فرماتے تھے۔

آپ ہمیشہ علی الصبح اٹھتے۔ دیر سے سوتے، نماز فجر سے فارغ ہو کر ڈیڑھ دو گھنٹہ مصلیٰ پر بیٹھے رہتے اور عشاء کی نماز کے بعد بھی عموماً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مصلیٰ پر بیٹھے۔ نماز فجر کے وظیفہ کے بعد بغداد تشریف کی طرف منہ کر کے چند منٹ دست بستہ کھڑے رہتے اور ایسا ہی نماز مغرب کے بعد بھی کرتے۔ دن کے وقت بیکار نہ بیٹھتے، کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے۔ اکثر نعت تشریف کی کتابیں پڑھتے رہتے اور خود نعتیں لکھتے۔

کم خفتن، کم گفتن اور کم خوردن کے درویشی طریق پر قائم رہے۔ آپ کی زندگی کچھ ایسے انداز سے گزری کہ ہر وقت نفس سے برسرِ پیکار رہے۔ دن بھر کبھی پاؤں دراز نہ کرتے۔ اگرچہ دیوار کے ساتھ بیٹھتے مگر سہارا نہ لیتے تھے۔ جو مجاہدات آپ نے اپنائے ہوئے تھے ان کو آخر دم تک نبھایا۔ آپ کا اخلاق باوجود فقر کے بلند مرتبہ پر فائز ہونے پر بہت بلند تھا۔ آپ نے کبھی فقیری کا دم نہ مارا۔ کسی قسم کا امتیازی لباس زیب تن نہ فرماتے۔ مزاج مبارک میں بے پناہ عاجزی اور انکساری تھی۔ اندازِ تکلم ایسا تھا جس سے صاف گوئی ظاہر ہوتی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا تو یہ حال ہے "کپڑے صابونی دال الونی" اپنی تعریف مطلقاً پسند نہ فرماتے۔ اگر کوئی آپ کے حکم کی تعمیل نہ کرتا تو فرماتے کہ "اچھا سائیں لو کاتیری مرضی" عشقِ الہی میں ہمیشہ آنکھیں پُرم رہتیں۔ مریدین پر والدین سے زیادہ شفقت فرماتے۔

آپ کا حسنِ سلوک ایسا دلپذیر تھا کہ ہر کس و ناکس میں خیال کرتا تھا کہ سرکارِ پاک کی محبت سب سے زیادہ میرے ساتھ ہے۔ مہمانوں کی خاطر مدارت بہت زیادہ فرماتے۔ آپ مریدوں کو کھانا کھلاتے، آن کے لیے بستر بچھاتے اور صبح سویرے سب کو جگاتے، جہاں تک ہوتا مہمانوں کو آرام و راحت مہیا کرتے اور اپنے آرام کا کبھی خیال نہ کیا۔ ظاہری تعظیم و تکریم پسند نہ کرتے۔ مہمانوں کی رخصتی کے لیے دُور تک ساتھ آتے، وداع فرماتے وقت بغل گیر ہوتے۔ جب وہ روانہ ہو جاتے کھڑے کھڑے دیکھتے رہتے جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتے آپ شاذ و نادر ہی بیکار بیٹھتے، کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے۔ جو مہمان تعلیم یافتہ ہوتے ان کو تمام دن نعت شریف نقل کرنے کا کام دے دیتے تھے اور پھر آپ نقل کردہ نعت شریف پڑھتے اور املا کی غلطیاں درست فرماتے رہتے۔ تمام عمر عشقِ الہی میں دارفتہ اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نشہ میں سرشار رہے۔ آپ بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ دن میں کئی بار زبانِ پاک سے "فضلِ کرم" کے الفاظ نکلتے۔ بحثِ مباحثہ میں نہ پڑتے۔ دوسروں کو بھی باز رہنے کی ہدایت فرماتے۔ تمام عمر کسی کی بُرائی اور کسی پر نکتہ چینی نہیں کی۔ بائیں بازو میں برسوں درد رہا، لیکن آپ نے کبھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔ ہر حالت میں راضی بہ رضا رہے۔ لوگوں کے دنیاوی جھگڑوں میں دخل نہ دیتے جمعہ کے روز غسل فرماتے۔ جب راستہ چلتے سر مبارک پر چادر اوڑھنے نیچے نگاہ کیے چلتے۔ جس سے ایک دفعہ تعلقات قائم ہو جاتا وہ چاہے کتنا بدل جائے، لیکن آپ کے سلوک میں فرق نہ آتا۔ علمائے کرام اور سادات کا بہت احترام کرتے تھے۔ عمر بھر مجرّد رہے۔ آپ غریبوں سے مل کر بہت خوش ہوتے تھے اور ان سے بہت محبت کرتے۔ آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میرا مرید ہے بلکہ فرماتے میرا ملنے والا ہے۔

بزرگانِ دین کے اغراسِ پاک بڑے اہتمام سے مناتے۔ محترم الحرام کی پانچویں تاریخ کو حضور بابا فرید الدین گنج شکر کا سالانہ ختم شریف دلواتے اور دسویں محترم کو ختم شریف سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام دلواتے۔ بارہ ربیع الاول کو قبل دوپہر محفل میلاد اور دوپہر ختم شریف والی دوا رثِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منعقد پذیر ہوتا۔ تیرہ اور چودہ ربیع الاول کو

مخدوم علی احمد صابر علیہ الرحمۃ اور خواجہ قطب دین بختیار کاکے کا ختم شریف دلواتے۔ چھ رجب المرجب کو خواجہ خواجگان خواجہ غریب نواز معین الدین حسن بھٹائی کا ہوتا تو رمضان المبارک میں حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر بخش بنہند کا اور اکیس رمضان المبارک کو حضرت مولائے کائنات امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کا ختم شریف ہوتا۔

دو اور تین جیٹھ کو حضرت خواجہ حافظ کرم بخش کا عرس مبارک ہوتا۔ لوگوں کا بڑا اجتماع ہوتا تمام رات محفل میلاد پاک جاری رہتی۔ کیریاں میں مانی بھاگن شاہ موضع اونچی بسی میں بابا قطب صاحب اور سکرالہ میں بابا مست علی بخش صاحب کا ختم شریف ہوتا اور ہر ماہ کی گیارہویں تاریخ کو محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی میراں محی الدین سید عبدالقادر جیلانی کا ختم شریف ہوتا۔

ایک دفعہ میاں بیوی لدھیانہ سے حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے عرض کی کہ اولاد نہیں ہے۔ آپ نے تعویذ دلوادیا۔ اُس نے ڈھائی روپے نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ نذرانہ رکھ لو۔ کوئی ٹھیکہ تھوڑا ہی کیا ہے۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا جس طرح لیلیٰ کی گل سے آئے ہوئے گتے کو مجنوں پیار کرتا تھا اور اُس کے پاؤں چومتا تھا اسی طرح طالبانِ حق کو چاہیے کہ بزرگوں کا احترام کریں، کیونکہ وہ بارگاہِ الہی میں جانے والے ہیں۔

ایک دفعہ سرکار پاک علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ ایک ہندو معہ اہل و عیال ہر دو رات تیرا کے لیے جا رہا تھا کہ ٹڈکی کے ریلوے اسٹیشن پر کافی بھیڑ دیکھ کر پوچھا کہ یہاں کیا ماجرا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں سے کچھ فاصلہ پر حضرت مخدوم علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کا دربار پاک ہے اور آج اُن کا عرس مقدس ہے۔ لوگ وہاں پر حاضری کے لیے جا رہے ہیں۔ اس ہندو نے ادراہ عقیدت خیال کیا کہ جاتے جاتے یہاں بھی سلام کرتے چلیں؛ چنانچہ نیاز مندی کے ساتھ پایادہ روانہ ہوا۔ اپنا اہل و عیال کو ہاہر سامان کے پاس چھوڑ کر خود حاضری دینے کے لیے چلا گیا۔ جس وقت اُس نے مزار اقدس پر سلام پیش کیا منظوری ہو گئی۔ اس کو ابدالی مرتبہ عطا ہوا اور وہیں سے حسبِ الحکم روانہ ہو گیا۔ اس کی بیوی نے بہت انتظار کیا مگر اُسے نہ آنا تھا نہ آیا۔

کسی رازدان نے اُس کو سمجھایا کہ اب انتظار بے سود ہے، اب اگلے سال عرس پاک پر آنا، چنانچہ وہ اگلے سال حاضر دربار شریف ہوئی اور اپنے خاوند کو مجذوبانہ حال میں دیکھ کر فریاد کی کہ ہمیں کس کے سپرد کر کے چلے گئے۔ اُس نے ایک مٹھی چاولوں کی چاروں طرف بکھیری کہ تیرے اور تیری اولاد کے لیے رزق کا چھٹا دے دیا ہے کوئی فکر نہ کرو اور خود اپنی راہ لی۔ اور سرکار پاک فرماتے تھے کہ جب ہم کلیر شریف گئے تو اس بات کا وہاں بہت چرچا تھا۔

ایک دفعہ حافظ کرم بخش صاحب ہر دو تھلہ شریف شریف لائے۔ سرکار پاک خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے، جہاں اب دربار شریف واقع ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس جگہ ایک جھونپڑی بنا لو۔ یہ جگہ اہل گاؤں کی شاملاتِ دہیہ میں سے تھی جس کا رقبہ کافی تھا، لہذا آپ نے اس جگہ پر دربار شریف کی بنیاد رکھی۔ اکثر کھانا گاؤں والے بھجاتے

تھے۔ زمین کو سخت محنت کر کے ہموار کیا۔ یہاں پر آموں کا ایک باغ لگوایا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بٹالہ کے ایک کھتری لالہ دولت رام نے کٹواں لگوایا۔ غسل خانے تعمیر کروائے۔ آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی، لیکن تعمیر سے پہلے ہی آپ کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے منصور پور اور جگت پور میں بھی دربار اور خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ باغ لگائے اور آنے جانے والے مسافروں کی خدمات کے لیے خدام مقرر کیے۔ سکرالہ شریف میں بھی بابا علی بخش صاحب کا مزار بنوایا اور مسافروں کے لیے سنجتہ کمرے بھی تعمیر کروائے اور ایک خادم کو وہاں پر خدمت کے لیے مقرر فرمایا۔

سکرالہ پاک علیہ الرحمۃ نے شروع شروع میں بہت کم لوگوں کو مرید کیا لیکن بعد میں مریدوں کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی۔ جب کوئی مرید ہونے کی درخواست کرتا تو آپ اکثر یہ فرماتے کہ بابا میں بہت گنہگار ہوں۔ مجھ میں ہزاروں عیب ہیں، کوئی ولی اللہ تلاش کرو یا کبھی یہ بھی فرمادیتے کہ اپنا اعتقاد سنجتہ کر لو۔

خوراک بہت کم کھاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت بابا فرید گنج شکر کے عرس مقدس پر حاضری کے بعد واپس تشریف لائے۔ بارہ سال تک روزے سے رہے۔ اس دوران میں اناج بالکل نہ کھایا۔ بوقت شام ایک پیالہ تسی سے روزہ افطار فرماتے۔ کبھی کبھی دو ایک چھوٹے چھوٹے آٹو بھی تناول فرمالتے۔

سماع سے بھی آپ کو کافی لگاؤ تھا۔ سماع میں جب کبھی کیفیت ہوتی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک دفعہ چک مہرہ میں ختم شریف تھا۔ اس موقع پر محفل سماع بھی منعقد ہوئی۔ جب قوالوں نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے تو آپ کو پہلے ہی مصرع پر کیفیت ہو گئی۔ اشعار

تو گھر آجاوے شام میرا سٹرا دیں

نیر شی رونی آں ہنجو مکھ دھونی آں

مینوں روندی نوں گل لا۔ میرا سٹرا دیں

برج کی ناری سب پھگوا کھیلت

میں کیا کھیلوں میرا بیبا پردیں

آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ روپے، کپڑے جو کچھ پاس تھا، قوالوں کی نذر کر دیا۔ تمام محفل پر کیفیت طاری ہو گئی۔ ایک دفعہ موضع بھاگڑاں میں رونق افروز تھے۔ گاؤں کے اندر کسی کے ہاں برات آئی ہوئی تھی۔ جب صبح کو عورتیں مل کر لڑکی کو وداع کرنے کے لیے اکٹھی ہوئیں اور انہوں نے مل کر الوداعی گیت گانا شروع کیا جس کا پہلا مصرع تھا،

سا جن وداع کر دینے ہن کیوں کر لگے جی

یہ سنتے ہی آپ پر کیفیت طاری ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور یہی مصرع ترنم سے پڑھنا شروع کر دیا۔

گھنٹوں گزر گئے، لیکن اضطراری کیفیت میں کمی نہ ہوتی۔ تین روز تک حالت متغیر رہی۔ کبھی کبھی آپ اکثر دم آواز سے گایا کرتے تھے، کتنا چھوڑا، تہنا چھوڑا، ماہی ٹوں ٹوں عشق بچایا، ماہی ات گن پایا

جب آپ کی راہ توحید کی تکمیل ہو گئی تو آپ نے سماع کو خیر باد کہہ دیا۔ بقول حضرت ماما گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جب عارف کی تکمیل ہو جاتی ہے تو قوالی سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

طلیہ شریف، آپ کا قدم مبارک قدم سے لمبا، جسم نازک، جگ سُرخ مائل سفید چہرہ مبارک غایت نورانی۔ آنکھیں عشق الہی سے سرشار دست مبارک کشادہ، انگلیاں لمبی اور موٹی۔ پاؤں میں ہمیشہ کفش کی بجائے چوبلی کھڑائیں پہنتے۔

چہ حسن است آنکہ در یکدم رخت اُوصد نظر بنیم

ہنوزم آرزو باشد کہ یکبار وگر بنیم

لباس مبارک، مہل کا عمامہ، موٹے سُوتی کپڑے کا کڑتہ اوردہ بند زیب تن فرماتے۔ کڑتے کے نیچے دو ہرا سلوک پہنتے۔ اکثر چادر اوڑھے رہتے۔

عمر بھر مجرور رہے۔ عورتوں کو بہت کم نزدیک آنے دیتے اور بہت جلد رخصت فرمادیتے۔ آپ غریبوں سے مل کر بہت خوش ہوتے اور ان سے بہت محبت فرماتے۔

وصال شریف، پندرہ یا سولہ اگست ۱۹۴۰ء کو آپ کو شدت سے بخار آنے لگا۔ کئی روز تک بخار نہیں اُترا۔ معلوم ہوا کہ تپ محرقہ ہو گیا ہے۔ جسم مبارک کمزور ہوتا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسہال بھی شروع ہو گئے۔ ہر طرح کا علاج کیا گیا۔ مگر آفاقہ کی نوبت نہ آئی، مگر آپ نے کسی تکلیف کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ کسی قسم کی بے چینی چہرہ اقدس پر ظاہر ہوئی۔ نیند بالکل ختم ہو گئی تھی۔ تقریباً چھ ہفتہ کے بعد بخار خود بخود اُتر گیا۔ غسلِ صحت فرمایا۔ چند روز کے بعد بخار پھر عود آیا۔ تکلیف پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو صبح تقریباً ایک گھنٹہ تک بیٹھے رہے، لیکن خاموشی رہی۔ بعد میں لیٹ گئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ آخر صبح دس بجے ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو آپ نے وصال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بوقت عصر نماز جنازہ ہوئی، بوقت نماز عشاء تدفین ہوئی۔ آصف صابری صاحب نے قطعہ تاریخ وصال کہی :

خواجہ دیوان محمد در جہاں مشہور شد در نگاہ رحمت اللعالمین منظور شد

آصف از قدویاں آسمان در گوش من ایں ندا آمد کہ ماہ صابری مستور شد (۱۳۵۹ھ)

ارشادات عالیہ

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اگر پارس پتھر اور لوہے کے درمیان باریک سے باریک بھی پردہ ہو تو لوہا کبھی سونا نہیں بن

سکتا خواہ کتنا عرصہ اکٹھے پڑے رہیں۔ اس تمثیل سے مراد یہ ہے کہ اگر پیر اور مرید کے درمیان خفیہ سا بھی حجاب ہے تو مرید لوہے کا لہا ہی رہے گا۔ کبھی کندن نہ ہوگا۔

﴿ فرمایا کہ جب تک آدمی آنکھوں، کانوں اور ہاتھوں کے علاوہ خیالات کا بھی دیا ندر نہ رہے گا، تب تک اس پر نامحرم عورتوں میں جانا حرام ہے۔

﴿ فرمایا، میں نہیں چاہتا کہ میرا کوئی ادب کرے۔ میں تو سب کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتا ہوں مگر یہ بات پیش نظر ہے کہ مُرشد پاک کا فیض اُسی کو حاصل ہوگا جو ادب کرے گا۔ "طریقت ہمہ ادب است"

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از لطف رب

رباعی ۱ بیچ شخصے خود بنود شیخے نہ شد

بیچ آہن خود بنود تیغے نہ شد

مولوی ہرگز نہ شد مولانے روم

تا غلام شمس تبسز نہ شد

﴿ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ والدین کو تو اپنے بچوں کی جسمانی تربیت کا خیال ہوتا ہے مگر شیخ اپنے مریدین کو رب العالمین کے دربار اقدس میں رسائی کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس ارشاد مبارک سے مُرشد پاک کی والدین پر فضیلت واضح ہوتی ہے۔

﴿ ایک دفعہ اپنے مرید ایک شاہ کو لائل پور (فیصل آباد) اس کے استفسار پر تحریر فرمایا اگر تم چاہو تو وہیں سفید کپڑوں میں درویشی اختیار کر سکتے ہو۔ میرے ہاں جتنے ملنگ ہیں، اُن میں سے ایک بھی ملنگ نہیں سب دنیا دار ہیں۔

﴿ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ کسی امیر کے گھر جاؤ تو وہ خیال کرتا ہے کہ کچھ مانگنے آیا ہے۔ اگر غریب کے گھر جاؤ تو وہ خیال کرتا ہے کہ دھن بھاگ! کہ اس کے گھر درویش کا قدم آیا۔

﴿ فرمایا، جو دم غافل سوتی دم کافر۔

﴿ فرمایا، دل کے اندر غیر کو آنے نہ دے۔ دل سے باہر یار کو جانے نہ دے۔

﴿ فرمایا، ہتھ کار دل، دل یار دل۔

﴿ فرمایا، وہ طلب ناقص ہے جو بے حاصلی کی بنا پر جاتی رہے۔

۴ اہ لگیاں نہیں جیٹریاں ٹٹ گیشاں

﴿ فرمایا، فقیری دنیا کے ہر کام سے مشکل ہے خال خال ہی منزل مقصود پر پہنچتے ہیں۔

۵ ایں سعادت بزور بازو نیست۔ تا نہ بخشہ خدائے بخشندہ

❁ فرمایا، ایسہ گل ہے ال بٹری سروریاں ملے۔ تاں بھی جان سوتڑی۔

❁ فرمایا، جیٹرا بن بیٹھا اوس کی کھٹنا ہے۔

❁ فرمایا، نام کا نشہ ہونا چاہیے باقی نشہ سب علت۔

❁ نام خماری نانکا پڑھی رہے دن رین۔

❁ فرمایا، دماں والے ہی گھوڑے خریدن گے خالی ہتھال والیاں نوں کون نئی بیٹھا ہے۔

❁ فرمایا، برتاوا اگر تین دن تک کھانا تقسیم کرتا رہے پھر بھی اپنا ہاتھ منہ کونہ لے جائے۔

۲۸۶
 صحیح نماز وقت ۵۲۵ مرتبہ صلّی اللہ علیہ وسلم

۱۵ مرتبہ الحمد
 ۲۰ مرتبہ استغفار
 کلّی ذنب و اے توبہ الہ ط

بیتنا کر نماز وقت ۵۲۵ مرتبہ اللہ اکبر

۲۰ مرتبہ استغفار
 اللہم صلّ علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد
 بعد دخول ذرّ لا مالہ ائف الف مرتبہ

نماز طہر و ۱۰ مرتبہ کلمہ توحید
 ۱۰ مرتبہ کلمہ توحید استغفار ۱۰ مرتبہ درود شریف

عکس تحریر خواجہ محمد دیوان شہتی صاحبی



Marfat.com

موضع ساہووال ریاست کپورتھلہ کے ایک نمبردار تھے جو پیران پیر دنگیر غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی قطب بانی کے پتے عاشق و صادق تھے۔ جو بھی سائل ان کے دولت خانہ پر غوث پاک کے واسطے سے سوال کرتا تو وہ خالی نہ لوٹتا تھا۔

سائین کی بہتات نے ان کی جائیداد پر کافی اثر ڈالا۔ یہاں تک کہ اراضی بھی رہن یا بیع کرنے کی نوبت پہنچ گئی۔ ایک دن اپنے لڑکے سے کہنے لگا کہ کل جائیداد جو مجھے وراثت میں ملی تھی۔ اتنی ہی جائیداد تم کو پوری کرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوں گا۔ القصد جب اس کی تمام جائیداد ختم ہو گئی۔ ایک دن جب کہ بارش ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھڑک کر جس کی سمت قطب شمال کی طرف تھی۔ روضہ اقدس کی طرف منہ کر کے دونوں شاخیں کھڑک کر نہایت عاجزانہ انداز میں التجا کی کہ سرکار غوث پاک! میں نے آپ کے نام پر سب کچھ لٹا دیا۔ اب میرا دنیا سے جی اچاٹ ہو گیا ہے اور میں نے جو وعدہ اپنے لڑکے کے ساتھ کر رکھا ہے اس کو ایفا کیا جائے اور مجھے اپنے پاس بلا لیں۔ اسی وقت فوراً ایسی برستی بارش میں سرکار پاک وہاں پہنچ گئے۔ نمبردار سے فرمایا باجی! تمہارا بازو سرکار غوث پاک نے مجھے کھڑوا دیا ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ تم کو سب کچھ سوا دیا جائے گا۔ تھوڑی دیر قیام کیا، حقہ نوش فرمایا اُس وقت اُس کا لڑکا بھی وہاں موجود تھا۔ اُس کی پشت پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ ہم کو کپورتھلہ جانے والی سڑک پر چھوڑ آؤ۔ اُس نے کہا کہ آپ جب آئے تو کیسے آئے جب کہ راستہ نہیں معلوم تھا۔ آپ نے فرمایا تجھے اس سے پوچھنے کا کیا فائدہ۔ لہذا لڑکا دو دو فٹ گہرے پانی میں ساتھ چلتا گیا۔ تھوڑی دُور جا کر فرمایا اب تم واپس جاؤ۔ جب واپس ہو کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ایسا ہوا کہ مرض طاعون سے گاؤں کے بہت سے لوگ مر گئے۔ جن لوگوں کے پاس ان کی جائیداد رہن یا بیع تھی قدرتی طور پر وہ تمام کے تمام اس موذی مرض کا شکار ہو گئے۔ لہذا ان کو اپنی جائیداد کے علاوہ اپنے عزیز واقارب کی جائیداد بھی منتقل ہو گئی۔

ایک دفعہ میاں محمد حسین صاحب سجاوہ نشین روشنی والے پیر ٹائڈہ شریف کے رہنے والے نے بیان کیا کہ دولے خاں سکرالہ شریف کے رہنے والے تھے وہ سب سے پہلے مست علی بخش صاحب کے پاس خدمت کرتے رہے۔ جب مست صاحب کا وصال شریف ہو گیا تو وہ وہاں سے دربار شریف ٹائڈہ آگئے تھے۔ وہ ہمیشہ گدی نشینوں کی اور دربار شریف کی خدمت کرتے رہے۔ جب وہ ستر و پچتر سال کے تھے تو ایک دن ان کے دل میں اچانک خیال آیا۔ تمام عمر گزر گئی مگر نعمت باطنی سے محروم رہا۔ اُس نے وہاں سے ہمیشہ کے لیے رخصت چاہی اور میاں محمد حسین صاحب کو اطلاع کر دی۔ میاں صاحب اُس کی خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ وہ دولے خاں کو اپنے سے علاوہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لہذا میاں صاحب کافی پریشان ہوئے۔

اس دوران میں سرکار پاک خواجہ محمد دیوان چشتی صابری شریف لے آئے اور مجھے انہوں نے نذرانہ دینا چاہا، لیکن میں اُداسی اور خاموشی کے عالم میں کھڑا کچھ جواب نہ دیا۔ دوسری مرتبہ آپ نے پھر فرمایا حضرت صاحب نذرانہ قبول فرمائیں، مگر

میں زیادہ پریشانی کی وجہ سے پھر خاموش رہا۔ تیسری دفعہ آپ نے فرمایا حضرت صاحب کیا بات ہے، آپ پریشان کیوں ہیں۔ میں نے دست بستہ گزارش کی کہ سرکار! بابا دولا کہتا ہے کہ مجھے تمام عمر کی غلامی کا کوئی صلہ نہیں ملا۔ اب وہ اپنے گھر واپس جا رہا ہے اور اس کے بغیر میرا کام نہیں چلتا۔ یہ سن کر آپ نے دو لے شاہ کہہ کر آواز دی۔ دو لے شاہ آیا۔ اس پر ایسی نظر کرم فرمائی کہ دو لے شاہ کو قطب کے عمدے پر فائز فرمایا۔ دو لے شاہ سراپا لرزیدہ، لرزیدہ اور آب دیدہ بے ساختہ زبان سے کہنے لگا کہ آپ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص نور ہیں۔ آپ میں مجھ کو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نظر آئی۔ آپ نے فرمایا کہ خاموش رہو، اب کہیں مت جانا اور روضہ اقدس میں رہ کر تمام خدمات کو حسب سابق سرانجام دیتے رہنا۔ جاؤ ہم نے تم کو یہ علاقہ دے دیا ہے۔ اس کے بعد دو لے شاہ کو اس قدر عروج ہوا کہ تمام علاقہ اُس کا گرویدہ ہو گیا، لیکن اُس نے غلامی اور خدمت گزاروں کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جب حضرت علی معظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (گڑھ شکر والے) مرید ہوئے تو آپ کی عمر بارہ برس تھی۔ آپ کے شیخ پاک برقعہ پوش تھے۔ آپ نے بھی برقعہ پہن لیا۔ اگر مرید پیر کے حکم پر پابند رہا تو حلال ہو گیا ورنہ حرام۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا، پیر و مرشد سے نظر عنایت طلب کرنا چاہیے جو دنیاوی مال طلب کرے گا، وہ دنیاوی مال ہی میں زندگی گزار دے گا۔ (جیڑا دنیا منگے گا دنیا جوگا رہے گا)

حافظ برکت اللہ جالندھری نے ایک دفعہ آپ سرکار پاک کی ایک کرامت بیان کی، کہنے لگے کہ میں نے بہت سے مزاروں پر حاضری دی اور کئی ایک درویشوں کی خدمت با برکت میں حاضر ہوا، لیکن کہیں بھی تسکینِ قلب نصیب نہیں ہوتی۔ ایک دفعہ میرے ایک دوست جو کہ میرے ہم مکتب تھے، کہنے لگے کہ ہر دو تھلہ شریف میں ایک بزرگ اور مقدس شخصیت ہے اور آج کل عرس پاک بھی شروع ہے۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ میرے باوجود انکار کرنے کے وہ بضد اصرار کرتا رہا کہ چلو اور کچھ نہیں تو عرس پاک میں شرکت ہو جائے گی، لہذا ہم ہر دو تھلہ شریف پہنچے تو اتفاقاً سرکار پاک دربار شریف سے باہر کھڑے تھے۔ دور سے جب مجھے آپ کی صورت نظر آئی تو بے ساختہ زبان سے الفاظ نکل گئے۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

آپ کی صورت کچھ ایسی دل میں گھر گئی کہ جب عرس پاک اختتام ہوا، ہم نے رخصتی کی درخواست کی تو فرمانے لگے ایک دو دن اور قیام کرو، لہذا بحکم سرکار پاک ہم نے قیام کر لیا۔ اسی اثناء میں ایک بوڑھا شخص جو کہ قوم راجپوت سے تھا حاضر خدمت ہوا اور دست بستہ عرض کی کہ جناب میں موضع نڈالی کا رہنے والا ہوں اور میرا ایک ہی لڑکا تھا جس کو متور خاں ذلیدار چوٹاہلہ والے نے زبردستی فوج میں بھرتی کر دیا ہے اور یہ واقعہ ۱۹۱۷ء کا ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور میں بڑھاپے کی وجہ سے کام نہیں کر سکتا۔ آپ حکم دیں تو میں بمعہ اہل و عیال دربار شریف میں آجاؤں یا میرے لڑکے کو واپس بلاویں۔ یہ کہہ کر وہ نارو قطار

رونے لگا۔ اُس کے رونے سے متاثر ہو کر تمام محفل بھی آبِ دیدہ ہو گئی۔ یہ سن کر سرکارِ پاک نے حکم دیا کہ تم میں صد ڈول پانی کے بغیر وقفہ کے کنوئیں سے نکالو۔ اس طریقے سے تم اللہ رسول کا باغ ہرا کر دو، اللہ پاک تمہارا باغ ہرا کر دے گا۔ جب وہ حسبِ شرائط تین صد ڈول پانی کے نکال کر واپس آیا تو آپ نے اہل مجلس سے فرمایا کہ سب بھائی اس شخص کے حق میں دعا کریں اور ہم بھی دعا کرتے ہیں نامعلوم اللہ کس کی دعا منظور فرمادے۔ دعا کے بعد فرمایا کہ اللہ میاں رحم کرے گا اور اب تم گھر جاؤ سوہ شخص اپنے گھر واپس چلا گیا، لیکن دوسرے دن سہ پہر کو وہی شخص ایک نوجوان لڑکے کے ہمراہ دربارِ پاک میں حاضر ہوا اور تھوڑی سی شرمیلی بھی ہمراہ لایا۔ آتے ہی اس نوجوان نے کہا کہ اباجی! یہی باباجی ہیں جو مجھے لائے تھے۔ سرکارِ پاک نے شرمیلی تقسیم کرادی اور ان کو بیٹھنے تک نہ دیا اور رخصتی کر دی۔ ہم کو شک گذرا کہ کوئی خاص بات ہے، لہذا ہم بھی دربارِ پاک سے نکل کر ان کے پیچھے چل پڑے اور ان سے مل کر دریافت کیا کہ آخر اتنی جلدی کیوں تم کو رخصتی مل گئی۔ اس نوجوان نے ہمارے اصرار پر کہا کہ گزشتہ شب کی بات ہے کہ ہمارا فوجی دستہ بمبئی کے نزدیک پٹاؤ ڈالے ہوئے تھا اور آج دن کو ہم نے محاذِ جنگ پر بحری جہاز میں سوار ہونا تھا لیکن رات کے پچھلے حصہ میں میرا کمانڈر میرے پاس آیا۔ میں نے اٹھ کر سلام کیا۔ کمانڈر کہنے لگا کہ میں نے تمہارا نام آرمی سے خارج کر دیا ہے۔ میں نے اپنا قصور دریافت کرنے کی کوشش کی مگر اس نے خاموش کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد سرکارِ پاک تشریف لائے اور میرے پاؤں پر اپنے پاؤں رکھ کر ایک لمحے کے لیے میری آنکھیں بند کرادیں۔ جب آنکھوں پر سے ہاتھ اٹھائے تو میں اکیلا تھا۔ نہ وہاں کیمپ اور نہ وہ مقام تھا۔ ہر طرف اندھیرا گھپ تھا میں بہت ہراساں اور پریشان تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں وہیں بیٹھ گیا۔ صبح صادق ہوئی، پوہ پھٹی، سورج طلوع ہوا تو دیکھا کہ میں اپنے گھر کے دروازے کے نزدیک ہی بیٹھا تھا۔ جب گھر کے اندر داخل ہوا تو گھروالے مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔



حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صابریؒ کے قلوب میں عشق و محبت ایسا رجا بساتھا۔ اس محبت کی کیفیات سے متاثر ہو کر اور حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا اور والہانہ عشق ہونے پر اکثر نعتیں پڑھتے رہتے تھے اور خود بھی اسی محبت سے سرشار ہو کر نعت شریف لکھتے رہتے اور لوگوں کو بھی نعت شریف پڑھنے کی تلقین فرماتے۔ آپ کا کلام (نعتیں) مندرجہ ذیل بطور امثال پیش قارئین کرام ہے۔



نعت شریف

ساڈا ہویا بھاگ سوایا جی واہ واہ الحمد للہ
دن دو شنبہ وقت صبح دے آیا غسل نگیں
جی واہ واہ الحمد للہ

کمرن زیارت پاک نبی دی صدقے واری جادون
جی واہ واہ الحمد للہ

وچ قیام پڑھن صلواتاں سبحناں خوشی منا کر
جی واہ واہ الحمد للہ

یارب حبلی امتی سرور نے دم بھریا
جی واہ واہ الحمد للہ

آپ دے فیض قدم دی برکت کھڑیاں سب گلزاراں
جی واہ واہ الحمد للہ

دو جگ اندر دھوم مچی جب آئے سب کے ہادی
جی واہ واہ الحمد للہ

کفر شرک دی بیخ اٹھی جب آیا شہ مدینہ
جی واہ واہ الحمد للہ

قیصر و کسری گم ہوئے جب آیا مہ جینہ
جی واہ واہ الحمد للہ

دو جگ دے مختار محمد صفت نہ کیتی جاوے
جی واہ واہ الحمد للہ

سوہنا سرور انبیاء آیا جی واہ واہ الحمد للہ
ماہ مبارک ربیع الاول بھاگیں بھریا مہینہ
مولا گھر گھر چاٹن لایا

آمنہ دے گھر حوران پریاں دارو واری آون
سبھنا گیت خوشی دا گایا

زمیں فلک دے ملک سبھی بی بی آمنہ دے گھر آ کر
ساری امت نون بخشایا

پیدا ہندیاں پاک محمد سر سجدے وچ دھریا
ساری امت نون بخشایا

جس دن رحمت عالم آئے درسیاں رحمت باراں
مولا اجڑیا دیں بسایا

جس دن حضرت پیدا ہوئے گھر گھر فرحت شادی
سبھناں راہ ہدایت پایا

خودی تکبر سب اٹھ دھائے رہا نہ بغض اور کینہ
اللہ واحد و سبق پڑھایا

فارس کی سب آگ بجھی نٹھیا ابلیس کمینہ
ایا آپ دا پرتوا چھاپا

آپ نہ ہوندے کچھ بھی نہ ہوندا خود خالق فرماوے
سر پہ چھتر لولاک جھولایا

طہ تے یلعین منزل شان نبی دی نیاری
 کیا آپ نے کرم کمایا
 جس دے دل وچ مہر محمدی جنت جگہ پاوے
 خود اللہ نے سرمایا
 بھیڑیاں کماں عمر ہی ساڈی غفلت دے وچ بیٹی
 ساڈوں صابرتی دے لڑ لایا
 اُمت دے بنمشاؤن کارن آئے نبی غضاری
 جی واہ واہ الحمد للہ
 جس نے صدق سے کلمہ پڑھیا اوہی بنجیا جاوے
 جی واہ واہ الحمد للہ
 رحمت عالم کئی والے بڑی عنایت کیتی
 جی واہ واہ الحمد للہ

نعت شریف

ساڈے دھن دھن بھاگ سوائے نبی جی آئے نبی جی آئے
 اول حمد ہے پاک ربے دی جو ہے سر جہارا
 بعدد رُود نبی سرور پر جورت دا محبوب پیارا
 جنہاں دی خاطر جنہاں دی خاطر رب بنت بنائے
 نبی جی آئے نبی ...
 سب سے پہلے نور نبی دارت نے آپ بنایا
 اول ما خلق اللہ نوری حضرت نے سرمایا
 نبی جی آئے نبی
 نور الہی پر گھٹ ہو کے گھر گھر چائن لایا
 چھ ہزار ست سو چھوٹا سن آدم دھایا
 نبی جی آئے نبی
 ظاہر ہوئے اس جگہ وچ پاک حبیب خالق
 بارہاں تاریخ ربیع الاول ماہ مبارک
 نبی جی آئے نبی
 سوہنے پاک نبی لیاں آن اُمت دیاں ساراں
 مولا اُجڑے ، مولا اُجڑے دیں بسائے
 نبی جی آئے نبی
 دین وداھیاں نال خوشی دے منگل گادون
 دل مل خوراں پریاں آمنہ دے گھر آون
 نبی جی آئے نبی
 جس نبی محمد دو جگہ دا والی جیایا
 اے بی بی ، اے بی بی ، تیرے بھاگ سوائے
 اے بی بی تیں پرالشد نے ایاکرم کمایا

نبی جی آئے نبی.....

وچ قیام پڑھن سلام درود نبی پر

نبی جی آئے نبی.....

ہے تعظیم نبی دی واجب ٹھیل نہ جانیو

نبی جی آئے نبی.....

بُت مُوندھے گر گئے شیطان ڈھائیں مارے

نبی جی آئے نبی.....

سارے کسکر پھر آپ دی دین گواہی

نبی جی آئے نبی.....

عرض کیتی اللہ میری بخشیں اُمت پیاری

نبی جی آئے نبی.....

خود ہو واصف جنہاں اللہ قدر پہچانے

نبی جی آئے نبی.....

کفر شرک دی بیخ جگت توں اکھڑ گئی ساری

نبی جی آئے نبی.....

قیصر و کسری دے چوداں کنگرے گرے تمامی

نبی جی آئے نبی.....

جس پر عاشق اللہ اور خلقت ساری

نبی جی آئے نبی.....

آپ نہ ہوندے کچھ بھی نہ ہوندا خود رب نے فرمایا

نبی جی آئے نبی.....

گراہاں توں سدھاتی دارستہ آبتلایا

نبی جی آئے نبی.....

ایو جانو عین ہی دولت عقبے بھاری

صفت جنہاندی، صفت جنہاندی کیتی نہ جائے

زمین فلک دے ملک تمامی آمنہ دے گھرا کر

سبھناں ادبوں، سبھناں ادبوں سیس نوائے

کرو قیام پڑھو صلواتاں اے میرے بھائیو

پڑھ کے کلمہ، پڑھ کے کلمہ ہو زیر سائے

جس دم وچ نکتے دے نبی سوہاسے

کر دے سارے، کر دے سارے ہائے ہائے

جس دن اس دُنیا وچ آئے دین پناہی

شجروں شجروں، شجروں شجروں آوازے آئے

پیدا ہوندا اول سجدے درگاہ باری

ہر اک مومن، ہر اک مومن خوشی منائے

اس سوہنے پاک نبی دی صفت کیا کوئی جانے

جیندا جب ریل، جیندا جب ریل جھولا جھولائے

جس دن ظاہر ہوئے پاک حبیب غفاری

خوب توحید، خوب توحید دے سبق پڑھائے

فارس کی آگ بھجھی آئے جہاں نبی گرامی

ایسے پرتوے، ایسے پرتوے آپ دے چھائے

ایسی سوہنی صورت، سیرت پاک نیاری

واہ واہ سب دے، واہ واہ سب دے دل بھرمائے

شان جیدی وچ "لولاک ما خلقت ال" آیا

ایسے محبوب، ایسے محبوب کون سدائے

اس جگ دے وچ سرور عالم جس دم قدم نکایا

ایسے ڈنکے، ایسے ڈنکے دین بجائے

بھائیو مومنو کریو نبی دی تابعداری

کوئی ضائع، کوئی ضائع نہ عمر گنوائے
 واہ واہ ایسے آئے سوہنے دُرِ یتیمی
 پڑھ کے کلمہ، پڑھ کے کلمہ ایمان لیائے
 جیسٹریے شوقوں پنجے وقت نماز گزارن
 او بہشتیں، او بہشتیں نبی سگ جائے
 بھائیو دل تمہیں سارے جگڑے جھیرے چھوڑو
 اللہ تم پر، اللہ تم پر کرم کمائے
 جس سوہنے پاک نبی دے دلوں مکھ موڑا
 اُس نے عمروں، اُس نے عمروں وقت کھنجائے
 جس نے سوہنے پاک نبی سگ لائی یاری
 دُرد نبی پر، دُرد نبی پر جو پڑھے پڑھائے
 رنج و مصیبت اُس بھائی توں سب ٹل جائے
 صدقوں نام، صدقوں نام نبی جو دھیائے
 جس نے دل تمہیں صدقوں نام نبی دا دھیایا
 پھراو جنبش، پھراو جنبش مومل نہ کھائے
 جس دے دل پر مہر محمدی لاگی ہوئی
 اللہ دوزخ، اللہ دوزخ کنوں بچائے
 جو کوئی آپ دے در پہ بھائیو چل کے آیا
 ایسے جگ وچ، ایسے جگ وچ دھنی کھلائے
 جس محفل وچ ذکر نبی وا کیتا جاوے
 واہ واہ محفل، واہ واہ محفل عجب سہائے
 جس جا محفل پاک نبی دی جو کرن کراون
 اس جا رحمت، اس جا رحمت رب دی چھائے
 جس نے صدقوں پاک نبی دا کلمہ پڑھیا
 نبی جی آئے نبی.....
 جس جس دیکھیا آپ دا خلق عظیمی
 نبی جی آئے نبی.....
 اوہو تابعدار نبی دے جو سب کچھ دارن
 نبی جی آئے نبی.....
 اس سوہنے پاک نبی سگ اکھیاں جوڑو
 نبی جی آئے نبی.....
 اُس جانو دین ایمان دا رستہ چھوڑا
 نبی جی آئے نبی.....
 گل یاد رکھو پھیر خوش ہو اللہ باری
 نبی جی آئے نبی.....
 دین دنی دے سارے مقصد دل دے پاسے
 نبی جی آئے نبی.....
 بحر غماں تمہیں رب اُس دا بیڑا بنے لایا
 نبی جی آئے نبی.....
 اُس توں اللہ دے در دل سی بھائیو ڈھوئی
 نبی جی آئے نبی.....
 اُس توں نال کرم دے خالی نہ درکایا
 نبی جی آئے نبی.....
 رُوح مبارک نبی دی پھیرا پاوے
 نبی جی آئے نبی.....
 ایسی محفل پاک ہے ملک بھی سُخنے آون
 نبی جی آئے نبی.....
 اُس لے جانوں غمیر خیالوں بوہا جڑیا

ادھو اللہ، ادھو اللہ دے من بھائے نبی جی آئے نبی.....
اللہ پاک نے ایس عاجز پر کرم کیا اُس سوہنے محبوب نبی کا کلمہ پڑھایا
سارے دل دے، سارے دل دے بھرم گوائے نبی جی آئے نبی.....
بھائیو سوہنے پاک نبی دے رستے چلو بے کر رب نون ملنا چاہو آپ دادوارا ملو
کوئی اینویں، کوئی اینویں نہ مغز کھپائے نبی جی آئے نبی.....
اللہ پاک داصبریؓ ککھ ککھ شکر منایا کالی کالی والے نبی دامن ہیٹھ چھپایا
واہ واہ نترے، واہ واہ نترے بھاگ جگائے نبی جی آئے نبی.....
ساڈے دھن دھن بھاگ سوائے نبی جی آئے

نعت شریف

رب نے تیریکیا نرالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

ایسا آپ دا عالی پایا ایسا پایا کسے نہ پایا جس نون چاہا چا بنٹایا

رب دے گھر ہے دھالا مدینے والے دا

آپ ہیں خاص حبیب حقانی جن کا دو جگ میں ہو رہ نہ ثانی کچھ عبیدی کچھ طور رحمانی

ایہہ طبیعت عجب ہے شالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

آپ تو نور ہیں خالق اکبر جن کا دو جگ میں کوئی نہ ہمسر جسم کا سایہ نہ آیا زمین پر

نور کے سانچے میں ڈھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

نور آپ اکبر رب سے جدا ہے رب اور آپری ایک ہی جا ہے رب دی اور آپری ایک رضا ہے

سارا قرآن پاک حوالہ مدینے والے دا

مدینے والے دا

اولیاء انبیاء پیغمبر سارے بیشک ہیں وہ رب دے پیارے آپ دے نوروں کل پیارے

ہے سب ٹوں رتیرا علی مدینے والے دا

مدینے والے دا

پیارا نام ہے احمد سرور جن سے ڈھوئی ہوتے گھر پڑھو نام ایہہ طیب طاہر

اوپر دل دی مالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

آپ دے نام دا ورد کماٹو آپ دے سنگ ہی عشق لگاٹو دیکھنا ہرگز مجبول نہ جاٹو

خود عاشق باری تعالیٰ مدینے والے دا

مدینے والے دا

ایسی صورت سیرت نیاری جہاں دی خاطر خلقت ساری کیا خاکی کیا نوری ماری

دو جگ ہے متوالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جس نوں عشق ہو احمد سرور اوہو پہنچے گا رت دے گھر دلوں بجانوں اپنے دل پر

جس نے نقش بٹھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جو کوئی سگ ہے آپ دے دردا دوہیں جہانیں اوہی تر دا عزیزا تو بن کے سچا بردا

دل سے حکم بجا لا مدینے والے دا

مدینے والے دا

مشکل آس دی حل ہو جاوے دوہیں جہانیں عزت پاوے آپ دی یاد میں جو مر جاوے

اوہ عاشق کرماں والا مدینے والے دا

مدینے والے دا

کرنیو آپ دی تابع ماری پھر مل جاسی اللہ باری ایہو دولت عقبی جاری

عشق نہیں ہے سکالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

اوہ تے جا جنت وچ وڑیا جس نے صدق سے کلمہ پڑھیا غمیر خیالوں بوبا جڑیا

وحدت بھید سنبھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جو کوئی مسلمان سداوے نام پر نبی فدا ہو جاوے امتی آپ دا وہی کناوے

جس نے کچھ حق پالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

ایسا آپ نے کرم کمایا اُجڑیا دیس ایہہ آن بسایا جنگل دے وچ منگل لایا

ایہہ رحمت دا ہے اُچھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جب وہ آئے حق کے پیارے کنگرے کسریٰ گر گئے سارے واہ رے واہ رے واہ رے

رب نے ایسا پر تو ڈالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جو سنگ آپ تشدد کر دے انہاں خلق عظیموں کر دے پھر ہو جاوے کلمہ پڑھدے

الشد ہے رکھوالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

ہمسریوں تک بنہ جو کھلووے دین ایمانوں بخدا کھووے روز محشر اوہ بیٹھا رووے

جس دل توں نام اُٹھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

اور ہی بن بیٹھے جو کوئی اُس دی شیطان نے مت کھوئی رب دے گھر نہ ہوگی ڈھوئی

جس رستہ نہ دیکھا جبالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

اور ہی اور جس مذہب نکالا دو جگ میں ہو گا منہ کالا حکم ربانی سرتوں ٹالا

نہ سمجھا شان نرالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جو کوئی پاک ایہہ نام دھیادے اس واسینہ صاف ہو جاوے رنج مصیبت سب اٹھ جاوے

ہے نام اے برکت والا مدینے والے دا

مدینے والے دا

رب نے ایسی شان ودھائی قدسی حدیث مولا فرمائی آپ دی خاطر بنی خدائی

پوچھو قسرا نوں حالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جھوٹا بنی کوئی بیٹھے جو بن بھاویں کتنا خرچ کر دھن بس جھوٹا ہے رنگ ڈھائی دن

رہنا سدا ہی بول بالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

کاذب تے رب لعنت پاوے صادق تے رحمت برساوے بھائیو وہی جنت پاوے

جس دے پاس قبلا مدینے والے دا

مدینے والے دا

خودی تکبر سب اٹھ جاوے صبغۃ اللہ دا رنگ رنگاوے فوراً مست الست ہو جاوے

جس پتیا پریم پیالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

واہ کیا آپ دا شان مزمل واہ کیا آپ دا بڑا تجمل واہ کیا سوہنے مونڈھے کسبل

نوری پاک دوشالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

چندوں چہرہ دون سوایا نوروں رب اپنے چمکایا وکھ کے سورج بھی شرمایا

واہ کیا حسن کمالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

دونوں جہاں کے شاہ کہلا کر واہ کیا بوریامٹ کا بستر بن کے آئے غریبوں کے پرور

واہ کیا شان نرالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

سب کچھ اپنے نوروں بنا کے ظاہر کیا رب خود فرما کے لولاکی سرچھتر جھلا کے

کیسا درجہ بالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

سب بھائیوں پر کرم کمائیں سب نوں رستے مہدی چلائیں عشق گوہڑا رنگ چڑھائیں

اے ساڈے جل جلالہ مدینے والے دا

مدینے والے دا

رب نے اپنا کرم کما کے حافظ اکمل پیر ملا کے صابری آپ دے دامن لا کے

دستیارہ سوکھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

نعت شریف

دربار سوہنے نبی سرور دے جو صدقوں چل کے آویں گے

بھر جھولیاں اپنے مقصد کی اوہ خوشی خوشی گھر جاویں گے

دربار سوہنے نبی

ایا آپ دا دوارا شاہی جی جتھے بھیریا راز الہی جی

پہلے آپ دے دوارے جاویں جو ڈھونڈی اللہ دے گھر پاویں گے

دربار سوہنے نبی

آپ خاص حبیب رحمان جی جن کے جبرئیل ہیں دبان جی

ربت اس پہ ہی راضی ہوگا جو آپ دا نام دھیادیں گے

دربار سوہنے نبی

دوارے سوہنے احمد سرور دے جو صدقوں آ عرضاں کر دے

اوہ دل دی مرادیں پا کے سب پھر گیت خوشی دے گاویں گے

دربار سوہنے نبی

دوارا آپ دا پاک رحمان دا جی جو صدقوں ایک ہی جان دا جی

سب عقدے اس دے حل ہوں جو ادبوں سیس جھکاویں گے

دربار سوہنے نبی . . .

دوارے سوہنے اللہ والے دے اس دو جگ دے رکھوالے دے
چھوڑ وہم خودی جو آن مجھکے اسے دامن ہیٹھ لگاویں گے

دربار سوہنے نبی . . .

بھائیو ہمیری دے ہیں قابل جو پیش کر دے جھوٹے دلائل ادھ
پتے عاشق جو نبی اطہر دے دل کدی نہ اپنا ڈولاویں گے

دربار سوہنے نبی . . .

ذکر آپ دا جس جا آوے گا اجلاس ادھ عجب سادھے گا
اٹن دے شوق سے ملک سبھی خود آپ بھی تشریف لاویں گے

دربار سوہنے نبی . . .

کی میں صفت کراں نبی سرور دی اس خاص حبیب داور دی
جن کی صفت کرے اللہ باری پھر ہور کی کریں کراویں گے

دربار سوہنے نبی . . .

آپ جیسا دو جگ میں یار نہیں کوئی آپ بناں غمخوار نہیں
روز محشر نوں بن کے شانی ساری آمت نوں بخشاویں گے

دربار سوہنے نبی . . .

بس صابری دل میں خوف نہ کر تیرے حامی پاک نبی سرور
نال کرم دے دو جگ میں تیری خود آپ ہی لاج لکھاویں گے

دربار سوہنے نبی . . .

نعت شریف

ایو ہر دم دل وچ چا سیدا بخشو اپنا پاک لقا سیدا
یا نبی جی اللہ ہے اک واری درس دکھاندے میرے دکھ اور درد تھیے سب دور ہو جانڈے
گر ہو آپ دی مجھ پر رحمت کی نظر پھر تو بے شک کئی شفا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

آپ دا ہو کر شاہا ہو کر کس درجاواں کس توں اپنا حال رو رو میں جا سداواں
ایسا کون طبیب جو مرضاں کئے توری دید ہے میری دوا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

میں نرسا پھڑکے کاسر آپ دے دوارے اکھڑا بدیاں دیکھ نہ جھڑکیو سخی آپ دارتنبہ بڑا
توری دید کی جھکیا کا مانگت ہوں ایہو خاص ہے میری صدا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

میں توں او گنگار ہوں پر نام آپ دا ہے رحیم میں پر اپنا کرم کر پو نام آپ دا ہے کریم
جیسا چنگڑا منڈرا میں آپ دا ہاں لینا دامن بیٹھ چھپا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

بحر عسیاں میں پھنسا بیڑا میرا ہے یا شہا ڈکو ڈولے کھا رہا ہے یا نبی بہر خدا
کر پو کرم شہا اب نہ دیر کرو لڑگیال دی توڑ نبھا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

یا نبی سر آپ دے سوہنے لولاکی تاج جی آپ کو اللہ نے بخشیا دو جہاں داراج جی
واہ واہ آپ دی نیاری شان نبی کہا اللہ نے پیارے عرش آسیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

آپ توں ایسا شہا اللہ نے لاڈ لڈایا پیار سے عرشیں بلا سب مخفی بھید بتایا
دوری دور ہوئی سب پروے اٹھے میرے دل توں بھی غیر اٹھا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

یا محمد مصطفیٰ یا رحمت للعالمین تم شفیع ہو عاصیاں یا شفیع المذنبین
میرا نامہ عمل سب سیاہ ہی ہوا اپنی رحمت سے کر دو صفا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

یا نبی بخشو اپنا ہاں نفس نے گھسیا مجھے دو جہاں میں یا نبی فقط آسرا تیرا مجھے
ایتھے اوتھے حامی میرا کوئی نہیں کس سے عرض کروں میں جا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

یا نبیٰ جی جب سوا نیزے پہ ہوگا آفتاب کروی سایہ اپنی رحمت کا رسالت مآب

جب وقت نزع دا آوے یا نبیٰ دینا اس ویلے درس دکھا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

وچ اندھیری گوردے منکر نکیر آویں گے جب پھراٹھا کے پوچھیں گے جلدی بتا کن تیرا بت

اس بات کا ہے دل میں خوف بڑا اس ویلے مینوں آن گل لاسیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

میں گناہیں پھر ڈبا ہوں اے حبیب اللہ دے مسیرا جھیرا سن دا کیہڑا سن لو نام اللہ دے

میں تو شاہا غلام قدیم کا ہوں میری لگیاں دی اوٹھ نبھا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

روز محشر ہوگا جب ہر اک دا دل گھبرائے گا اللہ دے دربار میں سب نوں بلایا جائے گا

دشتر عملاں دی جب پڑتال ہووے اس ویلے لاج رکھا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

اے صبا بہر خدا کریں عرض جا در مصطفیٰ اک بروہ ہند میں تڑپے مگر ہے پُرگناہ

یا نبیٰ اللہ یا شہنشاہ! اوہرے دل دی بھی تپت بہھا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

یا نبیٰ جی محفل میلاد میں جو آوندے اور بھی ہیں جتنے بھائی کلمہ گو جو سن آوندے

باغ جنت میں جگہ سب کو ملے اللہ سب کو لینا بخشو سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

یا نبیٰ جی آپ ہو داتے دو جگہ کے شہنشاہ صابری مسکین ادھینہ آپ کے در کا گدا

میری لاج و شرم سب آپ کو ہے اللہ پوری کر دو التبا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا



مناجات

اے پاک پروردگار جی
 ہے عرض تیرے دربار جی
 یا رب تیرے ہاں عاجز بندے
 توں بخش دے روز شمار جی
 ساڈے عیباں دل نہ جائیں
 صدقہ سارے دوست یار جی
 جتنے بھائی مومن سارے
 کریں بخشش بخشہار جی
 جتنی بھی اُمت حضرت سرور
 ہووے نہ کوئی خوار جی
 مومن بھائی جو وچ تنگی
 کوئی رہے نہ قرض دار جی
 یا رب ساڈی آس پچا کر
 کر دے توں عاشق زار جی
 بانی محفل پر رب اکبر
 ادبے بگڑے کاج سنوار جی
 یا رب عزه جلال دا صدقہ
 بخشیں پاک نبی دیدار جی
 یا رب تترے بخت جگا کر
 ایہہ صابری کر سرشار جی
 خاطر پاک محمدؐ
 خاطر پاک محمدؐ
 ساڈے عمل میں سارے گندے
 خاطر پاک محمدؐ
 اپنی رحمت دا مینہ برسائیں
 خاطر پاک محمدؐ
 اے ساڈے خالق سرجنہارے
 خاطر پاک محمدؐ
 اس پر اپنا کرم کم کر
 خاطر پاک محمدؐ
 کچھ دے حالت ان کی چنگی
 خاطر پاک محمدؐ
 اپنے حبیب دا عشق لگا کر
 خاطر پاک محمدؐ
 فضل کرم دی اپنے نظر کر
 خاطر پاک محمدؐ
 اپنی قدرت کمال دا صدقہ
 خاطر پاک محمدؐ
 بھر کے وحدت جام پلا کر
 خاطر پاک محمدؐ



نعت شریف

اے سوہنے سرور عالم اپنا توری مکھڑا دکھائیو
 خستہ دلاں دل کملی والے جھلت کرم دی پائیو
 آپ بناں پیں کس درجاواں کس توں اپنا حال سناواں کس بدھ اپنا من پرچاواں
 کچھ تو دھیر ددھائیو اے سوہنے سرور عالم . . .
 اے دد عالم دے سوارا سوہنا مکھڑا تورا ستارا بخشو اپنا آپ نظارا
 دیر گھنی نہ لائیو اے سوہنے سرور عالم . . .
 سانوں توری مکھڑا دکھا کر ساڈے بیناں دی پنت بچھا کر پنت بچھا کر دل میں سما کر
 سارے روگ گنوائیو اے سوہنے سرور عالم . . .
 آپ بناں بینوں چین نہ آوے سنا ویڑا دڈھ دڈھ کھاوے اوہ دن کون مبارک آوے
 میں گھر قدم نکائیو اے سوہنے سرور عالم . . .
 جس گھر قدم مبارک آوے اوہو ویڑا عجب سہاوے پھراوہ پھولا نہ سماوے
 اُس دے بھاگ سوائیو اے سوہنے سرور عالم . . .
 یا حضرت تمہیں کرم کساؤ میرے دل دی آپ دوا ہو آپ دے ڈٹھیاں کلی شفا ہو
 رخ توں برقعہ اٹھائیو اے سوہنے سرور عالم . . .
 مکی مدنی شاہ اسوارا تددھ بنا میرا حال آوارہ آپ بناں کون دیوے سہارا
 میں گھر قدم نکائیو اے سوہنے سرور عالم . . .
 میں گھر آپ دے قدم جے آون میرے دکھڑے دور ہنوں جاون شگن مناواں گا دن گاواں
 اتنا کرم کسائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

اے محمد سرور عالم میں گھر جھبھی آئیو جم جم پھر تو دور ہوں سارے غم

بَلِّغْ آئیو آئیو اے سوہنے سرور عالم . . .

بسم اللہ بسم اللہ آئیو میرے سترے جھاگ جگائیو مسیری مشکل حل کرائیو

بَلِّغْ اتنا نہ ترسائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

میں ہوں بھاویں کو بجا جھٹا پر میں پھڑیا آپ دا پلہ اپنے کرم سے بخشتو تلتا

میں دل نظر دکائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

یا نبی آپ ہو اللہ والے میں عاصی دے ہو رکھوالے بھر کے وحدت والے پیالے

میں عاجزوں پلائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

یا نبی سخی آپ دا دوارا آپ دا رتبہ سب تمہیں اعلیٰ جان کے مینوں بُرا نکارا

سوہنا مکھ نہ چھپائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

آپ بناں میں کس توں پکاراں آپ بناں نہ باغ بہاراں خار دسیندیاں ہیں گلزاراں

آ کے رونق لائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

اے سوہنے سائیں کملی والے آپ دے رتبے سب تمہیں باںے آپ دے شگ جونوڑا لگاوے

ادھرت دے من بھائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

نہ کوئی نیک میں عمل کمایا اینویں درتھا جنم گویا مینوں نفس کتے بھرمایا

اس تمہیں آن بچائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

اے سوہنے سرور اللہ دے پیارے میں تو آن پڑا تو رے دوارے آپ ہو کرم کما دن ہارے

خالی نہ درکائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

میرے سترے بخت جگا کے خاص ہی اپنا کرم کما کے مینوں اپنا سمت بنا کے

اپنے پاس رکھائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

ایسا آپ دا عالی پایا ایسا پایا کسے نہ پایا بدن مبارک دا نہ سایہ

لب ادبوں عرش جھکائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

بھانویں ہوں میں گناہیں بھارا پر میں ملیا آپ دا دوارا میں ہوں درد و الم دا مارا

بَلِّغْ نہ جھبٹے کائیو اے سوہنے سرور عالم . . .

اے بادِ صبا تو جائیں مدینے جتھے دس دے رسولؐ گینے میرے آٹھنڈ پاؤں سینے

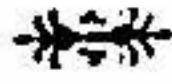
ایسہ میری عرض سناؤ اے سوہنے سرورِ عالم . . .

اے سوہنے دو جگ دے چندا ہندوچ ہے اک عاجز بندہ تجھ بن اس حال ہے مندہ

اس پر ترس ہی کھائیو اے سوہنے سرورِ عالم . . .

صابر تھی نہ رکھ دل میں اندیشہ نام نبیؐ رکھ ورد ہمیشہ پھر ہو روشن دل رگ دریشہ

ایہو سبق پکائیو اے سوہنے سرورِ عالم اپنا توری مکھڑا دکھائیو



نعت شریف

نبیؐ جی پوری کیڑے ویلے ہوڈ توری آس

اے حبیب اللہ دے پیارے جھبیدی بلاؤ اپنے دوارے جیوڑا ہویا ہے آداس

نبیؐ جی پوری . . .

اے میرے سرورِ ماہِ جبینہ ہندوچ رلدائیں نیٹ کمینہ مدینہ آپ دا ہے باس

نبیؐ جی پوری . . .

دم دا ہے گا کی بھروا سا ایہو نگڑی دل وچ آسا تورے قدموں میں نکلے سانس

نبیؐ جی پوری . . .

رورواکھیاں نیرا دچھالے اے میرے سائیں مدینے ولے مینوں بلا لو اپنے پاس

نبیؐ جی پوری . . .

گل کفتی تن بھبوت باواں آپدے دوارے آکے اکھجگاواں گل پا پلٹرا منہ گھاس

نبیؐ جی پوری . . .

پاک جمال دی بھکیا پاؤ میرے مقصد دل دلاؤ سب کاج ہوں راس

نبیؐ جی پوری . . .

پاک جمال دی بھکیا پاکے میں پر اپنا کرم کما کے گھر دو دوئی کا ناس
نبی جی پوری

یارت تیری ذات پاک داصدقہ اوس شہ لولاک داصدقہ خوش بے سارا اجلاس
نبی جی پوری

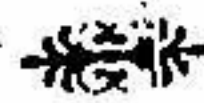
ادگن دیکھ کے ٹکھ نہ چھپائیو روز حشر اللہ اگے فرمایو ایہہ صابری ہمراہ داس
نبی جی پوری کیڑے دیے ہوؤ موری آس



نعت شریف

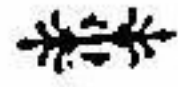
سب بہارے جاؤ نبی سرور دے	جن کی صفت قرآن وچ آئی جی
ایسی شان کسے نہ پائی جی	جن کی شان میں لولاک آیا ہے
ایسا رتبہ کسے نہ پایا ہے	وہ خاص اللہ کے پیارے ہیں
آن ہی کے ظہور یہ سارے ہیں	جب آپ کا نور ظہور ہوا
تب کفر شرک سب دور ہوا	عجب معجزہ کافراں نے پایا
ایسا پر تو آپ دا ہے چھایا	کی آپ دی صفت ساداں میں

جس کا نام لیاں پاپی تر دے
جن کا کلمہ پڑھے خدائی جی
جبرئیل ہیں درباں جن در دے
خود اللہ نے فرمایا ہے
دونوں عالم جن کے ہیں بروے
جن کی خاطر گل پیارے ہیں
جن کی یاد میں سب ہیں دم بھروے
پھر دو جگ نور و نور ہوا
جدوں پیرے پتے پتے رہبر دے
چند ٹکڑے کر کے دکھلائے
گرے کنگرے کسرا قیصر دے
صدقے بہاری جاواں میں



نعت شریف

پاک محمد مصطفیٰ شگ دیکھو پریت لگا صلی اللہ علیہ وسلم
 ہو سب پریتاں کوڑ میں ایہو سچی پریت
 دو جگ دے وچ آپ بناں کوئی نہ ہر امیت
 پڑھ دیکھو حکم خدا۔ پڑھ دیکھو حکم خدا صلی اللہ علیہ وسلم
 فاتبعونی حکم ہے دیکھو وچ قرآن
 بناں محبت آپ دی نہ ہند مسلمان
 حب نبی داسبق پکا، حب نبی داسبق پکا صلی اللہ علیہ وسلم



منتقبت حافظ برکت اللہ

نوریا آن پری منجہار
 دکھ کی ندیا سر چڑھ بولے بحسب چکے برسن اولے
 دین اندھیری منوا ڈولے کس بدھ اتروں پار
 نوریا آن پری منجہار
 ناؤ پرائی دور کنار روٹھ گیا ہے کھیون ہارا
 اب تو تیرو ہی ہے سہارا ایشور کر دے پار
 چھوڑ گئیں سب سکھیاں سیاں تھلیاں فالے شام گوستیاں

تم بن اب کون پکڑے بیٹیاں بسیری ہے سنا
نوریا آن پری منجھار

کرپا کرد من موہن مراری ٹوب نہ جائے واس تمہاری
تم بن پاپن کے بنواری کون ہے تارن ہار
نوریا آن پری منجھار

چشت نگر کے ہو مہاراجہ تیرے ہاتھ ہے موری لاجا
تھلیاں والے غریب نوجا تیرو بڑا ہے دربار
نوری آن پری منجھار

کرپا کرد تورے دوارے آڈل رو رو اپنا حال سناؤں
پتا سناؤں در پر چڑھاؤں حافظ ہنجاؤں ہار
نوریا آن پری منجھار



شجرہ طریقت خواجہ محمد دیوان چشتی صابریؒ

نام بزرگان	سن وصال شریف اور مقام
۱۔ خواجہ خواجگان خواجہ محمد دیوان صابری	۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ ہر دو تھلہ شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔
۲۔ خواجہ حافظ کرم بخش صابری	مانڈہ شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور
۳۔ حضرت امیر شاہ صابری	" " "
۴۔ حضرت جلال الدین چشتی صابری	" " "
۵۔ حضرت یار محمد چشتی صابری	۳ صفر ۱۲۷۱ ہجری
۶۔ حضرت محمد افضل چشتی صابری	۲۷ رجب ۱۲۱۲ ہجری سرہند شریف

۷۔ حضرت محمد یوسف سرہندی

۸۔ حضرت ابوالفتح سنوری چشتی صابری

۹۔ حضرت عبدالقادر سنوری چشتی صابری

۱۰۔ حضرت شیخ داؤد فتح گنگوہی چشتی صابری

۱۱۔ حضرت شیخ بوسعید گنگوہی چشتی صابری

۱۲۔ حضرت شیخ محمد صادق گنگوہی صابری

۱۳۔ حضرت نظام الدین بلخی

۱۴۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری

۱۵۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی

۱۶۔ حضرت شیخ محمد احمد صابری

۱۷۔ حضرت شیخ محمد عارف صابری

۱۸۔ حضرت شیخ عبدالحق صابری

۱۹۔ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء

۲۰۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترک

۲۱۔ حضرت شیخ علاؤ الدین علی احمد صابری

۲۲۔ حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر

۲۳۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکلی

۲۴۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری

۲۵۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی

۲۶۔ حضرت خواجہ محمد شریف زندانی

۲۷۔ حضرت خواجہ شیخ مودود چشتی

۲۸۔ حضرت خواجہ ناصر الدین ابویوسف

۲۹۔ حضرت خواجہ بو محمد حسن

۳۰۔ حضرت خواجہ شیخ ابوالاحمد

” ” ” ” ”

۱۴۔ رمضان ۱۱۸۶ ہجری سنور شریف

۶۔ شعبان ۱۰۹۸ ہجری گنگوہ شریف

یکم ربیع الثانی ۱۰۴۰ ہجری

۱۸۔ محرم ۱۰۶۰ ہجری

۱۸۔ رجب ۱۰۰۵ ہجری

۱۴۔ ذوالحجہ ۹۸۹ ہجری بلخ بخارا

۱۴۔ ذوالحجہ ۹۸۹ ہجری تھانیسری

۱۳۔ جمادی الثانی ۹۴۷ ہجری گنگوہ

۳۱۔ شعبان المعظم ۸۶۸ ہجری ردولی ضلع بارہ بنکی

۲۷۔ صفر ۸۸۲ ہجری ردولی ضلع بارہ بنکی

۱۵۔ جمادی الثانی ۸۳۷ ہجری

۱۷۔ ربیع الاول ۷۶۵ ہجری پانی پت

۱۹۔ شعبان المعظم ۷۱۶ ہجری

۱۳۔ ربیع الاول ۶۹۰ ہجری کلیر شریف

۵۔ محرم ۶۶۸ ہجری پاک پتن شریف

۱۴۔ ربیع الثانی ۶۳۵ ہجری دہلی

۶۔ رجب ۶۳۲ ہجری اجمیر شریف

۱۷۔ شوال ۶۱۷ ہجری مکہ معظمہ

۳۔ رجب ۶۲۰ ہجری قنوج (بحوالہ کتاب سیر الاقطاب)

یکم رجب ۵۲۷ ہجری چشت

۳۔ رجب ۴۵۹ ہجری

۴۔ ربیع الاول ۴۱۱ ہجری

یکم جمادی الثانی ۳۵۵ ہجری

۱۲. ربیع الثانی ۲۲۹ ہجری مکہ معظمہ
 ۱۳. محرم ۲۹۹ ہجری بغداد شریف
 ۱۴. شوال ۲۸۷ ہجری بصرہ
 ۱۵. جمادی الاول ۲۸۰ ہجری بلخ
 ۱۶. شوال ۲۵۲ ہجری مرعش
 ۱۷. ربیع الاول ۱۸۷ ہجری مکہ معظمہ
 ۱۸. صفر ۱۷۷ ہجری بصرہ
 ۱۹. ہجری بصرہ
 ۲۰. رمضان المبارک ۲۰ ہجری نجف اشرف
 ۲۱. ربیع الاول ۱۱ ہجری مدینہ منورہ



۳۱. حضرت خواجہ شیخ ابواسحاقؒ
 ۳۲. حضرت خواجہ علاؤالدین ممشاد دینوریؒ
 ۳۳. حضرت خواجہ ہبیرہ بصریؒ
 ۳۴. حضرت خواجہ ابراہیم ادہمؒ
 ۳۵. حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ
 ۳۶. حضرت خواجہ فضیلؒ
 ۳۷. حضرت خواجہ شیخ عبدالواحدؒ
 ۳۸. حضرت خواجہ حسن بصریؒ
 ۳۹. حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
 ۴۰. حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت شاہ الہی بخشؒ (المعروف بہ پیر الہی شاہ)

آپ کی ولادت باسعادت موضع مولیٰ مہندی تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ہوئی موضع مولیٰ مہندی دریائے بیاس کے کنارے بطرف مغرب لکیریاں ایک اونچے تھیمہ پر واقع ہے۔ یہاں پر دریائے بیاس کا پتہ ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت بروز سوموار ماہ ربیع الثانی بمطابق ۱۸۸۳ بکرمی میاں اللہ دین ولد میاں کمال الدین کے ہاں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کے چار بھائی تھے ان میں سب سے چھوٹے بھائی میاں شمس الدین درویش منش اور تعلیم یافتہ شخصیت تھیں اور علاقے بھر کے گرد و نواح میں اس خاندان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ مائی لاڈو صاحبہ جبکہ آپ کی عمر شریف ۹ سال کی تھی۔ انتقال فرمائیں۔ اسی دن سے میاں شمس الدین علیہ الرحمۃ نے آپ کی پرورش کی ذمہ داری اٹھالی اور دینی و دنیوی تعلیم دینا شروع کر دی۔

آپ بچپن ہی سے ذہین اور بلند خیال رکھتے تھے۔ ویسے بھی آپ کا خاندان بزرگان دین اور درویشوں کا عقیدتمند تھا، لہذا اس خاندانی اثر سے آپ کے دل میں بھی مرشد پاک کے دامن سے وابستہ ہونے کی ازلی تمنا پیدا ہو گئی۔ علاقے کے گرد و نواح میں ایک درویش سائیں مکھن شاہ سلسلہ نقشبندیہ کے جن کی شہرت کافی تھی کے دستِ حق پرست پر بیعت سے سرفراز ہوئے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ سکون قلب کی دولت سے مالا مال نہیں ہوئے حالانکہ آپ نے حسبِ الحکم مرشد پاک بہت زیادہ زہد اور ریاضت کی مگر کوئی بات بنتی نظر نہ آئی۔ سائیں مکھن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر حضرت میاں احمد شاہ مست (جو حضرت عبدالرسول جی علیہ الرحمۃ) بٹالوی کی اولاد سے ایک عارف کامل درویش تھے اور آپ کی آمد و رفت بہ سبب دوستانہ تعلقات کی بنا پر اکثر تشریف لاتے رہتے تھے۔ اُن کی مہمان نوازی کی خدمات میں ہمیشہ پیر الہی شاہ پیش پیش رہتے۔ میاں احمد شاہ مست نے آپ کی اس فرمانبرداری و سعادت مندی سے متاثر ہو کر فرمایا کہ اگر آپ کو سکون قلب اور معرفت الہی کے حصول کی تمنا ہو تو آپ جان نہ چلے جائیں۔ آپ کو کامل درویش بل جائے گا اور دولت معرفت و حقیقت سے نوازے جاؤ گے۔ آپ کی تمناؤں کی کلیاں پھول ہو جائیں گی۔ یہاں تو سوائے زہد و ریاضت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اس وقت آپ کی عمر شریفیت ۱۶ سال کی تھی اور اس دینی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آپ جان نہ چلے گئے اور

میاں بگے شاہ قادری سے دوبارہ بیعت سے مشرف ہوئے۔

میاں بگے شاہ قادری علیہ الرحمۃ پیر قادری علیہ الرحمۃ کے مقبول خلفاء میں سے تھے اور جالندھر کے رئیس خاندان کے چٹم و چراغ تھے باوجود دنیاوی دولت کے آپ نے امیری کو فقیری پر ترجیح دینا زیادہ پسند فرمایا۔ حضرت پیر الہی شاہ قادریؒ حسب الحکم حضرت بگے شاہ قادری کے مسجد بھونیاں المعروف بہ مسجد مولوی ولی محمد میں اقامت اختیار فرمائی اور مرشد پاک دنیا دین کے حسب الارشاد ذکر و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اس دوران میں میاں بگے شاہ قادری کے پیشوا اور رہنما نے پیر الہی شاہ قادریؒ کو قابل جوہر سمجھ کر خود ہی اپنی تربیت میں لے لیا۔ تمام شب مسائل سمجھاتے اور ذکر پاک میں گزر جاتی چودہ سال تک حضرت پیر قادری نے آپ کو تعلیم فرمائی۔ قطبِ دوراں حضرت میاں غلام محی الدین صاحب قادریؒ رئیس اعظم بستی غذاں جو جالندھر شہر سے بطرف مغرب ۲ میل کے فاصلے پر ہے رہتے تھے، اپنے زمانے کے شیخ کامل تھے۔ آپ کے جدی بھائی خاں صاحب فضل کریم رئیس جالندھر بھی آپ کے مرید تھے اور ایک مخلوقِ خدا نے آپ سے فیض اکتساب کیا۔ آپ زہد و تقویٰ کی وجہ سے پیر قادریؒ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا مزار اقدس حویلی میاں امیر خاں میں مزجِ خلافتی ہے۔ پیر قادری صاحب حضرت پیر الہی قادریؒ کو لفظ 'سائیں' کے نام سے مخاطب کرتے تھے اور پیار سے فرماتے تھے کہ الہی شاہ کیسا پیارا نام ہے جو کوئی ان کا نام لیتا ہے خدا کو یاد کرتا ہے اور الہی الہی کرتا ہے۔

جو کوئی ہر نام لے جانتے یا انجان

میرے تن کے چام کے جوڑے اُس پگ آن

حضرت پیر الہی شاہؒ کا لباس سادہ اور اجلا ہوتا تھا۔ سر پر کبھی کبھی ٹوپی اور کبھی پگڑی باندھتے تھے۔ نگلی یا پاجامہ اور چونغہ جو بھی وقت پر میسر ہو جائے استعمال کر لیتے تھے، ہمیشہ ایک جوگیارنگ کا کپڑا بطور رومال ساتھ رہتا تھا۔ ریش مبارک کو دسم لگاتے تھے۔ آپ کی صورت وجیہہ اور موزوں قدر رکھتے تھے۔ آپ آخر شب بیدار ہو کر ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے صبح کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے اور باقی نمازیں اکثر اپنے ڈیرے پر ہی پڑھ لیا کرتے تھے۔

آپ کے ہم عصر بزرگوں میں مولوی غلام رسول اور سائیں بوٹے شاہ جن کے معتقد راجہ میر سنگھ ناچھ والے تھے۔ ان کے علاوہ باوا چتر داس ماجھ والے اور ان کے گرو امرتسر میں اقامت رکھتے تھے اور مونی جی جالندھر کو ڈھل ابدھوت علاوہ پور دھوگرٹی میں رہتے تھے۔ آپ کا حافظہ بڑا قوی تھا ذہن رسا فراست کمال درجے کی تھی تمام عمر مجرور رہے۔ اس لیے صلبی اولاد نہیں تھی مگر معنوی اور روحانی اولاد گرو نواح سارے علاقے میں موجود تھی۔ اگر کوئی آپ کے در پر یعنی صحبت میں چند روز بھی گزارے تو انسان بن جاتا نشست و برخاست میں تمیز حاصل کر لیتا۔ ایک دن جواہر شاہ کو فرمایا کہ جس میں کلام کی سمائی نہیں اس میں عرفان کی سمائی نہیں ہوتی اور ہو بھی نہیں سکتی۔

آپ ادب کا خاص خیال رکھتے تھے اور فرماتے کہ اللہ پاک کو ادب بہت پسند ہے۔ فرماتے جس میں ظاہر کا ادب نہیں ہے اس کو باطن کا ادب کیسے حاصل ہو سکتا ہے اور اکثر اللہ پاک سے دعا کرتے کہ خدا بے ادبی سے بچائے۔ آپ کی ذہانت اور قیافت شناسی مدلل تقریر ایسی ہوتی تھی کہ مخاطب خواہ کیسا ہی بحث و مباحثہ کرے شکستِ فاش کھا کر شرمندہ ہو جاتا تھا۔

ایک دفعہ عالموں کو شعر کے بُرا کہنے پر فرمایا کہ آٹا اچھا ہونا چاہیے پھر روٹی خواہ تنور میں لگاؤ خواہ چولہے کے تو سے پر پکاؤ یعنی نفس مضمون اچھا ہونا چاہیے عہارت نظم ہو یا نثر، بیان کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ اس پر جھگڑا کرنا نادانی ہے۔ ایک دفعہ عالم صاحب نے کہا کہ آپ جو ہمہ دست کہتے ہو تو گویا میاں اور بیوی کو برابر کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا مولوی صاحب! جب آپ عالمِ نساء کہتے ہو تو کیا آپ ماں کو الگ کر لیتے ہو شامل نہیں سمجھتے۔ عالم صاحب یہ تو سمجھ کا پھیر ہے۔

ایک دفعہ میاں علی دادخاں اور شیردادخاں قوالان بستی شیخ درویش نے آیامِ عاشورہ میں امامین کا ختم شریف دلایا۔ آپ کو ضیافت میں مدعو کیا گیا۔ اتفاقاً تمام دن بارس کا سلسلہ جاری رہا تو آپ بارش ہی میں بیگے کپڑوں کے ساتھ مذکورہ بالا قوالان کے گھر پہنچے تو شیرداد نے آپ کو دیکھتے ہی عرض کیا کہ حضرت اس بارش میں آپ کو کافی زحمت اٹھانی پڑی۔ فرمایا کیا امامین سے بھی زیادہ جنہوں نے اتنے مصائب و تکالیف اٹھائیں یہاں تک کہ حق و باطل کی جنگ میں جانوں تک قربان کر دیں اور تمام کنبے کا کنبہ شہید ہو گیا۔ کیا ہم ان کے فاتحہ شریف پر بھی حاضر نہیں دے سکتے۔ آپ کے اس قول نے سب حاضرین محفل کو متاثر کیا۔ شیخ کو ایک شخص اور میاں غلام قادر شاہ اثر جان دھری نے عرض کیا کہ حضرت صاحب! میاں شیردادخاں قوال کا میدان طبع زیادہ تراہل تشیع کی طرف ہے اور اکثر بزرگان دین کی بے ادبی کرتا رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میاں شیرداد! مندرجہ ذیل شعر کے کیا معنی ہیں سے

تا صورت بیوند جہاں بود علیؑ بود

تا نقش زماں بود زمین بود علیؑ بود

ایک دفعہ ایک شخص نے اعتراض کیا کہ حضرت جی! آپ پابوسی کیوں کراتے ہو۔ آپ نے فرمایا! کہ پابوسی ہم خود نہیں کراتے، البتہ جو محبت و عقیدت سے کہے اس کا اپنا فعل ہے۔ ہم منع نہیں کرتے کیونکہ دست بوسی اور پابوسی بزرگانِ طریقت کی سنت ہے اور امام بخاری کی کتاب ادب المفرد سے یہ حوالہ فرمایا:

”قال صہیب رأیت علیا یقبل ید العباس و رجلیہ“

(ترجمہ! صہیب نے کہا کہ میں نے علیؑ کو حضرت عباسؑ کے ہاتھ پاؤں چومتے دیکھا ہے) اس حدیث سے دست بوسی

اور پابوسی مولانا علی مرتضیٰ مشکل کشا کا فعل ثابت ہے۔

ایک دفعہ مولوی ولی محمد صاحب شمس المندر (جاندھر) نے کہا کہ شاہ صاحب! کیا باعث ہے کہ ہم مولویوں اور علماء کے شاگرد جب علم میں زیادہ ترقی کرتے ہیں تو اکثر مسائل میں اپنے اُستادوں سے اختلاف کرتے ہیں اور مقابلہ پر اتر آتے ہیں اور آپ کے مریدین جیسے جیسے سلوک کی منازل طے کرتے ہیں تو فقیرنش ہوتے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ اپنے شاگردوں میں شیخی اور تکبر بھرتے ہیں اور دوسرے علماء کی اُن کے سامنے نفی کرتے ہیں اور اُن کو لیے طریقے سے تعلیم دیتے ہیں جس سے وہ اپنے آپ کو بڑا عالم اور لائق سمجھتا ہے۔ اس میں انانیت پیدا ہو جاتی ہے اور ہمارے ہاں تو آغاز تعلیم کا آمونختہ اپنی ہستی کو نفی کرنا یاد کر لیا جاتا ہے۔ نفس کو زیر کر دو، خودی کو چھوڑ دو، جیسے جیسے میدان ارتقاء میں قدم بڑھاتا جائے گا۔ ویسے ویسے اس کے مزاج میں، ملائمت اور عاجزی و انکساری پیدا ہوتی جائے گی۔

وصال شریف! آپ کا وصال اکثر سال کی عمر میں ہوا۔ آپ تین دن بعارضہ ہیضہ بیمار رہ کر، ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ بمطابق ۵ ستمبر ۱۸۷۹ء اور ۲۲ بھادوں ۱۹۵۴ء بمکرمی بروز اتوار بوقت سرپہر ہوا (انا لله وانا علیہ راجعون) بروز سوموار بوقت صبح ڈیرہ شریف سے جنازہ اٹھایا گیا اور امام ناصر الدین علیہ الرحمۃ کے دربار اقدس کے بالمقابل سید موید علی شاہ (دہلی والے پیروں کے خاندان) کے ایک بزرگ نے نماز جنازہ پڑھایا پھر جنازہ اٹھا کر مکان شریف متصل مقصود پور لایا گیا۔ جنازہ تیسری بار پڑھانے کے بعد دفن کیا گیا اور بوقت ظہر آپ کے جسد اطہر کو سپرد لحد کیا گیا۔ چالیسویں روز میاں غلام احمد خاں صاحب نے جو پیر قادری کے بڑے صاحبزادے اور خلیفہ تھے کے زیر نظر فیض اثر چالیسویں کا قائل ہوا اور سجادگی مقرر کی گئی۔

مکان شریف جاندھر سے چار میل بطرف امرتسر لاہور شاہنشاہ پر واقع ہے۔ عرس پاک ۲۲ بھادوں کو مکان شریف اور ڈیرہ شریف میں منعقد پذیر ہوتے تھے۔

حکیم غلام قادر شاہ صاحب اثر جاندھری سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے ایک بزرگ اور آپ کے معاصر تھے۔ انہوں نے حضرت پیر الہی شاہ قادری کے لیے قطعہ تاریخ وفات تحریر کیا تھا جو مندرجہ ذیل ہے۔

چوں حق آگاہ میاں الہی شاہؒ قد وہ سالکان اہل وجود
بنمودہ عبور از۔ پل موت از وصال حبیب شد خوشنود
عیسوی سال رحلتش ہاتف گفت شیخ شیوخ آواں بود (۱۸۹۷ء)

فرموداتے

بے ادبی سے بچو جب بھی دُعا مانگتے تو زبان گوہر فشاں سے فرماتے کہ اللہ پاک بے ادبی سے بچائے کسی بزرگ کا ادب اور احترام جیسے اس کی زندگی میں کرتے تھے وصال کے بعد اس کے مزار کے ساتھ بھی ویسے ہی ادب سے حاضری دیا کرتے تھے۔

دولت مندوں اور امیروں کی صحبت درویشوں کے لیے زہر قاتل ہے۔

گھروں میں جا کر بیٹھنے سے یعنی عورتوں کی ہم نشینی سے پرہیز کرو، مردوں میں بیٹھنا چاہیے۔

بھنگی، ایفونی، چرسی، شرابی اور نئے بازوں کے پاس قطعاً نہ بیٹھو۔

نام کے حاجی اور نمازی جو اپنے ماتھے پر محراب بنا رکھتے ہیں۔ اُن کی صحبت سے بھی الگ رہو۔ یہ بھی متکبر ہوتے ہیں

اُن کو اپنی عبادت پر نرور ہوتا ہے اور خدا کو عاجزی و انکساری پسند ہے۔

جہاں بھی رہو خوب سُتھرے مکان میں رہائش رکھو۔

لباس کو میدلانہ رکھو، اُجلا رکھو، خدا کو صفائی مرغوب ہے۔

جسم کو غلاظت سے بچاؤ اور ہر وقت اپنے آپ کو صاف سُتھرا رکھو، دانت اور آنکھ کی صفائی کا خیال رکھو۔

دل کو غیر سے صاف رکھو۔

شکل و صورت سے دھوکا نہ کھاؤ۔

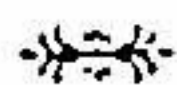
قول برابر کنگلی مول برابر نانہہ بھیکہ برابر ہوت ہے بہیت برابر نانہہ

تشوہیح اسونے کو رتی سے تولتے ہیں تو قول میں رتی سونے کے برابر ہو جاتی ہے، مگر مول میں برابر نہیں ہوتی

اس طرح ظاہری لباس تو سادہ نیکو کار اور بدکار کا ایک ہو سکتا ہے مگر اخلاقی بھید برابر نہیں ہوتا۔

ایک راول جوگی کو مرید کرتے وقت فرمایا یا تو شوق الہی کو دل میں جگہ دو یا بیروں کا شوق پورا کر کے دل بہلایا کرو۔

وہ جوگی اکثر بیٹھے رکھتا تھا۔



حضرت قبلہ محمد خاں شاہ چشتی نظامیؒ

حضرت قبلہ و کعبہ میاں محمد خاں شاہ چشتی نظامیؒ کی ولادت باسعادت بمقام کائنات تحصیل دوسو بہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں ایک مشہور قبیلہ افغان میں ہوئی اور سن ولادت ۱۲۶۰ھ بمطابق ۱۸۹۹ء بکرماجیت ہے بچپن ہی سے آپ کا دل اور دھیان مائل بریادہ الہی تھا۔ آپ کے والد ماجد برطانوی فوج میں سردار کے عہدے پر فائز تھے اور آپ کے برادر بزرگوار دہلی میں بے عہدہ تھانیدار تین تھے؛ چنانچہ مذاق کے مطابق آپ کو بھی عہد شباب میں سواران پولیس کے محکمے میں بھرتی کر دیا گیا۔

طبع مبارک ابتدا ہی سے صوم و صلوة کی پابند تھی اور طبیعت فقر و دست اور سعادت آثار واقع ہوئی تھی دہلی میں دوران ملازمت اکثر جامع مسجد میں ادائے نماز کے لیے جایا کرتے تھے۔ اسی جامع مسجد کے جنوب مشرقی گوشہ کے ایک حجرہ میں حضرت قبلہ شاہ محبت اللہ صاحب متکف تھے۔ دہلی اور گرد و نواح میں حضرت قبلہ شاہ محبت اللہ صاحب کی شخصیت پاک بہت مشہور و معروف تھی۔ آپ ان کی خدمت بابرکت میں اکثر نہایت ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حاضری دیتے تھے؛ چنانچہ اس صحبت صالح کی ہم نشینی کا اثر روحانی کشش کی صورت میں پیدا ہوا اور قلبی و روحی کیفیات سے متاثر ہو کر حضرت قبلہ شاہ صاحب نے اپنے آپ کو بیعت سے سرفراز ہونے کے لیے پیش کیا جو بارگاہ خواجگان میں قبول ہوئی۔ اس طرح سے آپ نے خواجہ محبت اللہ شاہ چشتی نظامیؒ کے چشمہ فیض میں جو خود رحمانی کا منظر تھا۔ حضرت قبلہ کی قلبی استعداد و قابلیت کو اس بے بہا ودیعت کے قبول کرنے کے لیے جو پیران عظام سے سلسلہ بہ سلسلہ حضرت تک موصول ہوئی تھیں محل موزوں سمجھ کر دفعہ دریا ئے فیضان بے کراں کا دریا بہا دیا۔

جب قبولیت نامہ اور استعداد کاملہ کا ملکہ پیدا ہوا تو ایک دن حجرے میں بلا کر خلوت میں کچھ پڑھ کر دم کیا اور فرمایا کہ بوٹی لگا دی ہے۔ اب یہ خود بخود نشوونما پا کر بار آور ہوگی اور اس فیض نظر کا یہ اثر ہوگا کہ اگر پہاڑ پر بھی نظر ڈالو گے تو فوراً مسخر ہو جائے گا۔ بعد ازیں حضرت قبلہ و کعبہ اپنے پیر و مرشد اور قطب دوران کے وصال شریف تک دہلی ہی میں قیام

رکھتے رہے اور اسی طرح اپنی اکتسابی ترقی کے لیے حسب الحکم پیرو مشرشد کی صحبت بابرکت سے مستفیض ہوتے رہے۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ قبلہ محمد شاہ چشتی غلامی علیہ الرحمۃ نے دوران ملازمت اور خواجہ محب اللہ چشتی نظامی کے وصال اقدس سے پیشتر ایک انگریز نے جمعہ جوتے ای۔ تدریس جگہ پر (جہاں پر آپ کی بصیغہ ملازمت تقرری تھی) وہاں داخل ہونے کا ارادہ کیا آپ نے اس بے باکانہ حرکات پر مزاحمت کی اور اسے مقدس مقام پر داخل نہ ہونے یا انگریز کشیدہ و کبیرہ منظر ہو کر واپس چلا گیا۔ آپ نے اسی دن سے ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر لی۔

ملازمت سے سبکدوشی کے بعد آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور سخت مجاہدوں کا آغاز کر دیا ان مجاہدوں کی ادائیگی کے لیے ڈیرہ دون کی پہاڑی سلسلہ کا انتخاب کیا وہاں ان پہاڑوں میں لقمہ ووق جنگلوں میں ایک قدیم مسجد بصورت کھنڈر کھڑی تھی۔ بس اسی کو آپ نے گوشہ نشینی کے لیے منتخب کر لیا وہاں ابھی قیام کیے ہوئے ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت خواجہ خواجگان قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کی عالم رویا میں زیارت سے مشرف ہوئے۔ قطب صاحب علیہ الرحمۃ نے آپ کا بازو پکڑ کر فرمایا کہ چلو ہمارے پاں چل کر رہو۔ ذات خداوندی کی عنایات آپ کو اپنے ارادوں میں کامیابی سے ہمکنار کرے گی۔

اس انکشاف پر آپ نے دہلی کی طرف مراجعت فرمائی جب سہارنپور پہنچے تو ایک مسجد میں فردکش ہوئے وہاں پر حسن اتفاق سے ایک بنو ب صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے کھلنے اور بستر کے متعلق آپ سے استفسار کیا بصورت نفی جواب ملنے پر کسی مزید سلسلہ گفتگو کے بدون فرمایا کہ براہ راست حضرت خواجہ قطب صاحب علیہ الرحمۃ کے درآستانہ پر تشریف لے جائیں۔ یہ جواب سننے پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آپ کو کس طرح اس رازنہاں کی اطلاع ملی ہے۔ اس پر مجذوب صاحب نے فرمایا کہ جب آسماں والوں کو بھی اس رازنہاں کی خبر ہے اور زمین کے (تحت اسری) کو بھی اس رازنہاں کی خبریں مل گئی ہیں تو میں زمین پر رہ کر کس طرح بے خبر رہ سکتا ہوں، لہذا آپ نے یہ سن کر فوراً وہاں سے آغاز سفر کیا جب دہلی پہنچے تو ایک بزرگ نے اسی عنوان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت قبلہ مولانا فخر الدین چشتی نظامی کے سلسلہ عالیہ میں تاقیامت باکمال لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔

حضرت خواجہ قطب دوران کے آستانہ اقدس پر حاضری کے کچھ دنوں بعد آپ نے اجیر شریف کی درگاہ عالیہ پر حاضری دی اور وہیں یہ ارادہ مُعتمد کر لیا کہ جب سلوک کی منازل کی تکمیل نہیں ہوگی۔ آستانہ پاک سے نہیں اٹھوں گا، چنانچہ ایک مدت تک سخت مجاہدے کیے تخر وروحانیت کا ایسا غلبہ ہو گیا تھا کہ فنا فی الشیخ ہو گئے بالآخر رحمت ایزدی کا منہد جوش میں آ گیا اور مرتبہ فنا فی اللہ تک پہنچ گئے۔

اس کے بعد آستانہ اقدس سے اشارہ غیبی ہوا کہ وطن واپس جاؤ۔ وہاں والدین کی خدمت میں رہو؛ لہذا آپ نے

واپسی کے لیے رخصت سفر باندھا اور بیسی نو نواح ہوشیار پور میں پہنچ گئے اور مخلوق خدا کی رہنمائی دل و جان سے کرنے لگ گئے۔ آپ کی اس فیض نظر نے ایک مخلوق کو بھٹکتے ہوئے راستے سے نکال کر راہ ہدایت کی صورت دکھائی۔

آپ کو اپنے مرشد پاک سے ایک تسبیح اور ایک عصا عطا ہوا تھا اور یہ سب کچھ آپ کے لیے بصورت خلافت تھا۔ پھر ایک وقت سید بعض بزرگان طریقت اہل سلاسل نے حضرت قبلہ میاں محمد شاہ چشتی نظامی علیہ الرحمۃ میں کمالات حسن و خوبی دیکھے اور ظاہر و باطن کو چار کھ کر متفقہ طور پر آپ کو منصب جانشینی پر منتخب کر لیا۔ یہ تقریب جانشینی و خلافت حضرت سلطان جی کے آستانہ پاک پر منعقد پذیر ہوئی تھی۔ دستار بندی ہو گئی۔ اس طریقہ سے آپ کو بزرگوں سے خلافت عطا ہوئی۔

ایک دفعہ حضرت قبلہ دھار (راجستھان) بغرض زیارت پیران دھار تشریف لے گئے۔ وہاں سر زمین دھار میں حضرت نظام الدین اولیا محبوب الہی علیہ الرحمۃ کے سلسلے کے اکثر خلفاء مدفون ہیں۔ گویا یہ زمین فردوس بریں کا نمونہ ہے۔ ان بزرگوں کے مزارات مقدسہ میں حضرت عبداللہ شاہ چنگال علیہ الرحمۃ کا بھی مزار اقدس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے آستانہ اقدس پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس پر تحریر ہے کہ صاحب مزار علیہ الرحمۃ منجملہ صحابہ کبار حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور راجہ بھوج کے عہد حکومت میں یہاں تشریف لائے تھے۔ یہاں اگر راجہ مذکور کو مشرف بہ اسلام کیا اور وہ مسلمان ہو گیا تھا، چنانچہ راجہ بھوج کی قبر حضرت کے روضہ مبارک کے بالمقابل ہے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے چالیس صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ اجمعین تشریف لائے۔

جن کو یہاں پر شہید کر دیا گیا تھا اور سب کو ایک کنویں میں ڈال کر اوپر سے کنویں کا منہ بند کر دیا گیا تھا۔ حضرت علامہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ جو بابا فرید گنج شکر کے پوتے ہیں، ان کا مزار اقدس بھی اس جگہ پر مرجع خلائق ہے۔ جامع مسجد انور میں حضرت قبلہ نے تقریباً اڑھائی برس تک اعتکاف کیا۔

راجہ بھوج ۱۶۰۰ء۔ ۱۶۱۸ء پر آم آردہ خاندان میں ایک طاقتور راجہ تھا وہ فنون لطیفہ کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ اس نے علم نجوم پر اکثر قیمتی کتابیں لکھیں۔ اس کے علاوہ فن تعمیر پر بھی کئی ایک کتابیں لکھیں۔ خود شاعر تھا۔ اس نے ایک بہت وسیع جھیل جس کا رقبہ ۲۵۰ میل تھا۔ بھوپال کے بطور جنوب مشرقی تعمیر کی دور وسطیٰ میں یہ انجینئرنگ کا ایک بہت بڑا نمونہ تھا۔ پندرہویں صدی عیسوی میں راجہ ہوشنگ شاکاف ماٹونے اس جھیل کے کناروں کو توڑ کر پانی کو نکال دیا۔ اب جھیل کی جگہ زراعت ہوتی ہے۔

۱۶۰۰ء اور ۱۶۱۸ء کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایک مشہور معروف امین کھانڈاری لوے اسٹیشن ہے۔ اندور سے ایک سڑک مغرب کی طرف دربار کو جاتی ہے۔ اس کی بنیاد رانی اہلودالیہ بانی نے رکھی جو کہ سرسوتی اور کبان دیوال کے کنارے پر واقع ہے۔ شہر کے اندر متعدد عمارتیں لال باغ پیلین مانگ باغ پیلین اور کٹیج محل واقع ہیں۔ (مدھیہ پردیش۔ لوزم ڈی پارٹمنٹ بھارت)

اس زمانہ میں یہ مسجد بالکل بے رونق تھی۔ بہت کم لوگ اس میں نماز کے لیے آتے تھے۔ آپ کے تشریف لانے کی برکت سے جلد ہی اس میں رونق عود کر آگئی اور اللہ رسول کے اذکار ہر وقت جاری رہنے لگا۔ ایک دفعہ اہم دور میں قیام کے دوران مہاراجہ اندور نے آپ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا جس مسجد میں آپ کا قیام تھا وہاں ایک بزرگ ترین ہستی پاک کا مزار اقدس تھا۔ اکثر مرہٹے صاحب مزار سے عقیدت رکھتے تھے۔ ان میں یہ دستور تھا جب کوئی دلی مراد ان کی حسبِ تمنا برائے تو ان کے مزار اقدس پر آتے اور اس وقت تک قیام رکھتے تھے۔ جب تک کہ ان کو صاحب مزار کی طرف سے بشارت یا اشارہ خواب میں نہ ہو وہ واپس گھر نہیں جاتے تھے۔ اتفاق سے جب آپ وہاں پر تشریف لے گئے تو شخص وہاں قیام رکھتے تھے اور کسی حکم یا اشارہ کے منتظر تھے اور زیادہ انتظار مدت گزر جانے کے باعث پریشان ہو رہے تھے تو وہ حضرت قبلہ میاں محمد شاہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کی کہ ہم لوگ مہاراجہ اندور کے خاص ملازم ہیں۔ ہماری مدتِ قیام ختم ہو چکی ہے۔ لیکن صاحب مزار کی طرف سے اجازت نہیں ملتی۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا اجازت ہو جائے گی: چنانچہ دوسرے دن ان کو اجازت مل گئی جب یہ لوگ مہاراجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زیادہ مدت غیر حاضری کی باز پرس کی۔ انہوں نے آپ کے متعلق بھی سب کچھ بتلا دیا۔ مہاراجہ صاحب ان دنوں سخت بیمار تھے تو مہاراجہ صاحب نے دفعیہ مرض کے لیے دعا کی التجا کی اور ساتھ ہی ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا کہ یا تو غریب خانے پر تشریف لائیں یا مجھے حاضری کا موقع بخشیں۔ یہ پیغام مہاراجہ صاحب کا دو شخص لے کر گئے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہم زمرہ فقراء و مساکین سے ہیں۔ ہمیں راجوں مہاراجوں سے کیا کام ہے بلذاتہ اشخاص یہ جواب لے کر راجہ صاحب کے پاس گئے۔ راجہ یہ جواب سُن کر خود ہی حاضر ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس پر آپ کو خبر ہو گئی۔ آپ نے خود ہی اپنی بے جا مشتمری و غوغا کا موجب سمجھ کر تشریف لے گئے۔ راجہ صاحب نے عرض کیا کہ مجھے فلاں مرض ہے اور میں کافی پریشان ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ فقیروں کی دعا اللہ پاک کی بارگاہ اقدس میں مشیت کے خلاف کوئی اثر نہیں رکھتی۔ بزرگانِ دین کی حرکات و سکنات ارادہ انہندی کے تابع ہوتے ہیں، لہذا انسان اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کر کے پھران کے دہرناک مفساد کو دور کرنے کے لیے کسی نیک وسیلہ کے تریاق کو جو رحمت الہی کا مظہر ہے۔ درمیان میں لائے تاکہ اللہ پاک اس کی دعائے عاجزی قبول فرمائے اور تمہاری تکلیف کی وجہ یہ ہے کہ تم نے اپنی سعایا پر ایزادی و محصول اور تشدد کو روا رکھا ہے پس غریب مظلوموں کی آہ و گریہ کے اثر سے جناب باری کی طرف سے یہ مصیبت نازل ہوئی ہے یہ مقام شکر ہے کہ تمہارا کیف کردار ایک مرض کی صورت میں نمودار ہوا ورنہ اگر اقبال جو اصل ضرر رساں ہے چھین لیا جاتا تو کون روک سکتا تھا، لیکن یہ اس کی جود و سخا و عنایت کا تقاضہ ہے کہ وہ ہماری بہت سی کرتوتوں اور برائیوں پر عفو کرتا ہے اے مہاراجہ! اگر آپ اس سے عبرت حاصل کر کے تائب ہو جائیں اور مخلوق خدا کے ساتھ انصاف اور شفقت و رحمت

کارویہ اختیار کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد یہ مصیبت راحت میں تبدیل ہو جائے گی۔

ایک دفعہ آپ جامع مسجد دہلی میں ٹہل رہے تھے کہ مجتہد بانہ صورت بزرگ حضرت قبلہ کے پاس تشریف لائے اور کچھ تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد حضرت قبلہ نے ان سے فرمایا کہ چائے پیو گے تو انہوں نے جواب دیا کہ میری چائے لاہور پیالہ میں بھر کر رکھی ہوئی ہے۔ بس یہ کہہ کر تشریف لے گئے۔ ایک درویش نور الدین سے آپ نے فرمایا کہ دیکھو یہ بزرگ کس طرف گئے ہیں۔ وہ مسجد کی سیڑھیوں کے باہر کی طرف دیر تک دیکھتا رہا مگر وہ سیڑھیوں سے باہر نہیں نکلا اور نہ ہی وہ سیڑھیوں میں موجود تھا۔ اتنے میں حضرت قبلہ نے درویش نور الدین کو مسجد کے اندر لاکر فرمایا کچھ پتہ چلا کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ وہ سیڑھیوں سے باہر نکلتا نظر نہیں آیا۔ فرمایا پھلے آدمی وہ تو لاہور بھی پہنچ چکے ہیں۔

وصال شریف !

وصال شریف نے چار پانچ ماہ پیشتر ہی اگرچہ تنہائی و سکون زیادہ پسند خاطر رہا۔ یوم الوصال سے پہلے آپ مرض اسہال میں مبتلا ہو گئے جو یوم الوصال سے ایک دن پہلے بند ہو گئے تھے۔ اسہال کے بند ہو جانے پر آپ نے کوئی بھی دوائی سوائے جوہر مہرہ اور عنبر وغیرہ کے استعمال نہیں فرمائی۔ بروز جمعہ لوگوں کو فرمایا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا کریں۔ سوائے میاں علی محمد خاں صاحب کے جو حضرت قبلہ کے پاس رہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں دوائی دو میاں صاحب نے حسب الحکم جوہر مہرہ حل کر کے دہن مبارک میں ڈالا تو مٹھا آنکھیں بند کر لیں۔ میاں صاحب نے ذرا جھک کر دیکھا تو آپ نے آنکھیں کھول دیں تو آپ کا طائر روح اقدس پرواز کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ کی عمر شریف بہتر برس کی تھی۔ ۱۸ جمادی الثانی ۱۲۳۲ ہجری بروز جمعۃ المبارک واصل حق ہوئے۔ مزار اقدس بسی نو ہوشیار پور میں مزاج خاص و عام بلا لحاظ مذہب و ملت ہے۔ مزار مبارک کے سامنے وہ حجرہ جہاں آپ کا قیام رہا اور نماز معکوس ادا کرتے رہے۔ ابھی تک موجود ہے۔ فارسی کے مشہور شاعر مولانا شیخ غلام قادر گلامی صاحب کو حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ سے دلی عقیدت تھی جس کا اظہار انہوں نے مندرجہ ذیل رباعی میں کیا ہے۔

بالغ نظر ، باخبرم ، آگاہم

از حلقہ گوشاں محمد شاہم

من دست بدامن محمد زدہ ام

دادند باوج عرش عفی راہم

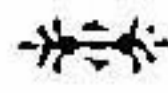
اقوال ذریں !

دنیا دار کو دنیا کے کام ترک کرنا ضروری نہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ اُن میں دل نہ لگائے۔

گنہگار کے لیے بزرگوں کی صحبت ایسی ہے جیسے دھوپ میں سفر کرنے والے کے لیے سایہ دار درخت جس طرح دھوپ کی کلفت کو دور کرتا ہے۔ اس طرح بزرگوں کی صحبت گناہوں کے اثر کو دور کرتی ہے۔

دل کو تمام نقوش سے صاف و مجلی کرنا چاہیے جب جلا و تمام ہوگا تو تمام تجلیات اس میں خود بخود معکوس ہوں گی۔
ذکر کا ذکر دل میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ اگر غفلت ہو جائے تو ضائع نہیں ہوتا۔

آدمی میں دو رنگوں کے ذریعے شیطان اثر کرتا ہے۔ ایک رگ گردن، دوسری کمر میں ان رگوں کو اگر توڑ دیا جائے تو شیطان بلا سے امن ہو جاتا ہے۔ کمر کی رگ اس طرح ٹوٹی ہے کہ یہ چھوٹے بڑے کی خدمت کے لیے کمر کو خم کرے اس طرح گردن کی رگ گردن کو خدائے واحد کے سامنے جھکانے سے ٹوٹی ہے۔ (حوالہ "یاد پیر" از محمد عمر خاں ہوشیار پور)



میاں علی محمد خاں چشتی نظامی

میاں علی محمد خاں چشتی نظامی کی ولادت باسعادت ۱۲۹۹ھ بمطابق ۸۲ - ۱۸۸۱ء میں بمقام بسی نو عمر خاں ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد عمر خاں تھا۔ یہ گاؤں آپ کے والد ماجد ہی کے نام پر منسوب تھا جس کی بنیاد انہوں نے خود ہی رکھی تھی۔ آپ افغان خانوادہ کے چشم و چراغ تھے اور صاحب علم و فضل صوفی منش تھے۔ انہوں نے دو کتابیں بعنوان "تہذیب دھرم" اور "یاد پیر" کے نام سے تحریر فرمائیں۔

"یاد پیر" میاں محمد شاہ چشتی نظامی علیہ الرحمۃ کے حالات حیات مبارک پر مبنی تحریر کی تھی اور "تہذیب دھرم" مذہبی علوم پر مشتمل تھی۔ میاں علی محمد خاں کی تعلیم و تربیت زیر نظر فیض اثر حضرت قبلہ میاں محمد شاہ آپ کے نانا کے ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ کو فاضل اساتذہ کی زیر نگرانی میں زیور تعلیم سے آراستہ کیا گیا۔ علم طب و فنون سپہ گری میں کمال حاصل کیا۔ جب آپ دنیوی تعلیمات سے فراغت حاصل کر چکے تو آپ کے نانا قبلہ میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے دست حق پرست پر مشرف بہ بیعت فرمایا اور علم روحانیت کی تعلیم کا آغاز کیا اور سخت ریاضتیں اور مجاہدے کرائے۔ ان سخت مجاہدات کا اثر ایسا ہوا کہ آپ نے جلد ہی سلوک کی منازل طے کر لیں۔ آپ کا شمار کامل درویشوں کے زمرے میں ہونے لگا۔ مخلوق خدا کو راہ مستقیمہ کی تعلیم و تربیت فرمانے لگے۔

آپ کی صورت و جہہ اور پرکشش تھی جو ایک دفعہ آپ سے نیاز حاصل کر لینا دل و جان سے گرویدہ ہو جاتا۔ اپنے

نانا قبلہ یعنی پیر و مرشد کے وصال شریف کے بعد آپ سجادہ نشین ہوئے جب آپ نے فرائضِ خلافت و جانشینی کے اختیار فرمائے تو نظام حیدرآباد دکن کے درباری شاعر جناب مولانا غلام قادر گرامی صاحب نے قطعہ ذیل کہا۔

محرم نکتہ خفی و جلی

جانشین محمد است علی

آفتاب آفتاب زاست دلیل

درخور مسند ولی است ولی

خدا کی مخلوق کی رہنمائی اس طریقے سے فرمائی کہ لوگ باگ اپنے آباؤ اجداد کہنے اصول بدیوں کو چھوڑ کر نیکی کے راستے پر گامزن ہو گئے۔ شریعت کی پابندی اور اصول زندگی کے طور طریقے اپنانے لگے۔ ہر بڑے رسم و رواج سے توبہ کر لی اور ایک سچے جان نثار کی طرح شریعت محمدیؐ کے پیروکار بن گئے عشق و محبت کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ بلا تیز مذہب و ملت ہر انسان آپ سے والہانہ عشق و محبت رکھتا تھا۔

آدابِ تسلیمات بجالانا آپ کے سامنے اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ نمود و نمائش سے پرہیز کیا۔ سادہ لباس زیب تن فرماتے اور بہت تھوڑی مقدار میں سادہ خوراک استعمال فرماتے تھے۔

آپ نے پاکستان کی تحریک آزادی میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ کے انتخاب ہوئے تو اس انتخاب کو مسلم لیگ کے حق میں کامیاب کرنے کے لیے انتھک کوششیں فرمائیں اور اپنے عزیز واقارب کے علاوہ دوست احباب اور مریدین کو ہدایت فرمائی کہ مسلم لیگ جماعت کو ووٹ دے کر کامیاب کرائیں تاکہ قوم مسلم بھی غلامی کے جوئے سے خلاصی حاصل کرے اور آزادی جو کہ ایک پیدائشی حق ہے۔ قوموں کے لیے آزادی کا سانس لینا نصیب ہو۔ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو کر مخلوقِ خدا کی خدمات کو اپنا شعار بنائیں۔

تقسیم ہند کے وقت آپ نے لاہور میں ہجرت کے بعد قیام فرمایا۔ یہاں چند ہفتے قیام کے بعد مستقل سکونت کے لیے پاکستان شریف تشریف لے گئے۔

آپ نے پاکستان شریف میں رہ کر مخلوقِ خدا کی رہبری و رہنمائی فرمائی اپنے مریدین کو درس و تدریس کے ذریعے دینی اور دنیوی تعلیمات سے ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ اکثر حضرت اکبر محی الدین ابن عربی کی تالیف کا درس دیتے اس کے علاوہ فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کا درس بھی دیتے تھے تاکہ سلسلہ سے منسلک ہونے کے ساتھ ساتھ طریقت و شریعت کے مسائل کا بھی کما حقہ معلومات حاصل ہوں۔ چشتیہ سلسلے میں تعلیم مریدین کے لیے ایک اہم جز سمجھا جاتا ہے تاکہ سلسلے کی صحیح طور طریقے پر تبلیغ اور نشوونما ہو سکے اور اس میں کسی قسم کا بگاڑ پیدا نہ ہو سکے۔ بقول: ان پڑھ مرید کی تعلیم نامک

ٹوئیاں ہوتی ہے۔ جاہل فقیر و درویش سے دُور دُور بھاگو اس نظریے کے پیش نظر تعلیم کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ صحبت نشینی سے ادب و آداب اور اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ تو آجاتا ہے۔ مگر تعلیم سے جو مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے مخلوق خدا کی رہنمائی اور رہبری مقصود ہوتا ہے۔

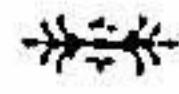
میاں علی محمد خاں صاحب، صاحب تصنیف تھے۔ آپ نے مندرجہ ذیل کتب تحریر کر کے بحیثیت مبلغ سلسلے کی بہت بڑی خدمات سرانجام دیں ہمیں اور یہ سلسلے کے لیے مشعل راہ کا کام دیتی ہیں جس سے ہر فرد استفادہ کر سکتا ہے۔

۱۔ راہ فرار ۲۔ تفسیر نون ۳۔ مکتوب در مسئلہ وحدت الوجود۔

راقم الحروف نے میاں صاحب کی زیارت کے علاوہ آپ کے درس میں بھی ایک دفعہ شرکت کی تھی۔ آپ کی ذات اقدس سے ہزاروں لوگوں نے استفادہ کیا ہے۔ آپ کو کتب بینی کا بہت شوق تھا۔ آپ کے مطالعہ میں شریعت طریقت اور فقہ کی کتابیں رہتی تھیں۔

وصال شریف!

آپ کا وصال شریف ۱۵ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ بمطابق ۲ جنوری ۱۹۷۵ء کو لاہور میں ہوا۔ میت پاکستان شریف لائی گئی اور درگاہ پاک بابا فرید علیہ الرحمۃ کے صحن میں سپرد لحد کی گئی۔ یہیں پر مزار اقدس بنا۔ (علمائے پنجاب)



حضرت سید میراں غلام محی الدین قادری

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ میں ایک مرد فاضل، عالم، عابد و زاہد اور صاحب ارشاد تھے۔ اول چند پشت سے ان کا قیام لاہور میں تھا۔ پھر جب بوقت آمد احمد شاہ درانی بادشاہ نے اس خاندان کی بزرگی کا احوال سنا تو آپ کے چچا بزرگوار سید علی اکبر قادریؒ کو جو اپنے وقت کے عالم و فاضل اجل، طبیب حاذق تھے۔ ہزاروں التجاؤں کے ساتھ اپنے ہمراہ پنجاب سے واپسی پر کابل کو لے گیا۔ اس وقت سید غلام محی الدین قادری بھی سولہ برس کی عمر میں اپنے عم بزرگوار کے ساتھ کابل تشریف لے گئے اور چند سال وہاں قیام رہا۔ پھر جب حضرت سید علی اکبر قادری بادشاہ مذکور سے رخصت لے کر وطن کو تشریف لائے تو راستہ میں راجہ رنجیت دیو والی جتوں نے اُن کو اپنے پاس بلالیا۔ آپ کے چچا نے جتوں ہی

میں وصال فرمایا اور حضرت جموں سے گوجرانوالہ تشریف لائے۔ رنجیت سنگھ کے باپو جے سنگھ کنھیا نے اُن کی گوجرانوالہ میں عزت و توقیر کر کے چاہا کہ آپ اُٹھی کی ریاست میں سکونت اختیار فرمائیں، مگر آپ نے اس کی درخواست کو قبول نہ کرتے ہوئے لاہور تشریف لے آئے۔ لاہور میں آتے ہی جے سنگھ کنھیل نے اپنے علاقے قصبہ کیریاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں درخواست کر کے آپ کو لے گیا، لہذا آپ اس کی درخواست پر کیریاں چلے گئے۔ قصبہ مذکور کے عقیدتمند لوگوں نے آپ سے ایسے والہانہ انداز سے محبت کی کہ آپ نے لاہور دوبارہ آنے کا ارادہ ملتوی فرمایا، بلکہ حسب التجائے چودھری مہنجی خاں ملک و رئیس دوسوہہ اور نوروز خاں رئیس میانی افغاناں اور حسب فرمائش رئیس غلڑیاں آپ کی شادی ایک سید خاندان المعروف بہ ہنزواری بمقام کوٹلہ نواح عالم پور میں ہو گئی اور ایک مدت تک موضع مذکور میں سکونت اختیار فرمائی۔ اسی موضع میں آپ کا وصال ایک ہزار دوسو چوالیس (۱۲۴۴ھ) میں ہوا۔ حضرت صاحب کی اولاد کی زبانی مذکور ہے کہ جب حضرت سید علی اکبر کابل تشریف لے گئے تو علمائے شیعہ نے اُن کے ساتھ علمی بحث کی اور ایران سے بہت سے علماء اپنی مدد کے لیے بلائے گئے، مگر آپ سب پر غالب آگئے اور بادشاہ نے خوش ہو کر ان کو مرزا بہادر کا خطاب دیا اور انعام اس قدر بخشا کہ یہ ملام مال ہو گئے جب عندالبحث علمائے شیعہ عاجز ہو جاتے تو یہ کہتے کہ ارم ملار فیع را کہ بانسید علی اکبر، مباحثہ نماید اور ملا ایک عالم جید ایرانی تھا جو اسی زمانہ میں مرچکا تھا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعد وفات سید علی اکبر کے سید محسن ان کا فرزند جموں سے لاہور کو آنے لگا، تو سردار غلام محمد چٹھہ جس کی ریاست رسول نگو ضلع گوجرانوالہ میں تھی۔ ان کو راستے سے بلا کر لے گیا جب وہاں سنگھ نے رسول نگر پر یورش کی اور ریاست غلام محمد کی درہم برہم ہونے لگی اور وہ اس پریشانی سے گھبرا کر حضرت سید محسن قادری رحمۃ اللہ علیہ کے دریاقدس پر حاضر ہوا جس میں سائی کرتے ہوئے دست بستہ گزارش کی کہ حضرت جی ہماری ریاست ہماری ملکیت سے جا رہی ہے۔ بارگاہ اقدس رب العزت میں دُعا فرمائیں ورنہ سکھوں کا قبضہ ہو جائے گا اور ہم بہرہ دار ہو جائیں گے۔ آپ نے اُس کی التجا پر فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ پیران پیر دستگیر جناب غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پر سوار خالصہ فوج کے درمیان سکھوں کی مدد فرما رہے ہیں، لہذا میری وہاں تک رسائی نہیں کہ میں کچھ درخواست یا عرض و معروض کر سکوں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اب اپنا بولریا بستر لپیٹو گے۔ جب عنان حکومت خالصوں کے ہاتھ آگئی تو تو سید محسن قادری نے مندرال والا میں سکونت اختیار فرمائی۔

اولادیں

سید غلام محی الدین قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند (۱) سید غوث (۲) سید غلام المشہور بہ شاہ صاحب
(۳) سید غلام رسول (۴) میراں حافظ سید محمد شاہ (۵) میراں سید غلام گیلانی یہ پانچوں اپنے وقت کے یگانہ تھے۔ شجرہ

نسب ان کا حضرت غوث پاک محی الدین عبدالقادر گیلانی رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسلک ہے۔

آپ کا شجرہ نسب جناب غوث پاک رضی اللہ عنہ سے اس طرح ملتا ہے۔ حضرت میراں غلام محی الدین بن سید محمد طاہر بن سید عبدالقادر بن سید محمد شاگرد بن سید محمد آدم بغدادی بن سید اسمعیل بن شاہ یعقوب بن سید موسیٰ بن سید صوفی علی قادری

حضرت سید غلام محی الدین قادری گیلانی کے آباء اجداد میں سے سید محمد غوث اپوج میں علب (شام) سے تشریف لائے روایت ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے حضرت غوث پاک پیران پیر دستگیر نے خواب میں حاکم ملتان حسین لانگا کو بشارت دی کہ میرا فرزند ارجمند ملتان میں آ رہا ہے تو اپنی دختر کا عقد اس سے کر دینا۔ لہذا جب آپ ملتان تشریف لائے تو حاکم ملتان نے اپنی دختر کا عقد آپ سے کر لیا۔ علاوہ اپوج کو بطور جینز میں پیش کیا جس کو آپ نے قبول کر کے علاقہ اپوج میں سکونت اختیار فرمائی آپ نے کئی ایک کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اب آپ کی اولاد وہیں موجود ہے۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ (۱) عبدالقادر ثانی۔ (۲) عبداللہ ربانی۔ (۳) سید مبارک حقانی۔ (۴) سید محمد نورانی۔ ان میں سید محمد نورانی۔ سید عبدالقادر ثانی کی اولاد کچھ تو صاحب سجادہ اپوج میں موجود ہے۔ کچھ سلطان پور میں جاگیر دار ہے اور کچھ دیپالپور میں مخدوم خلائق۔ حضرت شاہ چراغ اور عبدالقادر ثالث انہیں کی اولاد ہے جن کے مزارات لاہور میں مرجع خلائق ہیں۔

سید عبداللہ ربانی کے صاحبزادے سید محمد اسمعیل گیلانی قادری تھے۔ آپ اپوج شریف سے بعہد اکبر بادشاہ، لاہور تشریف لائے۔ شہنشاہ اکبر نے فیروز پور (بھارت) میں آپ کو ایک ہزار بیگمہ زمین مزارع عنایت کر کے درخواست کی کہ آپ لاہور تشریف لائیں، لہذا آپ نے بنیال سکونت لاہور تشریف لاکر محلہ لکھیاں میں موجودہ نام ہال روڈ تمام امراء و شرفاء لاہور معہ بادشاہ ان کی خاطر داری بدرجہ کمال کرتے تھے۔ وقت آبادی شہر اس ٹیلے (ڈھابری بل وڈی کے نواح میں آبادی تھی) سکونت پذیر ہوئے اور یہ ٹیلہ سیکڑہ تھی۔ آپ نے سلسلہ قادری میں ایک خاص مقام پیدا کیا۔ جس سے ایک خلق کثیر کو فیضانِ غوثیہ سے نوازا۔ آپ کا وصال ۵ ربیع الاول ۹۷۸ھ میں لاہور میں ہوا۔ مزار اقدس آپ کا عالی شان مندر و گنبد حسب الحکم اکبر بادشاہ کے تعمیر ہوا تھا۔ مزار اقدس پرانی انازگی بر لب مرکز مرجع خلائق ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے جن کے اسمائے گرامی سید بدر الدین (مزار میانی قبرستان ایک ٹیلہ پر واقع ہے) دوسرے صاحبزادے سید حاجی بہاؤ الدین قادری گیلانی تیسرے صاحبزادے کا اسم گرامی سید قطب الدین قادری گیلانی تھے۔ ان میں سے دو کی اولاد دست گھرہ اور دیپالپور میں آباد ہے سید بدر الدین گیلانی قادری کی اولاد لاہور میں رہائش رکھتی تھی۔ حضرت سید بدر الدین قادری گیلانی کے صاحبزادے حضرت سید صوفی علی قادری گیلانی تھے۔ آپ ولی کامل اور قطب دوران تھے۔

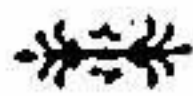
شہنشاہ اکبر نے آپ کو ایک ہزار بیگمہ زمین بطور نذرانہ پیش کیا تھا۔ مگر آپ نے اس نذرانہ کو قبول نہیں فرمایا تھا۔ اور اس نذرانے کی سند آپ کے کمرے میں پڑی رہی۔ حسب الوصیت ان کی کسی اولاد نے اس سند پر توجہ نہیں کی، چنانچہ وہ سند سید اصغر علی قادری گیلانی آپ کے پیسرے کے پاس بوقت شورشِ خالصہ ضائع ہو گئی۔ آپ نے دینِ اسلام

گیلانی بن سید بہاؤ الدین بن سید اسمعیل ثانی بن سید عبداللہ بن سید محمد غوث اویح شریف بن شمس الدین بن سید علی بن شاہ مسعود بن سید احمد بن سید صوفی بن سید نصر بن سید سیف اللہ بن عبدالوہاب بن حضرت غوث پاکؒ آپ کا وصال شریف ۱۲۸۴ھ میں ہوا۔

فصل نوٹ:

کی بہت زیادہ خدمات سرانجام دیں۔ وصال شریف آپ کا ۱۰ رجب المرجب ۱۰۰۲ھ میں لاہور میں ہوا مزار اقدس تکیہ انبلی والا عقب نئی انارکلی مزج خلالتق ہے۔ دور خالصہ میں رنجیت سنگھ نے آپ کے مزار اقدس کا تمام سنگ مرمر اتار کے مزاروں کی بربادیاں کر دیں۔ آپ کے صاحبزادے حاجی سید محمد ہاشم قادری گیلانی اور سید محمد قاسم قادری گیلانی اور سید موسیٰ قادری گیلانی تھے۔ ان میں سید محمد قاسم قادری گیلانی بابرکت بزرگ ہستی تھیں۔ شریفیت پاک کے سخت پابند تھے۔ طریقت میں اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چل کر مخلوق خدا کی رہنمائی فرماتے رہے۔ آپ کا مزار اقدس محمد افضل پیر (جو خادم حضرت محمد اسمعیل قادری گیلانی جد امجد ان کے کا تھا) نے تعمیر کروایا تھا۔ مزار پر عالیشان اور خوبصورت گنبد بنوایا تھا، مگر رنجیت سنگھ نے دور خالصہ حسب حکم مسمار کر دیا گیا تھا۔ آپ کا وصال شریف ۱۰۰۰ھ میں ہوا۔ مزار اقدس تکیہ انبلی والا میں مزج خلالتق ہے۔

سید ہاشم شاہ قادری گیلانی کے صاحبزادے سید فاضل شاہ قادری گیلانی تھے۔ جب آپ کے والد حج کو جانے لگے۔ آپ اس وقت خوردسال تھے۔ آپ کے والد نے فرمایا کہ ہماری غیر حاضری میں کہیں باہر نہ جانا، مگر آپ نے یہ سمجھا کہ گھر سے باہر بالکل نہ جانا۔ والد ماجد آپ کے عرب میں راہمی ملک بقا ہو گئے اور آپ نے مدت العمر گھر سے باہر قدم نہ رکھا۔ آپ قائم ایمل اور دائم الصوم مشہور تھے۔ شاہ عالم بادشاہ اگرچہ بڑا متعصب متشرع یعنی فقرا سے ارادت کم رکھتا تھا، مگر آپ کا بدرجہ کمال ارادتمند تھا؛ چنانچہ ایک گاؤں بعد از وصال آپ کے برائے اخراجات خانقاہ کا نذرانہ بصورت سند تحریر کر کے ارسال کیا جو دور خالصہ میں ضبط ہوا۔ آپ کا وصال شریف ۲ ذوالحجہ ۱۱۱۲ھ میں ہوا۔ مزار اقدس مسجد بے بدل خاں کے متصل ہال روڈ بالمقابل مزار اقدس حضرت اسمعیل محدث واقع ہے۔



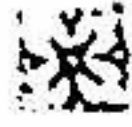
حضرت میراں سید غلام المعروف شاہ صاحب قادری

یہ بزرگ منجھلے بیٹے حضرت سید غلام محی الدین قادری گیلانی کے تھے۔ ابتدا عمر ہی میں آپ کا خیال ترک و تجرید و عبادت و ریاضت کی طرف تھا اور دنیاوی کاموں سے از حد نفرت تھی۔ سوائے عبادت و ریاضت کے اور کوئی شغل ملحوظ نہ ملتا تھا؛ چنانچہ پچاس برس تک آپ نے موضع ہردو تھلہ شریف تحصیل دوسو بہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں خلوت و گوشہ نشینی اختیار کیے رکھا اکثر اوقات شب کو موضع مذکور کے گرد و نواح کے جنگلوں میں چلے جاتے اور شب بیداری و تنہائی میں یکسوئی سے خدائے پاک جل جلالہ کی ریاضت و عبادت کرتے۔ یہاں تک کہ کمال عروج تک پہنچے۔ آپ کا شمار اولیائے عظام میں ہونے لگا اور اس آستانہ خوشیت سے ایک مخلوق خدا کو فیض دینی و دنیوی پہنچا۔ ارد گرد کے مواضع جات کے عوام نے آپ کے زیر سایہ رہ کر راہ مستقیم اختیار کی اس طریقے سے کاتبہ اُمیدوں کو لے کر آنے والے لوگ روحانی مسرتوں سے بھر کر جاتے۔ آپ کا دربار شریف ایک وسیع احاطے میں اور اس کے چاروں طرف چھوٹی اینٹوں سے تعمیر کردہ کافی چوڑی دیواریں تھیں۔ مغرب کی طرف ایک دو منزلہ عمارت قلعہ نما بنی ہوئی تھی جس کا ایک بڑا دروازہ تھا۔ راقم الحروف کے والد مرحوم کی زبانی اس وسیع احاطے میں ایک خوبصورت باغ لگا ہوا تھا جس میں ہر قسم کے اشجار میوہ جات لگائے گئے تھے۔ اس باغ کے درمیان میں ایک پختہ کنواں واقع تھا۔ کنواں سے بظرف شمال آپ کا مزار اقدس اور دیگر لواحقین کے مزارات تعمیر تھے۔ راقم الحروف نے باغ تو نہیں دیکھا۔ باغ کی جگہ ایک بڑا پھل کا درخت تھا۔ اس کے علاوہ بیری اور سرس کے درخت تھے۔

اسی چار دیواری کے اندر جنوب مغرب کی طرف ایک چار دیواری تعمیر کردہ رقبہ ۱۰ x ۱۰ فٹ اور اونچائی تقریباً آٹھ فٹ میں دو خواتین کے مزارات تھے۔ راقم الحروف کا مکان بھی اس مقدس عمارت سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ یہاں پر راقم الحروف روزانہ سلام و نیاز کے لیے حاضری دیتا تھا۔ راقم الحروف کے والد ماجد بابر رحمت علی چشتی صابری اکثر شب بیداری کے لیے آپ ہی کے روضہ اقدس پر تشریف لے جاتے تھے اور صبح نماز فجر سے پہلے تہجد نماز گزار کر واپس آتے اور اپنے روزمرہ کے کاموں میں مشغول ہو جاتے۔ یہ آپ ہی کا چشمہ فیض جاری فرمایا ہوا ہے جس کی وجہ سے موضع ہردو تھلہ کو ہردو تھلہ شریف کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ فیضانِ غوثِ پاک کا اثر ایسا ہوا کہ اسی موضع مذکور میں خواجہ خواجگان

خواجہ محمد دیوان چشتی صابری تشریف لائے اپنے قدم کی برکت سے موضع کو نوازتے ہوئے چار چاند لگا دیے جن کی صحبت نشینی سے گرد و نواح کے علاقوں کے علاوہ دور دراز سے مخلوق خدا آپ کے در اقدس پر عقیدت کا اظہار کر کے فخر محسوس کرتی تھی۔

حضرت میراں سید غلام رحمۃ اللہ علیہ کا وصال شریف اسی موضع مذکور میں سن ایک ہزار دو سو اٹھتر ہجری میں ہوا اسی جگہ آپ کا مزار اقدس تعمیر ہوا۔ آپ کے حقیقی برادر حافظ محمد شاہ گیلانی قادری تارک الدنیا طالب المولیٰ عابد، زاہد اور حافظ قرآن مجید، امرتسر شہر میں ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور باغ رامانند میں الگ ایک حجرہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ آپ کے بزرگ بھی ایک خدا پرست حلیم و خلیق ایک پاک شخصیت تھیں۔



قطعہ تاریخ وصال

چورفت از جہاں در بہشت بریں
شہنشاہ اسلام سید غلام
بگو سال وصالش چراغ جمال
دگر طالب نام سید غلام

۱۲۷۸ھ

حضرت سید غلام غوث قادری

آپ سید غلام محی الدین گیلانی قادری کے بڑے صاحبزادے تھے۔ اللہ پاک نے اپنے فضل و کمال سے ظاہری اور باطنی ان کے نصیب کیے۔ اعتقاد سے لوگوں کا ہجوم ہمیشہ حضرت کے دروازے پر رہتا تھا۔ بڑے بڑے رئیس و امراء حضرت کے ارشاد کی تعمیل حکم بہ دل و جان کرتے تھے۔ آپ نے کمال عزت و حرمت کے ساتھ زندگی بسر کی ہمیشہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ آپ کا وصال شریف ایک ہزار دو سو اسی ہجری میں ہوا۔

قطعہ تاریخ وصال

چونکہ سید غلام غوث دلی

رفت در قرب ایزد مقال

بہر تاریخ آل ولی زماں

شہسوار بہشت آمد سال

۱۲۷۹ھ

آپ کی اولاد میں ۲ فرزند ابرجد تھے۔ ایک سید محمد بخش جن کے دو فرزند سید محمد علی شاہ سررشتہ دار محکمہ رکھ پنجاب تھے اور دوسرے سید علی الحق شاہ تھے۔ دوسرے صاحبزادے سید گنج بخش سجادہ نشین سید غلام گیلانی قادری تھے۔ اس کے تین صاحبزادے شریف حسین، شریف حسین اور عزیز الحسنین تھے۔



حضرت سائیں میراں شاہ قادری

حضرت سائیں میراں شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ قصبہ ہریانہ ضلع ہوشیار پور مشرقی پنجاب بھارت کے رہنے والے تھے۔ آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت پیر حسین شاہ قادری کے دست حق پرست پر بیعت کر کے شرف قبولیت حاصل کیا اور بعد میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ کے پیشوا درہنما حضرت پیر حسین شاہ دوسوہہ کے رہنے والے تھے، لہذا آپ نے قصبہ ہریانہ سے مستقل طور پر منتقل ہو کر دوسوہہ کے نواح میں بمقام کانتھال سکونت اختیار فرمائی۔ آپ کا آستانہ عالیہ دوسوہہ ریلوے اسٹیشن کے متصل تکیہ بابا میراں شاہ قادری کے نام سے مشہور اور معروف ہے۔

حضرت سائیں صاحب ایک صاحب تصرف و صاحب مقام بزرگ ہستی تھیں۔ اکثر جذب و سکر کی حالت میں رہتے۔ آپ کی زبان گوہر فشاں سے جو کچھ اظہار ہوتا اللہ پاک اُسے سچ کر دیتا۔ آپ نے دین پاک مذہب اسلام کی ایک اعلیٰ پیمانے پر تبلیغ کر کے مسلمانوں کو راہ ہدایت و مستقیم دکھائی۔ دوسوہہ کے ارد گرد کا علاقہ آپ کا بہت زیادہ عقیدتمند تھا۔ اس کے علاوہ جالندھر کے علاقے میں آپ کے کافی مریدین تھے۔ جن میں امام ناصر الدین کے سجادہ نشین ماسٹر رحیم بخش اور سائیں فضل الدین صاحب بھی شامل تھے۔ جب آپ جالندھر تشریف لے جاتے تو آپ کا قیام زیادہ تر ماسٹر رحیم بخش کے مکان پر ہوتا اور دو تین ماہ تک قیام رکھتے تھے اور عوام و خاص مستفیض ہوتے تھے۔

سماع کے بہت شائق تھے۔ ۱۹۳۴ء میں حضرت قبلہ میاں بیہم شاہ وارثی اور ان کے مرید میاں حیرت شاہ

وارثی جالندھر میں تشریف لائے تو ماسٹر رحیم بخش صاحب کے مکان پر دو مہینے قیام کیا۔ اس مدت کے دوران فتح علی خان اور مبارک علی خان کی محفلیں زیر نظر میاں بیہم شاہ وارثی منعقد پذیر ہوئیں۔ ان محفلوں میں بابا میراں شاہ قادری، مولانا نواب دین چشتی صابری اور دیگر بزرگان دین جیسی پاک بستیاں اور صاحب ذوق حضرات شرکت فرماتے تھے تو عجیب جذب و متی کانگ ہوتا تھا۔ رحمت عالم کملی والے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی ہوتی تو لطف و کرم اور انوار باراں کی بارش شروع ہو جاتی۔

دوسوہہ شریف میں پیر حسین شاہ قادری کے سالانہ عرسوں میں مولانا نواب الدین چشتی صابری جب تشریف لاتے تو مجالس و عطا و میلا و پاک اور سماع کا انعقاد ہوتا جس میں علم و عرفان کے انوار کی رحمت باراں ہوتیں۔ دوسوہہ شریف میں حضرت مولانا اپنے مرید مولانا دولت علی صاحب کے ہاں بھی قیام فرماتے جو راقم الحروف کے اُستاد گرامی تھے۔ وہ فارسی کے اُستاد تھے اور اُن کے بھائی مولوی عبدالغنی صاحب بھی آپ کے سلسلہ طریقت سے وابستہ تھے۔

حضرت صاحب کا حلقہ ارادت دوسوہہ کے علاوہ اردگرد کا علاقہ بھی تھا۔ ایک دفعہ اڑمڑ ٹانڈہ کے چند قصاب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت ہونے کے لیے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ عرس پاک کے موقع پر دوسوہہ آجانا، چنانچہ اڑمڑ ٹانڈہ سے قصابوں کی ایک جماعت عرس کے موقع پر دوسوہہ شریف پہنچ گئی اور باباجی کے سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ لنگر تقسیم ہونے والا تھا۔ آپ نے پوچھا "کہ تم کون ہو" انہوں نے عرض کیا کہ ہم اڑمڑ ٹانڈہ کے قصاب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اُس درخت کے نیچے جا کر بیٹھ جاؤ۔ قصاب حسب الحکم اس جگہ جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر بعد باباجی اس طرف تشریف لے گئے تو قصابوں کو دیکھ کر فرمایا "کہ تم کون ہو" انہوں نے پھر عرض کی کہ ہم اڑمڑ ٹانڈہ کے قصاب ہیں۔ آپ نے ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم ادھر جا کر بیٹھو۔ وہ بیچارے دوسری جگہ جا کر بیٹھ گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس جگہ جا پہنچے جہاں پر قصاب بیٹھے تھے۔ آپ کے استفسار پر انہوں نے پھر کہا کہ ہم اڑمڑ ٹانڈہ کے قصاب ہیں۔ آپ یہ سن کر جلال میں آگئے اور انہیں گالیاں دینے لگے اور فرمایا کہ جہاں بھی دیکھو اڑمڑ ٹانڈہ کے قصاب موجود ہیں۔ یہ تو سب مجھے لوٹنے کے لیے آگئے ہیں۔ انہیں ڈانٹ پلا کر فرمایا کہ یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔ جب آپ کی جلالی کیفیت فرو ہوئی تو انہیں لنگر دے کر محبت بھرے انداز میں برخصت کیا۔

عرس شریف کے موقع پر آپ پر ہمیشہ جلالی کیفیت طاری رہتی تھی کسی شخص کی جرات نہ ہوتی تھی کہ آپ کے قریب جا سکے۔ لنگر شریف کی دیگیں چولہوں پر چڑھی رہتیں۔ آپ کے عقیدت مند جو بھی نذرانہ مثلاً خربوزہ، تربوز یا لکڑیاں یا چاول گڑ، گھی دالیں اور گندم وغیرہ لاتے سب کچھ دیگوں میں ڈلوادیتے۔ اس طرح سے عجیب قسم کا لنگر تیار ہوتا جو ہر وقت جاری رہتا تھا۔

ایک دفعہ خواجہ امام ناصر الدین کے عرس پر بڑے زور کی بارش ہوئی۔ آپ ماسٹر رحیم بخش کی بیٹھک میں بیٹے ہوئے تھے۔ ایک عقیدت مند نے عرض کی کہ دعا کریں کہ بارش تھم جائے۔ آپ نے فرمایا کہ بارش رک جائے گی مگر بارش اور زیادہ تیز ہو گئی انہوں نے پھر عرض کی کہ بارش توڑ کی نہیں۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا لیکن بارش مزید تیز ہو گئی۔ آپ جوش میں آگئے اپنا کرتا اتار کر دیا اور فرمایا کہ اسے باہر لٹکا دو، چنانچہ آپ کا کرتہ مسجد کی دیوار پر پھیلا دیا۔ جیسے ہی آپ کا کرتہ دیوار پر لٹکایا بارش تھم گئی اور بادل چھٹ گئے۔

آپ کے ایک عقیدت مند کے ہاں اولاد نرینہ نہیں تھی۔ آپ نے عرض کی کہ دعا فرمائیں کہ اس دنیا میں اولاد نرینہ کا منہ بھی دیکھ لیں اور یہ دنیا کا پھل ہے اور میں آپ کے ہوتے ہوتے کیوں محروم رہوں، لہذا آپ نے سات ام ان کو مرحمت فرمائے اور فرمایا کہ گھر جا کر بیوی کو کھلا دینا۔ اتفاق سے وہ ام ماسٹر رحیم بخش جو آپ کے مریدین میں سے تھے ہاتھ لگ گئے، اس نے چھ ام تقسیم کر دیے اور ساتواں ام خود کھالیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ کی خدمت بابرکت میں دوبارہ عرض کیا گیا تو آپ نے دو ام خود اپنے سامنے ان کی بیوی کو کھلائے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ان کے ہاں بعد میں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ان کے نام بھی آپ نے خود ہی تجویز کیے۔



دوسوہہ شریف میں ایک دفعہ حقہ سلگانے کے لیے آگ کی ضرورت پڑی مگر آگ سلگانے کے لیے گوبر کے اوپلوں کی ضرورت پیش آئی۔ آپ نے قصبہ میں ہر جگہ خانہ بنجانہ جا کر اوپلوں کے لیے تلاش کی مگر باوجود کوشش بیار کے اوپلے نہ ملے واپس تشریف لے آئے اور اپنے تکیہ میں مصلے پر آکر بیٹھ گئے اور عالم متسی میں باواز بلند اعلان کیا "پاتھی پت اد" "پاتھی پت اد" (پنجابی زبان میں "پاتھی" اوپلے کو کہتے ہیں اور "پت" عموماً لڑکا کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی مطلب اس کا یہ تھا کہ جو کوئی ایک اوپلہ لائے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایک لڑکا اپنی کریمی سے عطا و بخشش فرمائے گا۔ لہذا آپ کی آواز دور دور تک عوام کو سنائی دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے اولاد عورتیں اوپلے لے کر تکیہ میں پہنچ گئیں اوپلے بصد عجز و نیاز پیش کیے۔ انہی لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ پاک نے ایسی رحمت باراں برسائی کہ سبھی کے ہاں لڑکے پیدا ہوئے۔ آپ کے ایسے دست سخا نے لوگوں کی دینی دنیوی برائیوں کو ختم کرنے میں عملی کردار ادا کیا۔ اگر کوئی شخص اپنی بد اعمالیوں سے باز نہیں آتا تھا تو آپ اپنے جلالی مزاج مبارک سے ایسا سلوک فرماتے تھے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تائب ہو جاتا۔ ایسے ہی نفوس قدسیر نے عوام کی رہبری کے لیے اپنے تن من دھن کی بازی لگا دی اور معاشرہ کو ایک اعلیٰ مقام پر لاکر کھڑا کر دیا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے ایسے ہی پاک ہستیوں کے لیے فرمایا تھا:

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس مرد مومن کی تعریف میں حضرت سید میراں شاہ بھیک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”گر جہاز ہم پارنے جاں چڑھ پار بھیجے !

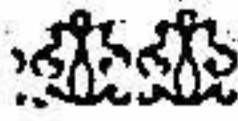
جن گر جہاز نہ جانو اوہ روندے گھاٹ کھڑے

وصال شریف : جب آپ کی عمر مبارک سو سال کی ہوئی تو اس آخری عمر کے حصے میں گوشہ نشینی

اختیار فرمائی اور مزاج مبارک بھی اب دنیاوی علالت سے کلی طور پر علیحدگی اختیار

کر چکا تھا، لہذا آپ کا وصال شریف ۱۹۴۰ء میں دوسو بہہ شریف (کانتھال) میں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مزار اقدس بھی اسی جگہ تعمیر ہوا۔



حضرت بابا مست علی بخش

حضرت بابا مست علی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند مرتبہ اور صاحب کرامت درویش تھے۔ آپ ضلع سہارن پور کے رہنے والے تھے۔ ایک عرصہ سے موضع سکرالہ تحصیل دوسو بہہ ضلع بہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں سکونت رکھتے تھے۔ آپ عمر بھر طفلان خورد کے ساتھ رہے۔ انہیں کے ساتھ صبح سے شام تک رہتے۔ شام کو طفلان خورد جب اپنے گھروں کو چلے جاتے تو صبح کو دوبارہ انہی کے پاس آجاتے اور تمام دن وہیں دربار شریف میں کھیل کود کرتے رہتے یا پھر آپ ان سے فرماتے کہ میرے مکان کی دیواریں تعمیر کریں اور شام کو تم سب کو مزدوری مل جائے گی۔ ان بچکان میں کوئی راج یا مستری بن جاتا اور کوئی مزدوری کے فرائض ان مستریوں کے ساتھ انجام دیتا اور ایک آدھ انہیں میں سے منشی بن جاتا۔ آپ اپنے پاس چھوٹے سائز کی اینٹیں رکھتے تھے۔ معصوم بچکان صبح اٹھے ہو جاتے اور دیواریں بنانا شروع کر دیتے۔ کوئی بچہ پانی لاتا اور کوئی بچہ گار برائے چنائی تیار کرتا تھا اور اس کے بعد دیواروں کی چنائی شروع ہو جاتی۔ نگرانی کرنے والا بچہ باقاعدہ طور پر نگرانی کے فرائض انجام دیتا، لہذا شام تک آہستہ آہستہ دیواریں مکمل ہو جاتیں۔ اس کے بعد شام کو آپ تعمیر شدہ دیواروں کو دیکھنے کے لیے تشریف لاتے۔ نگران سے استفسار کرنے کے بعد منشی صاحب سے پوچھتے کہ کومیاں آج کتنے راجوں اور مزدوروں نے کام کیا اور کون کون کام پر نہیں آئے۔ منشی صاحب سارا حساب صبح سے شام تک کا آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیتا تو آپ راج کی

مزدوری دوپیسے اور مزدور کی مزدوری ایک پیسے کے حساب سے ادا کر دیتے۔ تمام راجوں اور مزدوروں کا حساب چکانے کے بعد خود ہی ایک نظر دیواروں کی طرف دیکھتے اور یہ کہہ کر دیواروں کو گرا دیتے کہ ان کی تعمیر اچھی نہیں ہوئی۔ اگلے دن پھر حسب معمول بچکان کو اکٹھا کیا جاتا۔ وہ اپنے کام میں مشغول ہو جاتے اور شام کو اسی طرح تعمیر شدہ دیواروں کو گرا دیا جاتا۔ ایک عرصے تک آپ نے یہ شغل بچوں کے ساتھ جاری رکھا۔

آپ کے ہم عصر رویشوں کے بقول آپ انگریز برطانوی فوج کے بعضی طور پر فوج کے ناظم تھے۔ آپ علی الصبح اٹھتے اور دوپہر تک ایک تھیلے میں کچھ خطوط نکالتے اور پھر ان کو اچھی طرح سے دیکھنے کے بعد ایک دوسرے تھیلے میں جو ان کے پاس ہوتا تھا ڈال دیتے اگر کوئی تعلیم یافتہ شخص آپ کے پاس بغرض شرف نیاز حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتا تو ان سے آپ اس قسم کی تحریر میں لکھایا کرتے تھے کہ اس خط پر فلاں پلٹن کے لیے اتنی مقدار میں راشن تحریر کر دو تاکہ ان کو سپلائی کر دیا جائے۔ تمام دن آپ یہی شغل فرماتے رہتے۔ تقریباً دس دس بارہ بارہ تعلیم یافتہ اشخاص خطوط ہی تحریر کرتے رہتے۔ جو کچھ آپ کی زبان گوہر نشاں سے نکلتا وہ تحریر کرتے رہتے تھے اور بغیر اجازت حاصل کیے ادھر ادھر نہیں جاسکتے تھے۔ آپ کے پاس روزانہ ایک تھیلی جس میں مختلف قسم کے خطوط ہوتے تھے پڑا رہتا تھا، جس کو آپ اپنے دست مبارک سے کھولتے اور خود ہی ان خطوط کو پڑھتے۔ ان خطوط میں تحریریں کچھ اس طرح کی ہوتی تھیں کہ دوسرا شخص ان تحریروں کو پڑھنا تو کجا سمجھ بھی نہیں سکتا تھا اور یہ بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ یہ تھیلیا خطوط کا کہاں سے آتا ہے۔ ان خطوط کے جواب جس انداز سے آپ تحریر کرواتے تھے عقل اس کو تسلیم کرنے سے قاصر تھی۔ اگر کوئی عقیدتمند آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تھا تو مغلظ گالیوں سے نوازتے تھے۔ اگر مغلظ گالیاں کھانے کے بعد بھی وہاں سے نہیں جاتا تھا تو اس کی پٹائی بھی کر دیتے تھے۔ اراو تمند لوگ اس قسم کی سزا کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے اور اس طرح سے ان کے دل کی آرزوؤں کی کلیاں پھول ہو جاتیں اور ان کے درد کا درماں ہو جاتا۔ واللہ اعلم بالصواب موضع کے گرد و نواح کا علاقہ آپ کا بے حد عقیدت مند تھا۔ آپ کے در سے کوئی سائل آج تک خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔

ایک دفعہ آپ عالم مستی میں گاؤں کے باہر تشریف لے گئے۔ اہل دیہہ فصل گنا سے رس نکال کر گڑ شکر بنانے میں مصروف تھے۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمائے لگے کہ مجھے گڑا کھلائیں۔ گڑ بنانے والے کارندوں نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور ابھی تک گڑ تیاری کے مراحل میں ہے جب تیار ہو جائے گا ہم آپ کی خدمت میں بصد عجز و نیاز پیش کر دیں گے۔ آپ یہ سن کر اس بڑے کڑھاؤ کے پاس تشریف لے گئے جس میں گڑ تیار ہو رہا تھا اور اس کے نیچے آگ جلائی جا رہی تھی۔ آپ نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی اور اپنا دست مبارک نہایت گرم گرم گڑ والے

کڑھاؤ کے اندر ڈال دیا اور گرم گرم گڑ جو نیم پختہ تیار ہو چکا تھا نکال کر لوش فرمانے لگے۔ اللہ کی قدرت سے آپ کے دست مبارک کو ذرا بھر بھی آہن نہیں آئی۔ یہ دیکھ کر اہل دیہہ ہٹکا بکا رہ گئے اور دل و جان سے آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ بقول حضرت میراں شاہ بھیک:

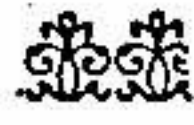
ست گر کے ہم داس ہیں اور پاؤں کی دھوڑ
ست گر اپرم پار ہیں ثقل بار بھس پور

آپ کا وصال شریف ۱۹۱۸ء میں ہوا۔ مزار اقدس موضع "سکرالہ" میں مرجع خلافت ہے۔
وصال شریف: گردونواح کے علاقوں کے عوام مزار اقدس پر حاضر ہو کر عقیدت کے پھول نچاؤ کرتے ہیں اور مردوں سے اپنے تہی دامن بھرتے ہیں۔

آپ کے وصال شریف کے بعد سرکار خواجہ خواجگان خواجہ محمد دیوان چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا روضہ مبارک تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ عمارت کا تعمیری سلمان لایا گیا جب تعمیری کام کا آغاز ہوا تو بنیادیں بھرنے کے بعد دیواریں شروع ہو گئیں۔ دیواروں کی پایہ تکمیل کے بعد چھت ڈالنے کی نوبت آئی تو چھت ڈالنے میں دقت پیش آئی، کیونکہ جب چھت ڈال لیتے تھے تو شب کو چھت اڑ کر دیہہ کے باہر جا گرتی اور لوگ صبح کو آکر دیکھتے کہ مکان کی چھت اڑ کر دیہہ کے باہر کافی دور پڑی ہوئی ملتی۔ دوچار مرتبہ ایسا رہا مگر سرکار غریب نواز نے آخر کار پریشان ہو کر فرمایا کہ بابا جب آپ خود ہی (یعنی صاحب مزار سے مخاطب ہو کر فرمایا) روضہ بنانا پسند نہیں فرماتے تو ہمیں کون سی ضرورت درپوش ہے کہ اپنا وقت اور پیسہ ضائع کریں۔ آپ نے دوسرے دن پھر اچانک مزدوروں اور راجوں کو فرمایا کہ اب صاحب مزار راضی ہو گیا ہے لہذا اب کے دوبارہ تعمیر کا کام شروع کیا جائے۔ جب چھت مکان پر ڈال دی گئی۔ پھر دوبارہ چھت اڑنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد دیگر حجرے اور کٹوال وغیرہ تعمیر ہوئے اور باغ باغیچے تہہ تہہ سے لگوایا گیا۔ آپ سرکار غریب نواز نے دوچار خادین بھی وہاں مزار اقدس پر برائے خدمت روضہ مبارک اور مہمان مقرر فرمائے اور سالانہ عرس مبارک کے انعقاد کا اہتمام و انتظام کیا جاتا تاکہ درود فاتحہ باقاعدگی سے ہوتا رہے۔ آپ خود بھی وہاں تشریف لے جاتے۔ درود و سلام کے میلاد مبارک کی مقدس محافل منعقد ہوتیں۔ اور محافل سماع کی مقدس تقاریب بھی ہوتی تھیں، جن سے سامعین روحانی مسرتیں حاصل کرتے۔ ان پاک محافل میں عقیدتمند لوگوں کی مشکلیں حل ہو جاتیں۔ معاشو پر اس کے اثرات ذہنوں سے برائیوں کی جڑیں کاٹنے میں ممد ثابت ہوتے۔ قلب و دماغ جلا پاتے تھے۔ لوگ ایسی پاک محافل میں شرکت کر کے سعادت مندی حاصل کرتے تھے۔

بقول : بدھ کی بات نہ مان کر گر کی باتیں مان
لاکھ جتن کوئی کرے گر بن پائے نہ گیان

(ترجمہ) عقل کی بات سے پرہیز کرو اور پیر و مرشد کی ہدایت پر عمل پیرا ہو۔ اگر انسان لاکھ کوشش بھی کرے
تو بغیر پیر و مرشد کے گیان حاصل نہیں ہوتا یعنی روحانیت حاصل نہیں ہو سکتی۔



حضرت بابا بوڑے شاہ اور بابا چراغ شاہ

یہ دونوں درویش بابا بوڑے شاہ اور بابا چراغ شاہ مست و مجذوبان میں سے تھے اور موضع ہردو تھلہ شریف تحصیل
دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں سرکار غریب نواز خواجہ محمد دیوان چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ رہتے تھے۔ شب کو
بھی سرکار پاک کے راست و چپ شب باش ہوتے تھے۔ ان میں سے بابا بوڑے شاہ سرکار پاک کو لفظ ”میاں“ اور
چراغ شاہ لفظ ”چچا“ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اکثر عالم متسی میں دونوں موقع پا کر جھگڑتے رہتے تھے۔ سرکار پاک
فرمایا کرتے تھے۔ ہم ان کو منع کرتے مگر وہ اس روزمرہ کے شغل سے باز نہیں آتے تھے۔ ہمیں شب کو استراحت کرنے
کا وقت بہت کم ملتا تھا یا اکثر ایسا ہوا کہ شب بھرت جگا رہتا تھا۔

ایک دفعہ موسم گرما میں فصل کی کٹائی تقریباً اختتام ہو رہی تھی۔ اہل دیہہ نے اپنے اپنے کھیتوں سے فصل کٹوا کر
کھلیان وغیرہ لگا رکھے تھے تاکہ بعد میں ان میں سے جھٹے اگ کر کے پھر اناج حاصل کیا جاسکے۔ ایک شام بابا بوڑے
شاہ اپنے حجرے سے باہر نکلا۔ رات کا پہلا پہر تھا اور سرکار پاک علیہ الرحمۃ کو مخاطب کر کے زور سے چلایا کہ ”میاں“
مکتی کے کھلیانوں میں آگ لگ رہی ہے۔ سرکار پاک نے باہر نکل کر دیکھا تو واقعی آگ کے شعلے کھلیانوں سے بلند ہو
رہے تھے۔ اہل دیہہ نے فوراً اکتھے ہو کر آگ بجھانا شروع کر دی مگر آگ نے بجھتے بجھتے کافی نقصان کر دیا اور جس سے
مالک فصل بے حد پریشان ہوا۔

پھر دوسرے روز بھی شب کو حسب معمول بابا بوڑے شاہ حجرے سے باہر آ کر سرکار پاک کو مخاطب ہو کر زور سے چلا کر کہا
کہ ”میاں“ کھلیانوں میں آگ لگ رہی ہے۔ سرکار پاک علیہ الرحمۃ بھی ان کے اس طرح چلانے سے حجرے سے باہر
تشریف لے آئے اور دیکھا واقعی کھلیانوں میں آگ لگ رہی ہے اور شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ آپ پریشان ہوئے۔ اہل

دیہہ نے کوشش و ہمت کر کے دوڑ دوڑ کر آگ بھجائی مگر آگ نے اس دفعہ بھی مالک کا کافی نقصان کر دیا اور اس کی محنت ساری کی ساری ضائع ہو گئی اور وہ پریشان ہو گیا۔

سرکار پاک علیہ الرحمۃ نے بابا بوڑے شاہ کو بلوایا اور ڈانٹ پلائی۔ اور فرمایا کہ بوڑے شاہ اس شغل سے باز آؤ۔ اگر گاؤں کا سارا اناج جل گیا تو اہل دیہہ بھوکے مرنے لگیں گے۔ ان کو پریشان نہ کرو۔ مخلوق خدا کو نفع پہنچایا کرو۔ تیسرے روز حسب معمول شب کو پھر بابا بوڑے شاہ اپنے حجرے سے باہر نکلا اور اپنے معمول کے مطابق اسی شغل کو دہرایا۔ سرکار پاک کو مخاطب کر کے زور سے چلایا کہ میاں "کھلیانوں میں آگ لگ رہی ہے اور فصل مکئی جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئی ہے۔

اس دفعہ سرکار پاک علیہ الرحمۃ سے مالک فصل کا نقصان اور پریشانی برداشت نہ ہو سکی۔ اہل دیہہ نے دوڑ دھوپ کر کے آگ بھجائی مگر آگ کی خاصیت ایسی ہے کہ بجتے بجتے بھی ناقابل تلافی نقصان کر دیتی ہے۔ اس دفعہ سرکار پاک علیہ الرحمۃ سے مالک فصل کا نقصان اور ذہنی پریشانی برداشت نہ ہو سکی، فوراً ہاتھ میں ڈنڈا لے کر بابا بوڑے شاہ کے پیچھے ہوا میں لہراتے ہوئے دوڑے تاکہ اس کو ایسے شغل سے باز رہنے کی سزا دیں مگر بوڑے شاہ دست بستہ معافی کا خواستگار ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میاں! اس دفعہ میری تقصیر معاف کر دیں آئندہ ایسے شغل سے احتیاط برتوں گا۔

سرکار پاک فرمانے لگے کہ ان مجذوبین سے نفع کی اُمید کم اور نقصان ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اکثر اپنے ملنے والوں سے ان مجذوبین سے پرے پرے رہنے کی ہدایت فرماتے تاکہ ان کی زبان سے ایسی بات نہ نکل جائے جس سے کسی فرد کا مالی یا جانی نقصان ہو۔

۱۹۳۲ء میں تمام ضلع میں موذی مرض طاعون نے پھیل کر شدت کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس موذی مرض سے موضع ہر دو تھلہ شریف بھی کافی متاثر ہوا اور ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ اہل دیہہ دن رات قبرستان میں موجود رہتے۔ مردوں کو دفنانے اور کفن کرنے سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ گاؤں کا ہر فرد پریشان حال تھا، بلکہ اس موذی مرض میں راقم الحروف کا برادر کلاں جس کا نام فیض محمد تھا بھی شکار ہو گیا تھا اور اس مرض طاعون کا اثر والد مرحوم پر بھی ہوا مگر زندگی ابھی باقی تھی۔ سرکار پاک کی دعائے خیر سے بچ رہے۔ اور قیام پاکستان کے بعد ستائیس سال تک بقید حیات رہے۔

گاؤں کے اندر ایسا حال تھا کہ ایک میت سپرد خاک ہوتی تو دوسری سے پتھر پھینکیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ کھانا وغیرہ بھی قبرستان میں کھاتے تھے۔ اہل دیہہ نے سرکار پاک علیہ الرحمۃ کی خدمت بابرکت میں باہم صلاح مشورہ کر کے نمبردار جنڈلا کو ہیشیا پور بھیجا تاکہ درویش کی دعائے اللہ پاک اہل دیہہ کو اس موذی مرض سے نجات دلائے اور مردوزن اس بلائے ناگہانی سے چھٹکارا حاصل کریں۔ پریشان حال جنڈلا نمبردار آپ کی خدمت اقدس میں ہوشیار پور پہنچا اور روز کہ فریاد کرنے لگا کہ میرے وارث گاؤں والے سخت پریشانی میں مبتلا ہیں اور اس موذی مرض کے پیش نظر کسی شخص کی بھی زندگی دو ایک

دن سے زیادہ نظر نہیں آتی، لہذا آپ میرے ہمراہ گاؤں تشریف لے چلیں اور دعائے خیر فرمائیں۔ اس گفتگو کے ساتھ مزید عرض کیا کہ ہمارے گاؤں میں بابا بوڑے شاہ مجذوب سکونت پذیر ہے۔ ہر روز صبح اٹھ کر ہر گھر کے دروازے پر جاتا ہے اور کہتا ہے ”کہ بھائی پھٹے لیاواں“ (یعنی مردہ کو غسل دینے والا تختہ لے کر آؤں) اس گھر میں سے کوئی نہ کوئی فرد راہی ملک عدم ہو جاتا ہے۔

سرکار پاک نے فرمایا کہ جھنڈیا تم گاؤں کو واپس جاؤ اور مزید فرمایا کہ جب بوڑے شاہ ہمراہ جنازہ قبرستان جائے تو اس کو صدقہ مت دینا اور اسے دھتکار دینا بلکہ ڈنڈے سے خوب پٹانی کرو۔ خدا اپنا فضل و کرم کرے گا مگر جھنڈے نے کہا کہ سرکار! مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ میں جیتے جی موت کے منہ میں جاؤں۔ کسی دوسرے شخص کو گاؤں روانہ کرو۔ جھنڈے کے انکار کی صورت اور گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا کہ ”ابھی تمہاری زندگی باقی ہے تم اس مرض سے نہیں مرو گے۔ اور جلد ہی جاؤ گا کہ لوگوں کا بھلا ہو جائے۔ جھنڈا آپ کے حکم کی تعمیل پر ہوشیار پور سے واپس اپنے گاؤں آ گیا اور آتے ہی سیدھا قبرستان پہنچا۔ دیکھا کہ لوگ قبرستان میں بیٹھے ہیں اور قبریں کھود رہے ہیں۔ جھنڈے نے لوگوں سے کہا کہ سرکار پاک نے فرمایا ہے کہ بوڑے شاہ کو جب وہ قبرستان پر ہمراہ میت آدے اس کو کچھ مت دو۔ یعنی صدقہ اور خیرات وغیرہ اس کو کچھ نہ دینا بلکہ اس کی خوب پٹانی کر دینا۔

لیکن ان میں سے چند افراد نے کہا کہ موت تو خدا کے حکم سے آتی ہے۔ اس میں بوڑے شاہ کا کیا دخل ہے۔ وہ مست درویش ہے اس کو کیوں سزا دی جائے۔ مگر ان میں سے زیادہ افراد اس بات پر متصر ہوئے کہ سرکار پاک کے حکم کی بھی پیروی کر کے دیکھ لی جائے لہذا جب بوڑے شاہ میت کے ہمراہ قبرستان کی طرف آ رہا تھا تو لوگوں نے اس کی سزائش کی اور اس کو صدقہ و خیرات کچھ نہیں دیا۔ اس کو دھکے دے کر قبرستان سے نکال باہر کیا جب اس قسم کا سلوک اس کے ساتھ برتا گیا وہ یہ کہہ کر قبرستان سے دوڑ گیا کہ میں اب کبھی بھی پھٹے لے کر نہیں آؤں گا (میں ہن پھٹے نہیں لیاؤنا ہومیاں جان دے، ہومیاں جان دے) اس کے جانے کے بعد گاؤں میں پھر کوئی شخص بھی موت کے منہ میں نہیں گیا بلکہ جتنے بھی مریض اس موذی مرض میں مبتلا تھے سب کے سب تندرست اور صحت یاب ہو گئے۔ یہ سب سرکار پاک غریب نواز علیہ الوصیۃ کا کرم ہے کہ آپ کی اس دعائے خیر سے باقی کے لوگ بچ گئے۔ ”واللہ اعلم بالصواب“

حضرت خواجہ عبدالخالقؒ

حضرت قبلہ خواجہ عبدالخالق علیہ الرحمۃ کی ولادت باسعادت : ۱۲۷۰ھ بمقام جہان خیلاں نزد ہوشیار پور میں ہوئی۔ زمانہ شیر خوارگی یعنی تین سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ شمس العرفان خواجہ قادر بخشؒ علیہ الرحمۃ نے جام شہادت نوش فرمایا اور آپ چھوٹی سی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ جب آپ کے والد ماجد علیہ الرحمۃ کا چالیسویں کا قتل شریف ہوا۔ تو موقع کی مناسبت سے اور ساعت مبارک کو بہتر خیال فرماتے ہوئے حضرت حاجی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے سر مبارک پر دستار فضیلت خلافت اپنے دست مبارک سے باندھ کر خلافت کا اعلان کر دیا اور سجادہ نشین مقرر کر دیا۔ آپ کے والد ماجد حضرت شمس العرفان خواجہ قادر بخشؒ کے دیگر خلفائے میں سے حضرت امام بخش زاہونی۔ حضرت بلاتی شاہ حضرت عالم شاہ، حضرت بیگے شاہ اور حضرت نور احمد کی بھی دستار بندی فرمائی اور فرمایا کہ یہ پانچوں خلفاء وزرا کی مانند ہوں گے اور ان میں خواجہ عبدالخالق بادشاہ ہوں گے اور سلسلہ کو کافی فروغ حاصل ہوگا مخلوق خدا کو راہ راست پر لانے کے لیے نمایاں کردار ادا کریں گے۔

جب حضرت خواجہ عبدالخالق ذرا چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو درویشان علاقہ آپ کو تحصیل علم کے لیے سائیں نیک محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں لے جایا کرتے تھے۔ اسباق ختم ہونے پر واپس لے آیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ تحصیل علم کا باقاعدگی سے چلتا رہا۔ بعد ازاں حضرت مولوی پیر محمد کی خدمت اقدس میں بھیج دیا گیا۔ مولوی صاحب قبلہ آپ کے ساتھ مہربانی و شفقت سے پیش آئے، مگر کچھ نامساعد حالات کی بنا پر آپ کی والدہ ماجدہ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا لہذا آپ کو انہوں نے برادر طریقت محمد بخش صاحب سب انسپکٹر کی سپردگی میں دے دیا تاکہ ان کے زیر سایہ رہ کر تعلیمات حاصل کر سکے؛ چنانچہ آپ بدستور دینی و دنیوی تعلیمات حاصل کرتے رہے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد از تعلیم دینیوی آپ کو حضرت سائیں توکل شاہ انبالویؒ اپنے ساتھ انبالہ (مشرقی پنجاب بھارت) لے گئے۔ انبالہ میں حضرت سائیں صاحب نے باقاعدگی سے تعلیمات دینیات تحصیل کرائیں۔ یہاں سے آپ نے اپنی مذکورہ تعلیمات حاصل کرنے کے بعد علم حدیث کے لیے حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث کی خدمت بابرکت میں سہارنپور (یو۔ پی بھارت) تشریف لے گئے۔ اس دوران میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور قبلہ پیر مہر علی شاہ چشتی نظامی

گولڑہ شریف) آپ کے ہم سبق رہے تھے۔

اس کے بعد آپ دہلی شریف میں مزید تعلیمات درس نظامی کی تکمیل کے لیے حضرت مولوی کریم صاحب اور مولوی سعید احمد صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ خواجہ عبدالخالقؒ نے ان علوم کی تکمیل میں معنت شاقہ سے نمایاں کامیابی و کامرانی حاصل کی۔ ان علوم کے حاصل کرنے کے بعد آپ کا قلب ابھی تشنہ لب تھا۔

لہذا آپ ہر جگہ پر خانقاہ بزرگان دین کے پاس اپنی قلبی پیاس بجھانے کے لیے جاتے رہے مگر بقول اہماں کسی کا حصہ ہوتا ہے وہیں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ آخر کار اس ازلی حصہ کو پانے کے لیے تلاش بسیار کے بعد کامیابی نے ان کے قدم چومے اور شیخ احمد بخاری قادری کے سلسلہ عالیہ قادریہ میں آپ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ کے فروغ اور تبلیغ و اشاعت کے لیے خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت شیخ احمد بخاری قادریؒ کا وصال شریف رسول پور کنوڑ ضلع بارہ بنکی (یو۔ پی بھارت) میں ہوا اور اسی جگہ مزار اقدس مزجہ خلائق ہے۔ آستانہ پاک پر حاجت مند حضرات حاضر ہو کر دینی و دنیوی مرادوں کو حاصل کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ عبدالخالقؒ نے سلسلہ عالیہ خواجگان نقشبند میں حضرت حافظ حاجی محمود صاحب جالندھریؒ کے دست حق پرست پر مشرف پر بیعت ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد اپنے ہی وطن کوٹ عبدالخالق گاؤں کی طرح و بنیاد خود ہی رکھی اور اپنے نام پر اس کا نام رکھا۔ میں سکونت پذیر ہو گئے لوگوں کو راہ ہدایت بخشنے لگے اور رہنمائی درہبری کے لیے قدم اٹھایا یہاں تک کہ آپ نے یتیم بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے ۱۲۲۴ھ میں کوٹ عبدالخالق میں سب سے پہلے ایک یتیم خانہ کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد جون ۱۹۰۵ء میں اسی یتیم خانہ میں ایک مدرسہ تعلیم القرآن کے نام سے جاری کیا۔ اس مدرسہ کے نیک مقاصد کے حصول کی خاطر محنتی لائق اور پرہیزگار مدرس قبلہ حافظ محمد یعقوبؒ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جنہوں نے شب و روز معنت شاقہ سے اس مدرسہ کو درجہ پرائمری تک ترقیات دیں۔ ان کے درس و تدریس میں مضامین دینیات کو لازمی قرار دیا گیا تاکہ بچگان بے سہارا دینی تعلیمات سے مالا مال ہوں۔

اس مدرسہ کا حساب و کتاب رکھنے کے لیے ایک انجمن کو تشکیل دیا گیا اور تین کمیٹیوں کا انتخاب عمل میں آیا۔ ا۔ سب کمیٹی - ۲۔ منظم کمیٹی - ۳۔ جنرل کمیٹی جو مختلف مذاہب اور شعبوں میں رہنمائی کرتیں۔ اس انجمن کا نام انجمن خالقہ تجویز کیا گیا۔ اس کو قانون اور قاعدے کے مطابق سب رجسٹرار کے دفتر میں رجسٹرڈ کر دیا گیا۔ آہستہ آہستہ اس مدرسہ نے ارتقائی منازل طے کر کے پرائمری سے مل اور مل سے انٹرنس تک ترقی کر لی۔ آخر میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ساتھ مذکورہ مدرسہ کا الحاق ہو گیا۔

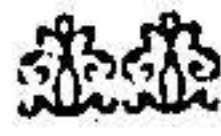
حضرت خواجہ عبدالخالق علیہ الرحمۃ نے دین اسلام کی جس انداز سے تبلیغ فرمائی وہ آپ ہی کا حصہ تھا جن طلباء کی درس و

تدریس خود فرمائی ہوگی وہ کیسے کیسے چاند ستارے ہوں گے۔ آپ کی کیمیا نظر فیض اٹرنے گرد و لواج کے علاقے کو اپنا عقیدہ مند بنا لیا تھا۔

آخر عمر میں آپ مختلف امراض میں مبتلا ہو گئے تھے اور پھر وہ دن بھی آن پہنچا جب آپ کی خالق حقیقی سے وصال کی تمنا پوری ہو گئی۔ آپ کا وصال شریف سترہ محرم الحرام ۱۲۵۰ھ مطابق ۵ جون ۱۹۳۱ء بروز جمعہ المبارک نماز فجر کی سنتیں ادا فرمائی تھیں کہ نماز فرض کی جماعت ہونے لگے۔ قبلہ مولوی رحیم الدین میرٹھی صاحب پیش امام تھے اور حضرت صاحب کے علاوہ خلیفہ عبدالرزاق سیدین علی شاہ اور مولوی سراج الدین صاحب بنگالی مقتدی تھے۔

جب دوسری رکعت کے آخری سجدہ میں تھے تو مکان کی چھت گر پڑی جس سے آپ نے جام شہادت نوش فرمایا اور باقی حضرات زخمی ہو گئی۔ آپ کا جنازہ مبارک کوٹ عبدالخالق لایا گیا بتاریخ ۱۹ محرم الحرام ۱۲۵۰ھ بروز یک شنبہ دوبارہ نماز جنازہ کے بعد مطابق آپ کی وصیت کوٹ عبدالخالق متصل ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) میں جسد اطہر کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را



حضرت عمر دین چشتی نظامی

حضرت قبلہ مولانا عمر الدین چشتی نظامی کے حالات حیات مبارک صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکے۔ آپ گٹھ شکر ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ گرد و لواج کے لوگ آپ سے فیض اکتساب کرتے رہے اور کافی مخلوق خدا کو راہ مستقیم پر لائے۔ آپ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کے خلفائے میں سے تھے۔ شجرہ طریقت مندرجہ ذیل ہے۔

خواجہ اللہ بخش تونسوی

۲

حضرت قبلہ مولانا عمر دین چشتی نظامی

۱

خواجہ نور محمد مہار شریف

۳

خواجہ سلیمان تونسوی

۲

شاہ نظام الدین ادنگ آبادی

۴

خواجہ فخر جہاں فخر الدین چشتی نظامی دہلوی

۵

شیخ یحییٰ بھرائی مدنی

۸

شاہ کلیم اللہ دہلوی

۶

شیخ حسن

۱۰

شیخ محمد

۹

محمود راجن

۱۲

جمال الدین

۱۱

۱۲	خواجہ علم الحقؒ	۱۴	سراج دینؒ
۱۵	کمال الدینؒ	۱۶	نصیر الدین روشن چراغ دہلویؒ
۱۷	نظام الدین محبوب الہیؒ	۱۸	بابا فرید گنج شکرؒ
۱۹	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکئیؒ	۲۰	خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیریؒ
۲۱	حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ	۲۲	خواجہ حاجی شریف زندیؒ
۲۲	خواجہ مودود چشتیؒ	۲۳	خواجہ ابو یوسفؒ
۲۵	ابو محمدؒ	۲۶	شیخ سبکیؒ

آپ کشف و حال بزرگ تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا نواب الدین چشتی صاحب بریلی چند اجاب کے ساتھ مولانا عمر دینؒ کے پاس گئے شکر تشریف لائے اسٹیشن ریلوے ٹرین سے اتر کر دوڑھائی میل کی مسافت پر حضرت مولانا موصوف کا

گزشتہ سے پیوستہ فٹ نوٹ لے

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ، خواجہ سلیمان تونسویؒ کے وصال کے وقت آپ کے دو پوتے خواجہ اللہ بخشؒ اور خواجہ خیر محمدؒ فرزند ان خواجہ گل محمدؒ موجود تھے۔ خواجہ سلیمان تونسویؒ کا فیض روحانی خواجہ اللہ بخشؒ کو حاصل ہوا اور وہی آپ کے جانشین تھے۔ خواجہ اللہ بخشؒ تونسویؒ ذوالحجہ ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء تونسہ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مولوی محمد امین صاحب سے ہوئی۔ مولوی صاحب موصوف خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے مرید اور عالم باعمل تھے۔ اس لیے خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے اپنے پوتے کو تعلیم کے لیے انہی کے سپرد کیا۔ آپ نے سب سے پہلے قرآن پاک پڑھا پھر فلسفی نظم و نثر اور عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد حدیث و تفسیر کی کتابیں بھی مولوی صاحب موصوف سے پڑھیں۔ علاوہ انہیں انشا پر مہارت اور خوش نویس میں بھی مہارت حاصل کی۔ تصوف کی بعض کتابیں اپنے ہمدرد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے پڑھیں۔ تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے اپنے ہمدرد خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ریاضت و مہاہات کی زندگی اختیار کی۔

ابتداءً شباب میں شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بہترین لباس اور اعلیٰ سواری رکھتے تھے، لیکن بیعت کے بعد آپ نے فقر و درویشی اور ریاضت و مہاہدہ کی زندگی اختیار کی۔ آپ نے اردو و ظائف کی کتاب دلائل الخیرات حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے حاصل کی۔ آپ نے مسند نشین ہو کر علم و تقویٰ خلق عظیم اور لطف و کرم سے ہر خاص و عام کو اپنا گویہ بنایا اور حضرت کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ آپ کے زمانہ میں سلسلہ نے بہت ترقی کی طالبان حق دُور دُور سے آپ کی خدمت میں اکتساب فیض کے لیے حاضر ہونے لگے۔

۱۸۵۲ء/۱۲۶۰ء میں بہت سے مریدین کے ہمراہ اونٹوں اور گھوڑوں پر ایک بڑے قافلے کی صورت میں براستہ بیکانیر اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ اجمیر شریف میں دس روز قیام کرنے کے بعد جے پور تشریف لے گئے اور مولانا ضیاء الدین خلیفہ حضرت خواجہ فخر الدین دہلویؒ کی خانقاہ میں تین روز قیام کیا۔

جے پور سے دہلی حضرت خواجہ بختیار کاکئیؒ کے مزار اقدس پر حاضری دی پھر خواجہ فخر الدین کے آستانہ پاک پر حاضری دی اور دیگر مزارات پر بھی حاضری دی۔ بہادر شاہ ظفر کو آپ کے درود دہلی کا علم ہوا تو آپ کی زیارت کے لیے درگاہ خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلویؒ میں ہاتھ پر سوار ہو

دبار شریف تھا، لہذا وہاں سے پیدل ہی چل دیے۔ ایک درخت کے زیر سایہ تھوڑی دیر سنانے کے لیے بیٹھ گئے۔ یہاں پر بیٹھ کر دل میں خیال آیا کہ یہ میرے دوائی کھانے کا وقت ہے اور وہ دوائی شہد کے ہمراہ استعمال کی جانی ہے، مگر اس دیرانے میں شہد کہاں مل سکتا تھا۔ اسی اثنا میں دیکھتے کیا ہیں کہ ایک گھوڑا سوار چلا آتا ہے جب وہ نزدیک پہنچا تو گھوڑے سے اتر کر مولانا موصوف کے قدم بوس ہوا۔ مولانا موصوف کے استفسار پر بتایا کہ حضرت مولانا عمر دین صاحب نے آپ کے استقبال کے لیے اور پیش قدمی کے لیے بھیجا ہے۔ مولانا نواب دین اس کے ہمراہ دبار شریف تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر علیک سلیک کے بعد سب سے پہلے آپ کو شہد پیش کیا گیا تاکہ دوائی بروقت بہ ہمراہ شہد استعمال کر سکیں۔

آپ نے گودنواح کے علاقے میں تبلیغ اسلام کے لیے ہر طرح سے جدوجہد کر کے ہندو۔ سکھ اور مسلمانوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ آپ صاحب تصنیف تھے جس میں ایک قلمی نسخہ مصطلحات طالب حق کا انکشاف ہوا ہے جس کو ابھی تک شائع کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ مریدین کو چاہیے تھا کہ ان کو چھپواتے تاکہ عوام و خاص اس سے استفادہ کر سکیں اور مستفیض ہو سکیں۔

آپ کے وصال شریف کے متعلق کوئی خاص معلومات نہیں ہو سکیں۔

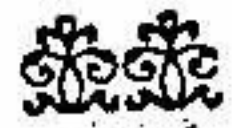
کر آیا۔ دہلی کے قیام کے دوران بہت سے اکابرین نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کی۔

دہلی سے ہانسی شریف شیخ جمال الدین ہانسوی کے آستانہ پاک پر تشریف لے گئے۔ ہانسی سے سرسہ گئے اور خواجہ عبدالشکور سالی کے مزار کی زیارت کی اس کے بعد ہمار شریف سے ہوتے ہوئے تونسہ شریف لے آئے۔

۴ جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء کوچ کے لیے ایک بڑے قافلے کے ہمراہ بذریعہ بحری جہاز جدہ پہنچے وہاں سے مکہ معظمہ گئے۔ ڈیڑھ ماہ قیام کر کے واپس جدہ آگئے۔ جدہ میں ایک ماہ قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ دو ماہ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ آخر ۲۴ محرم ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء کو بمبئی سے تونسہ شریف پہنچ گئے۔ آپ نے زائرین کے لیے اور طلباء و فقراء کی آسائش کے لیے تونسہ شریف میں حجرے بنوائے تھے۔ آپ کا وصال ۲۹ جمادی الاوّل ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء کو بعمر ۸۹ سال ہوا اور روضہ اقدس خواجہ محمد سلیمان تونسوی میں مدفون ہوئے۔

اولاد:

۱۔ خواجہ حافظ محمد موسیٰ ۲۔ میاں احمد ۳۔ خواجہ محمود چشتی نظامی۔ خلفاء: خواجہ احمد میروی ۲۔ مولانا غلام محی الدین (کھڈ شریف) ۳۔ خواجہ محمد دین سیالوی ۴۔ مولانا ناصر الدین تلی اور ۵۔ خواجہ عمر الدین چشتی نظامی۔ (بحوالہ: صدیقۃ الاولیاء، مولف غلام سہولہ قادری)



حضرت شاہ بخش نوشاہیؒ

حضرت شاہ بخش نوشاہیؒ، حضرت شیخ پیر محمد سچیار نوشاہیؒ کی اولاد امجاد میں سے بڑے زاہد و عابد گذرے ہیں۔ آپ کے والد ماجد سلطان فضل صاحب بن حضرت سلطان ملک صاحب بڑے پاکباز اور صائم الذہر تھے۔ آپ کے دو اور برادر تھے۔ حضرت غلام حیدر صاحبؒ اور حضرت اخلاص محمد صاحبؒ ان تینوں صاحبان کو اپنے مورث اعلیٰ حضرت سچیار نوشاہیؒ صاحب کا حکم ہوا تھا کہ تم دو آہ میں جا کر خلق خدا کو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کریں؛ چنانچہ ان صاحبان نے تاحیات ملک و آہ میں ہی مخلوق خدا کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے عمر میں گزار دیں۔ حضرت شاہ بخش نوشاہیؒ کا نام عام طور پر دودھا دہاری مشہور تھا۔ آپ کا مزار اقدس نہریانہ ضلع ہوشیار پور میں مرجعِ خلائق ہے اور ہر سال سالانہ عرس پاک بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔

سید شیخ پیر محمد سچیار نوشاہیؒ: آپ لکھنؤ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلہ نسب ایران کے کیانی سلاطین سے ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی ملک وارث خاں تھا جو علاقہ پوٹھوہار کے ایک گاؤں نڑالی تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی کے ایک رئیس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ پیر محمد سچیارؒ کی ولادت باسعادت بھی اس گاؤں میں ہوئی آپ کے والد ماجد کا سایہ سر سے آپ کے بچپن میں اٹھ گیا تھا جو ایک قومی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ والد ماجد کا سر سے سایہ اٹھ جانے کے بعد آپ کی پرورش والدہ ماجدہ صاحبہ نے کی۔ سن بلوغت میں قدم رکھتے ہی آپ تلاشِ مرشد میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے وزیر آباد پہنچے اور وہاں سے دریائے چناب کے کنارے ایک گاؤں کا ایک میں یاد اللہی میں مصروف ہو گئے۔ والدہ ماجدہ آپ کو تلاشِ کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئیں اور واپس جانے کے لیے اصرار کیا مگر آپ نے انکار کر دیا جس پر وہ بھی آپ کے ساتھ وہاں ہی مقیم ہو گئیں اور وہیں وفات پائی والدہ صاحبہ کی وفات کے بعد آپ ساہن پال شریف حضرت حاجی محمد نوشہہ گنج بخش قادریؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہو گئے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کیا پھر شیخ پاک کے ارشاد کے مطابق نوشہرہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ یہ نوشہرہ گجرات شہر سے دس میل کے فاصلے پر بجانب مشرق دریائے چناب کے کنارے واقع ہے۔ آپ کا وصال شریف ۱۲۰ھ/۱۷۸۱ء میں ہوا۔ مزار اقدس نوشہرہ میں مرجعِ خلائق ہے۔

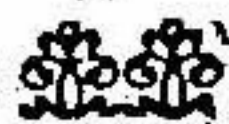


حضرت سرکار صدقی شاہ چشتی صابریؒ

حضرت سرکار صدقی شاہ چشتی صابریؒ موضع سلہریاں کلاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں سکونت رکھتے تھے۔ آپ خاندان راجپوت اور گوت منڈے کے چشم و چراغ تھے۔ بچپن سے مزاج اقدس فطرتاً ہی پند تھا۔ تمام عمر رشتہ ازدواجی سے علیحدہ رہے اور شادی نہیں کی۔ آپ نے تمام عمر اپنے مرشد پاک قبلہ سائیں رحمت شاہ جو کہ خاندان گوجر سے واسطہ رکھتے تھے۔ بہت زیادہ خدمات سزا انجام دیں اور انہی سے دینی و دنیوی تعلیمات حاصل کئے تھے۔ آپ کے مرشد پاک موضع گوریاں متصل دریا مے بیاس (کاہنواں) ضلع گورداسپور کے نزدیک بودوباش رکھتے تھے۔

دربار شریف بنا ہوا تھا۔ وہ جگہ ان کے ایک مرید سید چراغ شاہ کی ملکیت تھی جو دربار شریف کے نام بیع کر دی تھی۔ سید چراغ شاہ کا وصال ۱۹۰۸ء میں اسی مقام پر ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دربار شریف کے نام دس ایکڑ اراضی بھی تھی۔ آخر عمر میں سائیں صدقی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیات و عشق و محبت کی آگ زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ پھر اسی جگہ پر انتقال فرمایا۔ آپ کے مرشد پاک کے آستانہ پاک کے ایک طرف مدفون ہوئے۔ تاریخ وصال شریف ۱۸۹۸ء ہے اور ہر سال ۲۲ جیٹھ کو عرس پاک بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ آپ کا سلسلہ طریقت مخدوم پاک علی احمد صابریؒ تک پہنچتا ہے اور شجرہ طریقت اس طرح سے ہے۔

حضرت سائیں سرکار صدقی شاہ چشتی صابریؒ خلیفہ سائیں رحمت شاہ چشتی صابریؒ خلیفہ پیر بہادر علی شاہ چشتی صابریؒ ٹھسک شریف ولے خلیفہ نور علی شاہ خلیفہ پیر محمد عمر شاہ سالک خلیفہ پیر عبد اللہ شاہ چشتی صابریؒ خلیفہ سرکار پاک سید میر علی شاہ بھیک چشتی صابریؒ۔ (از حوالہ "سلیم التواریخ")



حضرت میاں خاکی شاہ چشتی نظامیؒ

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد حسنؒ تھا۔ آپ کی پیدائش قصبہ خانپور متصل ہوشیار پور میں ہوئی۔ ابھی بچپن ہی میں تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا جس کی وجہ سے آپ موضع پنڈوی بی بی اپنی خالہ صاحبہ کے ہاں تشریف لے

گئے ہیں حالت فقر میں تمام عمر گزار دی اور شباب میں آپ کا صاحبِ ذوق اور عاشقِ صادق مولا میں شمار ہوتا تھا۔ تمام عمر بچر رہے آپ نے سلسلہ چشتیہ شامیر کے مشہور مجدد بزرگ حضرت سید حسین علی شاہ چشتی نقاشی کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت سے ہم فرزند ہوئے جو اپنے وقت کے کامل ادیب ہیں سے تھے۔ آپ ان کے ہمراہ ایک مدت تک یہی فرماتے تھے۔ اس سیاحی کے دوران آپ نے محنت بزرگین دین کا مہین سے کتاب فیض کیا۔ آپ سین دجس دسب شہداء و مددیش تھے۔ لباس زیادہ تر گیر دارنگ کا ہوتا تھا اور سر پر جو گیارہ ٹوپیاں پہنتے تھے ادبہ قدر میں چوبیس کھرا میں ستمز فرماتے تھے۔ آپ نے ایک ایسے دور میں جنم لیا، جس کا خاصہ سم نوز بہر قسم کا غم و ماتم ہے تھے۔ دین اسلام کی تیسرا کرنا، بان جو عمل کا کام تھا، مگر آپ پر ہر شہر پاک کے صدر تھے ہیں اللہ تعالیٰ کا کچھ سا کم تھا اور گنکھوں میں وہ کشش تھی کہ سبھی بزمِ دل سے مثلاً ہندو، سکھ، عیسائی اور مسلمان آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر دیر ہو گئے تھے۔ دصال شریف کے بدو ہرگز کا قول آپ کے نام پر پشور کی خاکی شاہ آباد ہے۔ یہ موضع ہوشیار پور سے بھرت منہا گیا رہیل کے فاصلے پر واقع ہے اور ناصر اللہ ریٹس اسٹیشن کے نزدیک پڑتا ہے۔ مزار اقدس کے نام پانچ ایکڑ زمین مسانی تھی۔ اس کے علاوہ ۱۰ ایکڑ زراعت زمین نشہید بھی تھی۔

آپ کے مریدین میں بابا اٹھل داس ہنر و نہایت ہی عقیدتمند تھا۔ اس کی قبر بھی وہیں ہے۔ آپ کا دصال شریف ۱۶ جمادی الثانی ۱۲۹۲ھ بمصر ۶۰ سال میں ہوا۔ شجرہ طریقت اس طرح سے ہے۔

میاں خاکی شاہ چشتی نظامی خلیفہ حضرت حسین علی شاہ چشتی نظامی خلیفہ حضرت یقین علی شاہ خلیفہ شاہ عبدالرزاق شاہ چشتی نظامی، خلیفہ شاہ محمد صادق چشتی نظامی خلیفہ حضرت عاشق محمد شاہ والی، خلیفہ فرخ شاہ والی چشتی نظامی، خلیفہ قطب شاہ والی چشتی نظامی خلیفہ شاہ نظام الدین لاہوری (نارائی) خلیفہ خواجہ خاں تاج ناگوری خلیفہ شیخ اسماعیل چندری خلیفہ خواجہ حسن پرست خلیفہ خواجہ رجب سالار چشتی خلیفہ اختیار الدین عمر ابرہی خلیفہ محمد سادی خلیفہ نصیر الدین راجن جہاں دار خلیفہ حضرت سلطان جی محبوب الہی، خلیفہ ہا ہا فرید الدین گنج شکر خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی خلیفہ خواجہ غریب لارا معین الدین چشتی اجمیری۔

۱۱۱۱

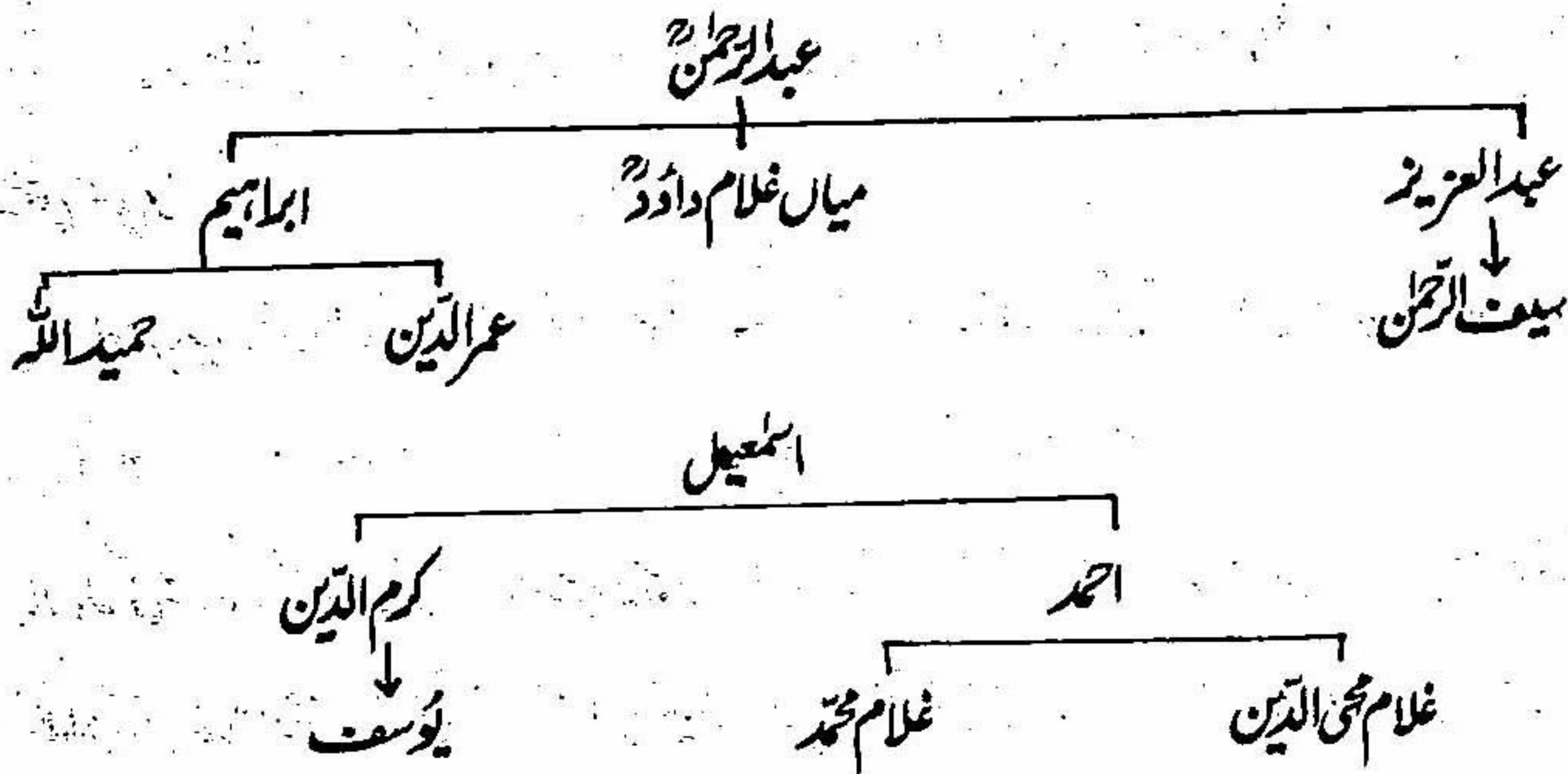
حضرت میاں غلام داؤد

آپ کی ولادت باسعادت بمقام بسی کلاں ضلع ہوشیار پور میں ہوئی آپ قوم کے راہِ چوت اور کوت۔ بدست تھی۔

آپ بہت بڑے عالم اور (ولی اللہ) تھے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ عبدالرحمن نقشبندی اپنے والد ماجد کے دست حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہوئے اُن کے وصال کے بعد سلسلہ عالیہ قادریہ کے سرچشمہ فیض سید قطب شاہ قادری کے دست حق پرست پر بیعت سے سرفراز ہوئے۔ جو بسی کلاں ہی میں سکونت رکھتے تھے۔ بسی کلاں ہوشیار پور سے بطرف جنوب ۱۱ میل کے فاصلے پر ہے اور ماہ پور۔ گڑھ شکر کی سڑک پر واقع ہے۔ بسی کلاں میں ۱۳ کنال اراضی معافی زر خریدان کی تھی۔ موضع چونالہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں بھی ۲۸ ایکڑ اراضی مزار کے نام پر بیع تھی۔ آپ کا وصال شریف بعمر ۱۱۵ سال میں موضع مذکور بسی کلاں میں ہوا اور وہیں پر مزار اقدس بنا۔ آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کی۔ گردونواح کے علاقے بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔

وصال کے بعد آپ کا برادر عبدالعزیز سجادہ نشین ہوا۔

شجرہ نسب اس طرح سے ہے۔



ﷺ

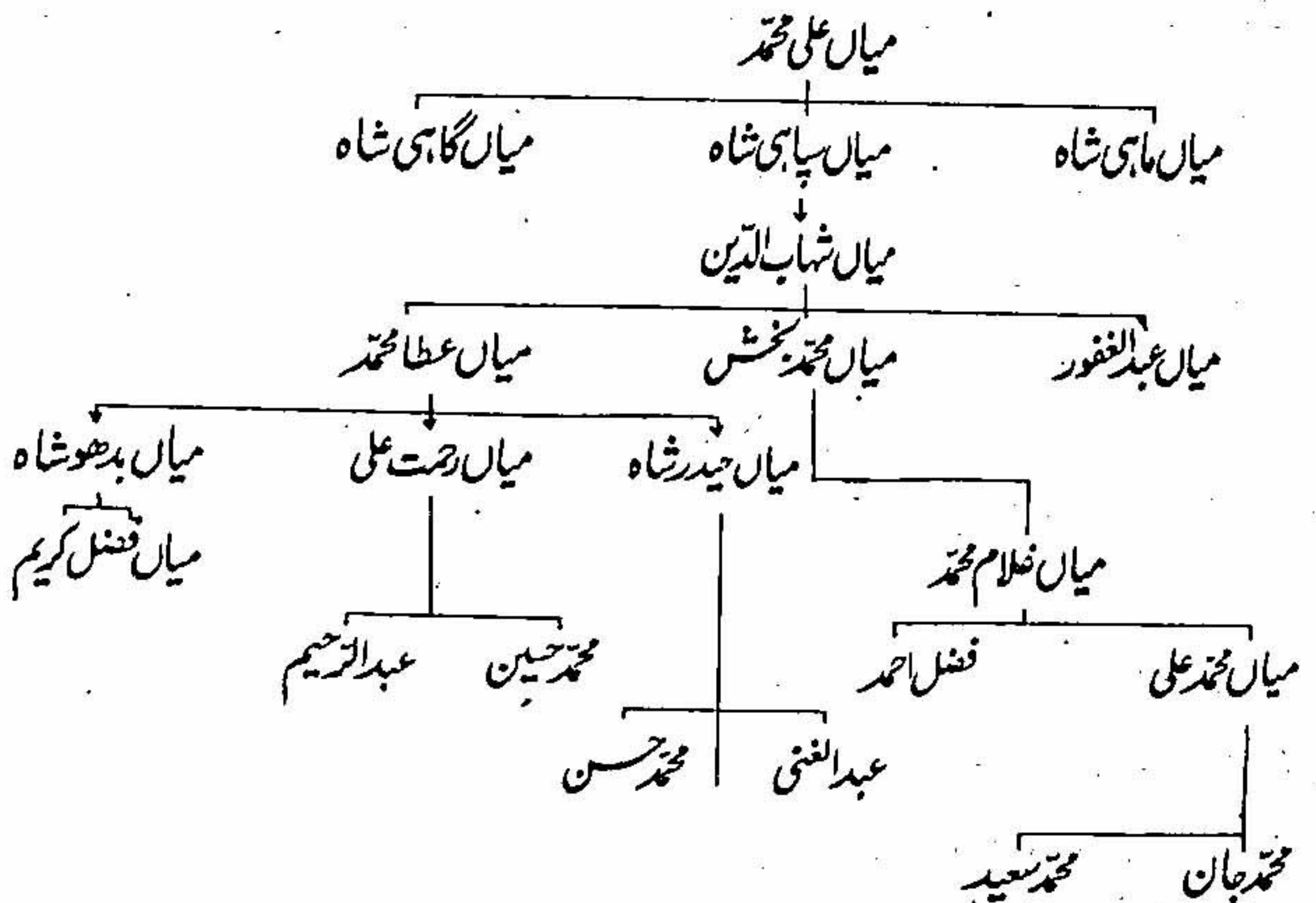
حضرت بابا ماہی شاہ نوشاہی

بابا ماہی شاہ کی ولادت باسعادت ۲۳ رمضان المبارک ۱۰۸۹ھ بمطابق ۸ ماگھ ۱۷۱۲ء بکرمی میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی میاں علی محمد تھا۔ تمام عمر مجرور رہے۔ آپ کی دنیاوی تعلیم بھی ضرورت کے مطابق تھی۔ دینی تعلیم میں قرآن پاک اور حدیث وغیرہ کی بھی تلاوت فرمالتے تھے۔ گردونواح کے لوگ آپ کے گرویدہ و معتقد تھے۔ مخلوق خدا کو راہ مستقیم پر لانے کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔ باشرع درویش تھے۔ آپ نے سلسلہ عالیہ نوشاہیہ میں بجز سزا حضرت بخت جمال نوشاہی رحمۃ

اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کا وصال شریف بمر ۱۰۵ سال ۱۱۹۴ ہجری میں ہوا۔ مزار اقدس جھنگی شریف جو آپ کے نام پر جھنگی ماہی شاہ مشہور تھا۔ جھنگی ماہی شاہ کیریاں ریلوے اسٹیشن سے جنوب مغرب کی طرف ۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

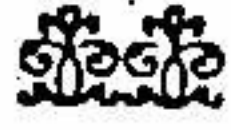
آپ سے ہزاروں کرامتیں ظہور میں آئیں۔ آپ نے ایک مسجد بنوائی اور تالاب بنوایا۔ ان کی تعمیر میں جب مزدوروں کو شام کے وقت مزدوری ادا کرتے تو اپنے مصلے کے نیچے دست مبارک ڈال کر روپے پیسے بمطابق مزدوری ادا کرتے تھے۔ ایک دن ایک مزدور بدینتی کی وجہ سے بوقت شب چوری کرنے آیا۔ جب اس نے مصلیٰ کو اٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے کچھ بھی ہاتھ نہ لگا۔ وہ پریشان ہو کر واپس چلا گیا۔ دوسرے دن جب وہی مزدور دن بھر کام کر چکا تو بوقت شام مزدوری آپ نے اس کو دو گنا مزدوری دے کر فرمایا کہ یہ شخص رات کو بھی کام کرتا رہا۔ مزدور بہت شرمندہ ہوا اور معافی کا خواستگار ہوا۔

آپ کا سالانہ عرس پاک کا تک کے مہینے جو نیا چاند طلوع ہوتا تھا۔ اس مہینے کی گیارہ تاریخ کو منعقد پذیر ہوتا تھا۔ اور دوسرا عرس پاک ماہ جیٹھ کے نیا چاند کی ۱۱ تاریخ کو نہایت دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ عرس پاک کی تقریبات پندرہ دن تک جاری رہتیں تھیں جس میں بلا مذہب و ملت عوام شرکت کرتے تھے۔ اس عرس میں ہر قسم کے کھیل تماشے وغیرہ ہوتے تھے۔ دور دور سے لوگ عرس میں آکر شرکت کرتے تھے۔ آپ کے گاؤں کی تمام اراضی معافی تھی۔ کوئی نمبر دار وغیرہ مقرر نہیں تھا۔ شجرہ نسب اس طرح سے ہے :-



شجرہ طریقت!

حضرت میاں شاہ نوشاہی خلیفہ حضرت بخت جمال نوشاہی خلیفہ حضرت پیر محمد سچیار نوشاہی خلیفہ حضرت نوشہ گنج بخش خلیفہ حضرت شاہ سلیمان خلیفہ حضرت شیخ معروف خلیفہ سید مبارک قادری خلیفہ سید محمد غوث قادری (اوپر شریف)



حضرت میاں نصر اللہ صاحب قادری

حضرت میاں نصر اللہ صاحب میانی افغاناں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں حضرت میاں صاحب درس والے کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ آپ کے وصال پاک کو تین سو سال ہوئے ہیں۔ آپ کا مزار اقدس پیر درس والے کے نام سے

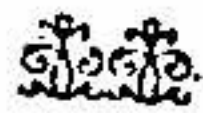
لے حضرت بخت جمال نوشاہی، آپ کا اصلی وطن موضع چوپالہ ضلع گجرات تھا۔ دن رات حضرت سچیار صاحب نوشاہی اپنے پیر و مرشد کی خدمت برکت میں حاضر رہتے کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے کمال مہربانی سے خطاب بہ تیر انداز سے مخاطب فرما کر آپ کو دریائے راوی کی طرف جانے کا حکم کیا۔ آپ حسب الارشاد کنارہ دریا جا کر یاد خدا میں مشغول ہوئے۔ لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت جاگزیں ہوئی۔ مویشی چرانے والے لڑکے اپنے گھروں سے ٹکڑے لاتے آپ ان سے گزارہ کرتے۔ ایک مرتبہ دریائے راوی میں سخت طغیانی آئی جس کی وجہ سے گردنواح کے موضع جات کا بہت نقصان ہوا لوگوں نے خیال کیا کہ آج وہ فقیر دریا میں بہ گیا ہوگا۔ جب جا کر دیکھا تو آپ صحیح سلامت بیٹھے ہیں۔ ان کے گرد ایک دائرہ کھینچا ہوا ہے جس کے اندر پانی کا قطرہ تک نہیں آیا۔

ایک روز آپ نے حضرت سچیار صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ میں غریب زمیندار ہوں مجھ پر مہربانی ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے تجھ کو روحانی مرضوں کا طبیب کر دیا ہے، چنانچہ آپ ایسے ہی ہوئے اور اکثر لوگ آپ کے معلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ سردار خاں بہادر ایک رئیس شخص آپ کا بہت ہی محترم تھا۔ ایک روز کوئی آدمی چاول اور شکر آپ کو دے گیا کہ پکاؤ اور کھاؤ لیکن یا والہی سے اتنی فراغت کہاں تھی کہ پکاتے وہ چیزیں ویسے ہی پڑی رہیں۔ دوسرے دن ایک پیر مرد بمعہ تین حاجی مردوں کے آیا اور کچھ کھانے کو مانگا آپ نے وہ چاول کوزہ میں پکا کر اوپر شکر ڈال کر ان کے آگے رکھے وہ کھا کر چل دیے اور ان میں سے ایک مرد رویش نے کہا کہ شاہ اش! تو نے ہماری آبرورکھ لی۔ یہ کہہ کر غائب ہو گئے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حضرت حضرت تھے اور وہ تینوں آدمی پیران غظام میں سے تھے۔

آپ کی اولاد میں سے کئی صاحب کمال بزرگ گزرے ہیں جن میں سے حضرت عبدالغفور صاحب اور سلطان علی صاحب نوشاہی دواہ میں گزرے ہیں آپ کے خلفائے حاجی الحرمین حضرت محمد شریف صاحب نوشاہی کشف و کلمات گزرتے ہیں۔ انہوں نے حکم مرشد ہاک موضع جگدیو ضلع امرتسر میں تبلیغ دین اسم کی اور خلق اللہ کو راہ ہدایت دکھائی۔ ان کے فرزند اور خلیفہ حضرت ہاشم شاہ نہایت پاکیزہ مرد مجاہد تھے آپ کے عاشقانہ اشعار پنجابی مختلف نثر، صورت میں کافی مقبول عام ہیں۔ حضرت بخت جمال کے درویشوں میں ایک درویش سائیں گہی شاہ موضع پنڈوری ضلع جاندھر میں گزرے ہیں حضرت بخت جمال نوشاہی کا مزار اقدس بمقام جھنگلی بخت جمال برلب دریائے راوی ضلع گورداسپور میں مرجع خلائق ہے۔

ریان زد عام ہے۔ عالم و فاضل تھے۔ درس و تدریس میں تمام عمر بسر کر دی۔ دُور دُور سے بیسیوں طلبہ آتے تھے اور تعلیم دینی حاصل کرتے۔ جب ان کی تعلیم اختتام کو پہنچتی اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد طلبہ کو تصدیق شدہ سندیں دی جاتیں۔ جس پر درس پیران درس میانی افغاناں کی مہر ثبت ہوتی تھی۔

اورنگ زیب بادشاہ کی طرف سے شاہی خزانے سے درس میانی کے لیے اراضیات معافی بنام مسجد عطا ہوئی تھی طالب علموں کو مفت تعلیم اور رہائش و خوراک کی سہولتیں دی جاتیں تھی۔ ان کے وصال کے بعد مولوی محمد جمیل صاحب کی سعی و کوشش سے بزرگوں کا نام زندہ تھا۔ اُن کا شمار بزرگوں کی صف میں تھا۔



حکیم مولوی غلام رسول صاحب قادری

حضرت قبلہ حکیم مولوی غلام رسول قادریؒ کے والد ماجد کا نام میاں نور احمد تھا۔ یہ میاں نصر اللہ درس والوں کے نواسے تھے۔ مولوی صاحب کے جد ماجد میاں فخر الدین اس درس گاہ میں تعلیم دیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب نہایت پاک نفس عالم و فاضل تھے۔ میاں فخر الدین کے تین صاحبزادے تھے۔ ان میں میاں نور احمد سب سے بڑے تھے۔ نانا کی درس گاہ میں والد ماجد سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نہایت متقی پرہیزگار تھے۔ آپ موضع آدان گھوڑے بابا کے لوگوں کی درخواست پر میانی سے آدان گھوڑے بابا (میانی سے چار میل کا فاصلہ) منتقل ہو گئے اور وہیں سکونت اختیار فرمائی۔ آپ صبح اٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو سینکڑوں آدمی با وضو ہو کر قرآن پاک کی تلاوت سماعت کرتے اور روحانی مستریں حاصل کرتے تھے۔ ۱۸۱۹ء میں آپ کے یہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی جو بعد میں مولوی غلام رسول صاحب کے نام سے تمام پنجاب میں مشہور و معروف ہوئے۔ آپ بچپن سے ذہین اور صاحب ذوق و شوق تھے۔ آپ کی رسم بسم اللہ چار سال چار ماہ چار دن میں ہوئی۔ آپ نے دینی تعلیم میں مولوی عبدالرحیم زاغستانی اور مولوی غلام مصطفیٰ میانی والے سے استفادہ کیا اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں علم منطق، فلسفہ حدیث و فقہ تفسیر طب اور تصوف کے علوم مسجد فتح پوری میں حاصل کیے۔ یہ دور پنجاب میں جالندھری میں بہادر شاہ ظفر کی حکومت میں بدامنی پھیل ہوئی تھی، مگر آپ نے اس پُراشوب دور میں بھی سات سال تک تعلیم کو جاری رکھا اور پائے استقامت میں لغزش تک نہ آئی اس دوران میں تین سال محض علوم طب کے حصول کی خاطر حکیم محمد شریف خاں صاحب کے صاحبزادے محمد صادق علی خاں سے استفادہ کیا۔

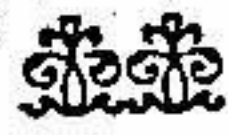
قانون شیخ آپ نے علوی خاں صاحب سے پڑھا۔ موجز اور سیدھی حکیم محمد اکبر خاں ارزانی صاحب سے پڑھے۔ اس کے بعد آپ ہوشیار پور تشریف لے آئے۔ چند روز میانی رہ کر موضع گھوڑے باہا آوان چلے گئے۔ آپ کے علم و فضل نے گرد و نواح میں عوام کو مستفیض فرمایا۔

۱۸۴۷ء اور ۱۸۴۸ء میں انگریزی تصرف شروع ہو گیا تھا اور خالصہ دور ختم ہو رہا تھا۔ لوگ سکھ کا سانس لے رہے تھے۔ آپ نے بچاس برس تک لوگوں کو عربی فارسی طب، فقہ و حدیث وغیرہ کی بغیر کسی معاوضہ کے لوگوں کو تعلیم دی۔ آپ کے اخلاق و اوصاف حمیدہ سے علاقے بھر کے عوام گرویدہ ہو گئے تھے۔ آپ نے چار سال تک دوسو ہونہ میں مطب کیا۔ یہاں سے شیر خاں رئیس اڑمڑ نے دوبارہ آپ کو اڑمڑ ٹانڈہ بلوایا کیونکہ یہ رئیس اڑمڑ اور ٹانڈہ آپ کو کسی دوسری جگہ نہیں جانے دیتے تھے۔

اس کے بعد آپ کے صاحبزادے حافظ محمد ابراہیم نے درس و تدریس کا کام چلایا۔ آپ نے رفاہ عامہ کے لیے ہوشیار پور میں طبی خدمات سرانجام دیں۔

ایسے نفوس قدسیہ بغیر مشروطیت کے نہیں رہ سکتے، لہذا آپ نے مولوی برکت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں کے دست حق پرست پر بیعت کر کے طریقت میں داخل ہوئے۔ جناب میاں غلام محی الدین قادری رئیس بستی غذاں کے برادر طریقت تھے۔ آپ کے ہم عصر بزرگان دین میاں بگے شاہ، شاہ الہی بخش قادری عرف سائیں الہی شاہ قادری تھے۔

آپ کا وصال شریف ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۱۶ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں بروز یک شنبہ ہوا۔ آپ کی اولاد میں مولوی محمد ابراہیم، محمد اسمعیل، مولوی محمد یعقوب، منشی محمد یوسف، حکیم محمد اسحق اور مولانا حکیم مولوی عبدالعلی صاحب تھے۔



حضرت خواجہ حافظ کرم بخش چشتی صابری

ہوشیار پور شہر کے محلہ کیٹی گنج کے منغل گھرانے میں تقریباً ۱۲۳۲ ہجری سرکار حافظ کرم بخش کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کے والدین پابند صوم و صلوات تھے، لہذا خاندانی اثرات کی وجہ سے آپ کی تعلیم و تربیت بھی بجائے مدرسہ کے مسجد سے ہوئی اور ابتدائی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ آپ نے قرأت میں بھی ایک خاص مقام حاصل کیا اور عوام

میں آپ بلند پایہ قاری اور حافظ کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ آپ کی طبیعت میں استغنا اور خودداری بدرجہ اتم موجود تھی۔ اس لیے آپ نے حفظ قرآن پاک اور اپنے علم و فضل کو زمانے کی عام روش کے مطابق ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ اس کے برعکس زگریزی کا پیشہ اختیار کیا اور اس کام کے ذریعے اپنے کام کو وسعت دی اور چرنجیاں (ایک قسم کا روپٹہ) رنگ کر دوسرے شہروں میں بھیجتے تھے۔ باوجود اتنے وسیع کاروبار کے آپ کا دل ہر وقت یاد الہی کی طرف مائل رہتا تھا۔ باوجود عالم شباب میں کامل مرشد کی تلاش میں ٹائڈرہ شریف تشریف لے گئے اور وہاں حضرت امیر شاہ چشتی صابری کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ مشرف بیعت حاصل کرنے کے بعد آپ ہر وقت یادِ خدا میں مشغول رہنے لگے لیکن باوجود یادِ الہی کمال انہماک کے بھی کسب معاش کے سلسلے کو ترک نہیں کیا، بلکہ الکاسب حبیب اللہ پر عمل پیرا ہو کر قرب الہی حاصل کیا۔ آپ کے باطنی اور روحانی شغف کا کوئی علم نہ تھا۔ آپ ان معاملات میں حد درجہ اخفا سے کام لیتے تھے۔

آپ متواتر بارہ سال تک روزانہ رات کو بیس میل کا پیدل سفر طے کر کے اپنے شیخ طریقت حضرت امیر شاہ چشتی صابری کی خدمتِ اقدس میں ٹائڈرہ شریف سلام کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ آمدورفت کے دوران آپ ایک قرآن پاک جاتے ہوئے اور ایک واپسی میں ختم فرماتے تھے۔ آخر بارہ سال کے بعد حضرت امیر شاہ چشتی صابری نے فرمایا کہ اب حاضری کی ضرورت نہیں۔ یہ واقعہ اس طرح سے ہے کہ جب بارہ سال ہونے میں ایک دن باقی تھا۔ وہ سخت جاڑے کے ایام تھے، مسلسل بارش و باراں اور سردی کی وجہ سے حافظ صاحب قبلہ کے دل میں خیال آیا کہ آج نہ جایا جائے، کیونکہ ہوشیار پور سے ٹائڈرہ تک راستے میں سات برس اتنی نالے گزرتے تھے۔ جن کو سیلاب کی صورت میں عبور کرنا بہت مشکل تھا، مگر دل کشاں کشاں اس مشکل کو بھی آسان سمجھ کر پیش قدمی کر کے آگے بڑھا۔ دوسری طرف سرکار امیر شاہ چشتی صابری سرکار حافظ صاحب کے لیے دُعا نہیں مانگ رہے تھے کہ یا اللہ میرے حافظ کی خیر تو ہی اس کا والی و وارث ہے۔ لہذا جب آپ ٹائڈرہ شریف پہنچے تو سرکار امیر شاہ چشتی صابری انتظار فرما رہے تھے۔ حافظ صاحب کو دیکھ کر فرمایا کہ آج سے تمہاری تمام مشکلیں آسان ہو گئیں ہیں، لہذا اب آپ ہماری خدمت میں حاضری کے لیے سعی نہ کریں اور نہ ہی آئندہ آنے کی زحمت کریں۔

آپ نے حافظ صاحب کو سینے سے لگایا اور صبح کی آمد سے پہلے پہلے خرقہ خلافت سے نواز کر رخصت کر دیا اس کے بعد آپ کی آمدورفت تو جاری رہی مگر اس میں روزانہ کی حاضری شامل نہیں تھی۔ آپ روزانہ رات کو بعد از نمازِ عشاء جب مخلوق خدا دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر استراحت میں موعوب ہوتی۔ چھڑی بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ (جو ہوشیار پور شہر سے بجانب شمال ایک گھنٹا جنگل تھا) میں تشریف لے جاتے اور تمام رات عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے اور صبح صادق سے پہلے گھر تشریف لاتے اور فجر کی نماز شہر میں آکر مسجد میں ادا فرماتے۔ آپ نے تمام عمر میں پانچ یا سات افراد کو داخل سلسلہ کیا ان

سب میں کامل اکمل خلافت و سیادت کے حامل آپؐ کے خلیفہ اعظم حضرت سرکارِ غریب نواز خواجہ محمد دیوان چشتی صابریؒ تھے اور دوسرے شیخ برکت علی چشتی صابریؒ تھے۔

آپؐ کو موسم سرما میں گئے بہت مرغوب تھے۔ کھانے میں زیادہ تر مکھن استعمال فرماتے تھے۔ آپؐ کی اولاد امجاد میں دو صاحبزادے تھے۔ بڑے صاحبزادے کا اسم گرامی میاں فخر الدین جو محکمہ ریلوے میں ملازم تھے تقسیم ہند کے بعد گوجرانوالہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے اور وہیں ۱۳۸۰ھ میں وصال ہوا۔ مزار اقدس اربو شریف موضع میں واقع ہے۔ دوسرے صاحبزادے میاں دولت علی صاحب تھے۔ جن کا وصال غلام محمد آباد فیصل آباد میں ہوا۔

ایک دفعہ ایک فوجی پنشنر قوم راجپوت جس کے دل میں والہی دو جہاں سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت موجزن تھی بے قراری کی حالت میں بوقت شب ہاتھ میں ڈنڈا لے کر جنگل میں سرگرداں پھرتا رہتا تھا۔ اگر کوئی شخص راستہ میں دکھائی دیتا تو گرجدار آواز میں چلاتا اور سوال کرتا تم کون ہو؟ اگر کسی نے کس نفسی سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا میں فقیر منس آدمی ہوں۔ جھٹ سے دوسرا سوال اسی انداز تکلم میں کرتا اگر فقیر ہے تو مجھے سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچا دو اگر وہ ایسا کرنے میں عاجزی ظاہر کرتا تو اس کے سر پر زور سے ڈنڈا مار کر جان سے مار دیتا۔ ایک دن اس کی قسمت کا ستارہ چمکا کسی شخص نے بتا دیا کہ ہوشیار پور میں ایک بحر بیکراں بستی رہتی ہے، لیکن انہوں نے اپنے آپ کو دنیا داروں سے لخفا کر رکھا ہے۔ اُن سے ملنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ شب کو جھڑکی بابا فرید گنج شکرؒ بوقت سب نصف تشریف لے جاتے ہیں۔ راستے میں ایک پہاڑی ندی میں پہلے غسل کرتے ہیں لہذا تم رات کو اس پہاڑی ندی کے آس پاس بیٹھ رہنا جب حافظ صاحب تشریف لائیں اپنی ازلی تمنا کی درخواست پیش کر دینا۔ حسب ہدایت وہ فوجی اس پہاڑی ندی کے ارد گرد ہی پھرتا رہا۔ جب اس نے پانی میں کسی کو غسل کرنے کا شور سنا اس نے نزدیک آکر حسب عادت وہی سوال کیا تم کون ہو؟ تو آپؐ نے جھڑک کر فرمایا چپ رہو میں غسل کرنے دو۔ آپؐ کی آواز میں یہ اثر تھا کہ وہ فوجی آپؐ کی آواز سے اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس کی تمام طاقت کا نشہ کافور ہو گیا۔ جب حافظ صاحبؒ غسل سے فارغ ہوئے کپڑے پہنے اور اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ اس نے ڈرتے ہوئے عاجزی و انکساری سے جواب دیا کہ میری ازلی تمنا یہ ہے کہ مجھے باگاہ نبوت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وضو کر کے دو نفل کی نیت ہاتھ کراؤ مقتدی بن کر میرے پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب اس شخص نے آپؐ کے ساتھ سجدہ میں سر رکھا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں پہنچ گیا۔ والے دو جہاں نے نظر شفقت فرمائی اور وہ شخص خوشی سے پھولانہ سمایا۔ پھر وہ شخص اسی جگہ پر تمام عمر رہا اور اسی جگہ اس کی مٹی ہوئی، یعنی اس کا وصال ہوا۔

ایک دفعہ حکیم شیخ عبدالرحمن نے حافظ صاحبؒ کی اقتدار میں نماز ادا کی جب سر سجدہ میں رکھا تو حافظ صاحبؒ نے

مقامات مقدسہ خانہ کعبہ، مدینہ منورہ، نجف اشرف، کربلا معلیٰ وغیرہ کی زیارتیں کروادیں۔ جب سجدہ میں زیادہ دیر ہوگئی تو شیخ عبدالرحمن نے سرسجدہ سے اٹھالیا، لیکن جب حافظ صاحب کو سجدہ میں سر رکھتے ہوئے دیکھا۔ دوبارہ سجدہ میں چلا گیا۔ مگر اب وہ منظر ختم ہو چکا تھا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حکیم شیخ عبدالرحمن نے دست بستہ عرض کیا کہ آج تو آپ کی برکت سے مقامات مقدسہ کی زیارتیں ہو گئیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارا وہم و خیال ہے۔ اس نے کہا کہ حضور پر کتنا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر پرچ ہے تو تم نے سجدہ سے سر کیوں اٹھایا۔

ترستی ہے نگاہ نارسا جس کے نظارے کو وہ رونق انجمن کی ہے انہیں خلوت گزینوں میں
سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق بھلا سے دل حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

ایک دفعہ بروز عاشورہ ہوشیار پور میں ہندو مسلم فساد ہو گیا اور اس فساد و ہنگامہ میں شیخ مہر علی پیش پیش تھے کافی خون خرابہ ہوا اور یہ فساد فرقہ وارانہ شکل اختیار کر گیا۔ شہر کے تمام مسلمان ایک طرف اور ہندو دوسری طرف سے مقابلے پر اتر گئے۔ مسلمانوں کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا گیا اور مقدمہ کی پیروی کے اخراجات مشترکہ طور پر تمام مسلمانوں نے ادا کیے۔ آخر اس مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے خلاف ہوا اور شیخ مہر علی کو پشیم کوٹ سے سزائے موت کا حکم سنایا۔ مسلمانوں نے اس فیصلے کے خلاف لاہور ہائیکورٹ میں اپیل کر دی، مگر اس دوران میں کچھ لوگ حافظ صاحب کی خدمت اقدس میں برائے دعا کرانے گئے، تاکہ شیخ مہر علی اس مقدمہ میں صاف بری ہو جائیں۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ میں کوئی بزرگ نہیں ہوں آپ سب کسی کامل ہستی کے پاس جائیں لیکن مخلوق خدا کہاں آپ کے در سے ملنے والی تھی۔ آخر جب لاہور میں پیشی کا دن آیا، تو حافظ صاحب جھڑی بابا فرید گنج شکر تشریف لے گئے۔ اس جھڑی میں ہمیشہ ایک دل اللہ رہا کرتا تھا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو دیکھا ایک مست و مجذوب ایک رتہ کو بٹ دے رہا تھا، لہذا آپ نے فرمایا کہ لے متا! تو کیا کر رہا ہے؟ اس پر مست نے کہا کہ جناب میں شیخ مہر علی کو پہچانسی دینے کے لیے رتہ باٹ رہا ہوں۔ حافظ صاحب نے جھٹ پیک کر اس سے رتہ چھین لیا اور جیب سے چاقو نکال کر فوراً رتہ کے ٹکڑے کر کے پھینک دیے اور فرمایا کہ اس کا نام مہر علی ہے اور ہم کو علی کے نام کی لاج ہے۔ ہم اس کو ہرگز پہچانسی نہیں ہونے دیں گے، لہذا شام کو لاہور سے خبر آگئی کہ شیخ مہر علی باعزت طور پر عدالت سے بری ہو گئے ہیں اور ۱۸۸۷ء میں شیخ مہر علی نے اس مقدمے میں کامیابی پر گیارہ سو روپے جو انہوں نے بطور منت انجمن حمایت اسلام کو دیئے۔

ایک دفعہ ایک ادھیڑ عمر کا شخص جاندھر سے حافظ صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور دست بستہ گزارش کی کہ

حضرت صاحب! مجھے اللہ کرنا بتلادیں۔ حافظ صاحب نے اس کو قرآن پاک کی ایک آیت شریف بتلائی کہ اس کا ورد چالیس روز کرو۔ پھر میرے پاس آنا اگلا سبق پھر دیا جائے گا اور ہدایت کی شہرے دور جا کر اور رات کے وقت وظیفہ کرنا کسی شخص کو اپنے نزدیک آنے کی اجازت نہ دینا۔ حافظ صاحب کے بتلانے ہوئے وظیفہ کا یہ اثر ہوا کہ مخلوق خدا کا رجوع ان کی طرف ہو گیا۔ لوگوں نے ان کے لیے ایک جھونپڑی بنوادی اور ہر مذہب و ملت کے لوگ ان کے پاس آنا شروع ہو گئے۔ سینکڑوں مرد اور عورتیں ان کے پاس آتے اور نذرانے پیش کرتے۔ حافظ صاحب خود بھی تشریف لے گئے اور ہدایت فرماتے کہ اپنے آپ کو محتاط رکھنا۔ قصہ اس کا عروج بڑھتا چلا گیا۔ جب چالیسویں شب آئی رات اندھیری تھی۔ ایک حسین و جمیل عورت سولہ سنگار اور بارہ ابھرن کر کے اس شخص کے پاس جھونپڑی میں آگئی۔ اس کا حسن ایسا تھا کہ چراغ کی ضرورت باقی نہ رہی۔ وہ عورت کہنے لگی کہ اے شخص! میں بہشت کی حور ہوں خدا نے مجھے تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ سن کر وہ شخص شیطان کے پھندے میں پھنس گیا اور فعل بد کا مرتکب ہوا۔ یہ نادانی اس نے کی اسی وقت بہت سخت قسم کی آندھی آگئی اور اس کی جھونپڑی اس آندھی میں اڑ گئی اور تمام منظر بھی ختم ہو گیا اس کے بعد وہ شخص آپ کے پاس رو تا پینٹا حاضر ہوا کہ مجھے معاف کر دیں۔ مجھے غلطی ہو گئی ہے، مگر معافی کہاں۔ وہ تمام عمر اسی طرح روتا رہا اور مر گیا۔

ایک دفعہ ایسی خشک سالی آئی کہ بارش کا نام و نشان تک نہ تھا۔ فصلیں نہ ہونے کی اُمید سے لوگ پریشان ہو گئے گرمی کی شدت حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ لوگ بارش سے بایوس ہو گئے چند لوگ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور بارش کے لیے دعا کرنے کی گزارش کی۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں مجذوب جو کہ بازار میں فلاں جگہ رہتا ہے۔ اُسے کھیر کھلا دو۔ حسب الحکم لوگوں نے کھیر پکا کر اس مجذوب کے پاس لے گئے۔ وہ مجذوب کھیر کھانے لگا اور اس کے ساتھ ہی اس نے پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ جب اس کا پیشاب بازار میں پہنچ گیا۔ تب زور سے بارش ہو گئی۔ مجذوب کھیر کھاتا گیا اور پیشاب کرتا گیا۔ بارش بھی موسلا دھار ہوتی رہی اور اس قدر بارش ہو گئی کہ دود و فٹ پانی بازار میں کھڑا ہو گیا۔ بارش تھمنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ آخر کار لوگوں نے آپ سے رجوع کیا کہ بارش زیادہ ہو گئی ہے اور اب ختم ہو جائے۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ تم جا کر اس کے آگے سے کھیر کا برتن اٹھا لو۔ بارش ختم جائے گی، لہذا حسب الحکم لوگ مجذوب کے پاس گئے اور کھیر کا برتن اٹھا لیا۔ برتن کا اٹھانا تھا کہ بارش برسنا ختم ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی اس نے پیشاب کرنا بند کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں، مگر بخوف طوالت اس وقت تحریر کرنے سے پرہیز کرتا ہوں اور ویسے بھی آپ کرامتوں سے اخفا فرماتے رہے۔

ایک دفعہ آپ کے صاحبزادے میاں دولت علی صاحب کو مرض چچک ہو گیا۔ جس سے صاحبزادہ صاحب کو بہت ہی پریشانی بے چینی ہوئی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے بہ رسم و رواج ہندوانہ بچے کی گھبراہٹ سے پریشان ہو

کرماتارانی (ہندو دیوی) کے نام مننت مانی کہ وہ بچے کی صحت یا بی پر ایک روٹ پکا کر اور ماتھا ٹیکنے کے لیے اپنے بچے کو ساتھ لے کر ماتارانی کے استھان پر جائے گی اور مننت کو پوری کرے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بچہ ایک دو ہفتے مرض میں مبتلا رہنے کے بعد بچہ کو صحت کئی ہو گئی۔ اب اہلیہ محترمہ بھند ہوئیں اور حافظ صاحب سے کہا کہ بچے کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ماتارانی کے استھان پر لے جا کر اس کا ماتھا ٹیکو لاؤ اور ساتھ ہی دان بھی پیش کر دینا پہلے پہلے تو حافظ صاحب ٹال مٹول سے کام لیتے رہے، لیکن اس دور کا معاشرہ کچھ ایسا وضع دار تھا کہ اپنے قول کو نبھانے کے لیے تاخیر نہیں کرتے تھے۔ ایک دن صبح سویرے حافظ صاحب تیار ہو گئے اور بچے سے فرلبنے لگے۔ چل اٹے تیرا ماتھا ماتارانی دے چرناں وچ ٹھکا لیا واں۔ جب آپ بچے کو ساتھ لے کر شہر سے باہر نکلے تو تانگے والے سے پوچھا کہ ماتارانی کے استھان پر جانے کے لیے وہ کتنا کرایہ لے گا۔ تانگے والے نے جواب دیا کہ آندیا دو آنے لوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں دو پیسے کرایہ دوں گا، مگر تانگے والے نے انکار کر دیا آپ اس کی بحث و تکرار سے تنگ آ کر واپس گھر کو لوٹ آئے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ پریشان ہوئیں کہ اب کیا ہوگا۔ خیر ادن گزر گیا اور پھر اسی پریشانی میں مزید دو چار دن گزر گئے کہ ماتارانی کی استھان پر کیسے جائیں اور مننت پوری کریں۔ ایک دن شام کے وقت آپ اپنے گھر کے آنگن میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ڈیوڑھی کے دروازے پر کسی شخص کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے دیکھا کہ وہ آنے والی شخصیت ایک نوجوان خوبصورت عورت سولہ سن کا رکھے ہوئے نہایت عاجزانہ انداز سے چلی آ رہی ہے اور بڑے ہی دالہانہ انداز سے حافظ صاحب کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ آپ نے اسی وقت اپنے بچے میاں دولت علی کو آواز دے کر بلوایا اور کہا اوائے ادھر آ ماتارانی نوں متھا ٹیک۔ آپ کی اہلیہ محترمہ یہ منظر دیکھ کر خوش ہو گئی۔

وصال شریف سے چند ماہ قبل سرکار حافظ صاحب کی طبیعت مضمحل سی رہنے لگی۔ آپ اکثر اوداس بہتے اور طبیعت بھی کچھ کچھ طویل رہنے لگی۔ آخر علالت نے شدت اختیار کر لی اور آپ صاحب فرماش ہو گئے۔ آپ کا وصال شریف ۲۲ ذی قعد ۱۳۱۴ھ بروز پیر ہوا اور یہ آفتاب عرفان دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۵ سال کی تھی۔ آپ کا مدفن قبرستان کندن شاہ ہوشیار پور میں ہے۔ حافظ قاری جتید سے مادہ تاریخ ۱۳۱۴ھ نکلتا ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے مزار اقدس پرکانی بڑا مید لگتا تھا، مگر مسلمانوں کے پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد اب میلہ کی صورت نہیں ہے، مگر پھر بھی بلا مذہب و ملت کے لوگ آپ کے مزار پر حاضر ہو کر روحانی مسرتیں حاصل کرتے ہیں اور مرادوں سے جھولیاں بھرتے ہیں۔

حضرت خواجہ قادر بخش قادریؒ

آپ کے مورث اعلیٰ مصری خاں قصبہ کلال گو علاقہ غزنی میں رہا کرتے تھے۔ مؤکل خان جو احمد شاہ درانی کے اعلیٰ رکن سلطنت تھے۔ ایک درویش باکمال گلزار محمد خاں قوم مہندزئی افغانستان سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ اُن کے پیر نے بغرض تعلیم و تلقین اپنے دو خلیفے شیرخان غازی اور حاجی مڈکی ان کے ساتھ کر دیے۔ جب مؤکل خاں پنجاب کو آئے تو وہ ہر دو ساتھ تھے اور بمقام جہان خیلان ضلع ہوشیار پور میں آکر آباد ہو گئے۔ ان دونوں کی قبور خالقہ ہائی سکول کی جامع مسجد کے عقب میں واقع ہیں۔ شیر محمد خاں ریاست منڈی میں ملازم ہو گئے۔ جب اُن کی عمر ساڑھے بیس سال کی ہوئی تو ۱۳۰۴ ہجری میں دیدار بخش پیدا ہو گئے۔ ابھی آپ کی عمر اڑھائی سال کی تھی کہ والد ماجد نے انتقال فرمایا۔ بعد میں دیدار بخش ایسے بیمار ہوئے کہ چند روز میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جب بچہ کو کفن پہنا کر لے چلے تو آپ کی والدہ نے کہا کہ مجھے دکھلا دو۔ جب نعش اُن کے ہاتھ میں دی گئی تو وہ دوسری طرف سے نکل کر ایک مسیحا دم درویش باکمال نادر علی شاہ کی خدمت میں پہنچی۔ شاہ صاحب حسب معمول آنکھیں بند کیے مراقب بیٹھے تھے۔ ان کی گود میں بچہ کوٹا کر چلی آئی۔ شاہ صاحب نے خادم کو بلا کر پوچھا کہ میرے زانوں پر کیا چیز پڑی ہوئی ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ بیوہ شیر محمد خاں اپنے اکلوتے بچے کی نعش رکھ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو پانی میں ڈال دو۔ چنانچہ خادم نے ایسا ہی کیا۔ ایک گڑھے میں جس میں قدرے پانی تھا لٹا دیا گیا اور آپ سر بہ سجدہ بارگاہ رب العزت میں خلوص دل سے گڑگڑا کر دعا کرنے لگے۔ دریاٹے رحمت الہی جوش میں آ گیا۔ شاہ صاحب نے جب سجدہ سے سر اٹھایا تو بچہ کو زندہ پایا۔ والدہ کو خبر ہوئی تو خوشی کے مارے دوڑی چلی آئی اور بچہ کو گود میں لے کر شاہ صاحب کے قدموں میں ڈال دیا اور عرض کیا کہ یہ آپ ہی کا ہے۔ آپ کے ہی قدموں میں رہے گا۔ یہ کہہ کر واپس چلی گئی۔ اس طرح دیدار بخش صاحب نے شاہ صاحب کے ہاں پرورش پائی۔ دینیوی علم حاصل کرنے کے بعد اُن ہی سے بیعت ہوئے۔ چوبیس سال کی عمر میں شاہ صاحب نے اُن کو خرقہ خلافت اور دستار فضیلت سے مشرف فرمایا۔ جب شاہ صاحب کی عمر ایک سو پچیس سال کی ہوئی تو آپ نے اس دار فانی سے انتقال فرمایا۔ مزار اقدس کوٹ عبدالخالق کے متصل واقع ہے۔ دیدار بخش چھ ماہ کے بعد کشمیر چلے گئے اور مہاراجہ کشمیر کے ہاں ملازم ہو گئے۔ جب عمر ۳۲ برس کی ہوئی تو وہاں سے ایک مجذوب احمد شاہ کے حکم کے مطابق

وطن واپس آئے اور موضع جلال خاں نزد موضع میانی میں آکر شادی کی۔ وہاں سے آپ اپنے وطن جہاں خیلاں آگئے جو بستی مذکورہ سے پندرہ کوس کے فاصلے پر ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں حضرت خواجہ قادر بخش بروز دو شنبہ ۱۲۳۷ھ بمطابق ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہ قادر بخش نے پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور سات سال کی عمر میں ختم کر لیا۔ والد ماجد نے کشمیر میں وفات پائی۔ اُن کا مزار پنجابی پیر کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ بارہ سال کی عمر میں علوم دینیوں سے فارغ ہوئے اور کھیتی باڑی کرنے لگے۔ چودہ سال کی عمر میں لدھیانہ آکر مقیم ہو گئے یہاں پرائگریز فوج میں ترم بجانے پر مامور ہوئے۔ دوران ملازمت میں شاہ کابل اور برطانوی حکومت میں جنگ شروع ہو گئی۔ ایک رسالہ کے ہمراہ جنگ پر چلے گئے۔ وہاں سے جنگ ختم ہونے پر آپ پانچ سال کابل ہی میں رہے۔ اسی اثنا میں آپ نے حضرت شاہ عنایت اللہ قادری سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔ اسی دوران میں اپنے اصلی وطن کلال گو میں ایک سال قیام فرمایا۔ بعد ازاں پشاور ہوتے ہوئے لاہور پہنچے۔ یہاں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد آپ سنگھ شریف میں حضرت شاہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے سلسلہ عالیہ چشتیہ کی نسبت مع خلافت لے کر کشمیر پہنچے۔ وہاں ایک درویش سید احمد صاحب سے خاندان سروردیہ میں بیعت ہوئے اور اجازت حاصل کر کے جالندھر تشریف لائے، یہاں حاجی حافظ محمود سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے جو مولوی محمد شریف صاحب کے مرید و خلیفہ تھے۔

حضرت حاجی محمود صاحب سے بیعت ہونے کے بعد آپ جموں و محکمہ پولیس ہو گئے تھے۔ پھر آپ لاہور تبدیل ہو گئے۔ وہیں آپ ڈپٹی انسپکٹر پولیس کے عہدے پر ترقی پا گئے۔ بعد ازاں انسپکٹر پولیس کے عہدے پر ترقی ہو گئی مگر حاجی صاحب نے آپ کو لکھا کہ اب نوکری چھوڑ کر خلق خدا کو تلقین و ہدایت کرو، لہذا آپ نوکری چھوڑ کر اپنے وطن جہاں خیلاں آگئے۔

دوران ملازمت میں آپ اشاعت طریقہ نقشبندیہ میں مشغول ہو گئے تھے، چنانچہ راہوں میں سب سے پہلے خلیفہ امام بخش آپ سے بیعت ہوئے۔ امام بخش کے بعد اُن کا تمام کنبہ اور دیگر بہت سے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے مگر جب آپ نے اپنے پیروستگیر کے فرمان سے نوکری چھوڑ دی تو حسب الارشاد آپ ہمہ تن تلقین و مجاہدہ میں رہنے لگے۔ باقاعدہ اشاعت کا کام پہلے آپ نے اپنے گاؤں سے شروع کیا۔ اُس وقت ہوشیار پور کی چھاؤنی قائم ہوئی تھی۔ چھاؤنی کے لوگ اور گردونواح کے دیہات کے لوگ آپ کے مرید ہو گئے۔ آپ کا فیض یہاں سے دُور دور تک پہنچا۔ آپ غرسوں پر بھی تشریف لے جایا کرتے تھے اور دورہ پر بھی چلے جایا کرتے تھے۔ اس طرح سے آپ کی تلقین کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔

حضرت خواجہ صاحب کو دو ڈھائی گھنٹہ کی جس دم کی مشق تھی۔ صبح کو مکھن بادام نوش جاں فرما کر جس دم کرتے اور دوپہر تک تین سانس لیتے اور اسی میں نفی اثبات کیا کرتے۔ استغراق ایسا تھا کہ پاؤں میں بحالت مراقبہ کسکریاں گھس جاتی تھیں اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ شاہ عبدالغنی محدث مجددی دہلوی سرسبز تشریف لائے تو خواجہ صاحب کو مراقبہ دیکھ کر فرمایا کہ مراقبہ اسی کا نام ہے جیسا کہ میاں قادی بخش کرتے ہیں۔

سائیں تو کل شاہ فرماتے ہیں کہ ایک دن اس فقیر نے دیکھا کہ ایک نور برنگ سبز (نور ولایت محمدی) حضرت خواجہ صاحب سے آسمان کو چڑھا اور ایک دفعہ میں نے سنا کہ آپ کے ہر بن موسیٰ اللہ اللہ کی آواز آرہی ہے۔ کثرت اذکار بالخصوص درود شریف کی وجہ سے آپ کے بدن مبارک سے خوشبو آیا کرتی تھی، چنانچہ خلیفہ بیگے شاہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ نے مجھ سے فرمایا کہ میری کمر پر ذرا ہاتھ پھیر دو۔ میں نے تعمیل ارشاد کی، میں کمر ملتا تھا، پسینہ مبارک سے گلاب کی سی خوشبو دماغ میں آتی تھی اور جسم کے اندر سے اسم ذات کی آواز آتی تھی۔ جب میں اسی کیفیت میں محو ہونے لگا تو حضرت نے فوراً گرتے نیچے کر لیا اور مجھے علمدہ کر دیا۔

حضرت خواجہ صاحب راہوں میں دوران ملازمت تھانیداری میں ایک روز گشت کر رہے تھے۔ دوپہا ہی آپ کے ساتھ تھے ایک ٹیلہ سے آواز آئی کہ شمس العرفان! فاتحہ سے شاد کر حضور کو کیسے معلوم ہوا کہ شمس العرفان ہے۔ آواز آئی کہ میں حضرت مجدد الف ثانی کا خلیفہ ہوں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ہمارے سلسلہ میں ایک شخص شمس العرفان ہو گا اور تیری قبر پر فاتحہ پڑھے گا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہاں قبر ہے۔ چنانچہ صبح کو آپ نے وہ جگہ کھدوائی۔ تین گز نیچے ایک پختہ قبر برآمد ہوئی اور وہ قبر اب تک راہوں میں مرجح خلاق ہے۔

ایک دفعہ آپ دوران ملازمت باوردی پولیس نور پور سے تشریف لا رہے تھے کہ ایک پہاڑ کی غار سے آواز آئی کوئی اللہ کا بندہ مجھے راستہ بتلا دے۔ آپ اس کی آواز سن کر ٹھہر گئے اور فرمایا کہ سیدھے چلے آؤ یہی سیدھا راستہ ہے۔ اس شخص نے کہا کہ مجھے بہت کم نظر آتا ہے۔ پاؤں کانٹوں سے زخمی ہیں۔ اس کا جواب سن کر خود اس کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا تو آنکھوں سے معذور ہے۔ آپ نے فرمایا میں تیری آنکھوں میں دوائی ڈال دیتا ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ تو تین گھنٹے یہاں پر بیٹھا رہے۔ اس نے منظور کیا۔ آپ نے اپنی زبان مبارک اس کی آنکھوں پر پھیر دی اور وہاں سے چل دیے۔ موضع سانولی تحصیل گردہ شکر میں پہنچ کر آپ وضو کر کے نفل پڑھنے لگے۔ ناگاہ دیکھتے کیا ہیں کہ وہی شخص آپ کے نقش پا پر دوڑا چلا آ رہا ہے۔ پاس آ کر اس نے آپ سے پوچھا کہ یہاں کوئی فقیر آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے کوئی فقیر یہاں نہیں دیکھا، تمہارا اس طرح سے پوچھنے کا کیا مطلب ہے۔ اس نے کہا کہ کوئی سنیاسی فقیر تھا، اس نے میری آنکھوں میں دوائی ڈال دی۔ اب میں بالکل تندرست ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا

کہ ہم سنیا سی نہیں ہیں۔ خلیفہ بگے شاہ جو پاس ہی تھا کہا ارے نادان! یہ کیمیا گر نہیں ہیں درویش ہیں جنہوں نے تیری آنکھوں میں دوائی ڈال دی تھی۔ ان کی وردی کی طرف نہ دیکھو یہ قطب زماں ہیں۔ انہوں نے تیری آنکھوں پر اپنی زبان مبارک پھیر دی تھی جس کی برکت سے تجھے شفا ہو گئی تھی۔ وہ ہندو راجپوت تھا یہ کرامت دیکھ کر حضرت خواجہ کے دست حق پرست پر اسلام لایا اور داخل سلسلہ ہوا۔

مولوی پیر محمد صاحب جو موضع بنگہ میں اسکول ماسٹر تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ کوٹ سے چوبیس میل کے فاصلے پر میرا گاؤں تھا۔ میں حسب معمول اپنے گاؤں آ رہا تھا کہ موضع سے تھوڑی دورندی کے کنارے ایک چیتا میری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ دہشت کے مارے میں حواس باختہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ صاحب اس چیتے کا کان پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں۔ پیر محمد اجلدی نکل جائیں اسے پکڑے ہوئے ہوں چنانچہ میں وہاں سے صحیح سلامت نکل گیا۔ دوسرے روز وقت معینہ پر حاضر ہو کر خدمت میں سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا یہ تیرا خیال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے بحالت بیداری چشم خود دیکھا ہے۔ میرے اصرار پر آپ فرماتے لگے کہ اللہ کے بندوں کے نزدیک یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ دند چرند اور پرند ان کے تابع ہوئے ہیں۔ مشکل کے وقت مرید کی مدد کرنا پیر کا کام ہے۔ پھر فرمایا:

بوٹے بوٹے ناگ پلے بسیر ڈنک چلاوے

باہجوں مرشد واصل باللہ اپنے کون بچاوے

بقول خلیفہ الہی بخش کہ میں نے دوران ملازمت ایک مستغیث سے دس روپے لے کر اس کا کام کر دیا۔ جب روپے لے کر اپنی جیب میں ڈالے تو اسی دم غیب سے ایک طمانچہ میرے منہ پر کسی نے لگایا اور ساتھ ہی آواز آئی اگتے! تو رشوت کھاتا ہے۔ میں نے روپے واپس کر دیے۔ جب حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت خواجہ صاحب نے منہ پھیر لیا۔ میں قدموں پر گر پڑا اور رو کر معافی کا خواستگار ہوا۔ آپ نے فرمایا تو نے بیعت کے وقت نواہی شرعیہ سے توبہ کی تھی۔ دس روپے کے لالچ سے تو نے وہ توبہ توڑ ڈالی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! مجھے سزا مل گئی ہے وہ روپے میں نے واپس کر دیے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے خبر کر دی میں نے تمہیں روک دیا تھا۔ لہذا میں نے شرمندگی محسوس کی اور تجدید بیعت کی۔

ایک دن حضرت خواجہ صاحب نے درخت توت کی شاخ پکڑ کر اپنے خلیفہ بلاقی شاہ سے فرمایا کہ منادی کرادو کہ جو شخص آج مجھے ملے گا جنتی ہوگا۔ یہ الہام خدا تھا۔ بہت سے لوگ حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان میں دو ہندو ماگھی اور دو سوندھی نام کے تھے اور دونوں زرگر تھے۔ ماگھی مسلمان ہو گیا۔ دو سوندھی ہندو ہی رہا مگر سنا ہے کہ جب

دسوندھی کا انتقال ہوا اور اس کی لاش جلانے لگے تو لاش بالکل نہ جلی۔

آپ کا وصال شریف ۱۲۷۲ ہجری بمطابق ۱۸۵۸ء کو بمقام کوٹ عبدالخالق ہوار مزار اقدس مرجع وصال ا خلائق ہے۔ کوٹ عبدالخالق نزد جہاں خیلان تحصیل و ضلع ہوشیار پور میں واقع ہے۔

کلماتِ قدسیہ

فرمایا کرتے تھے کہ خاندان کے سب سردار میرے سردار ہیں۔ کبھی یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

تو نقشِ نقشبندالِ را چہ دانی تو حالِ پیکرِ جاں را چہ دانی

گیاہِ سبز داندِ قدرِ باراں تو خشکیِ قدرِ باراں را چہ دانی

ہنوز از کافِ کفرت ہم خبر نیست حقائقِ ہائے ایمان را چہ دانی

فرمایا! ایسا ہونا چاہیے کہ اپنے محبوب و مطلوب کے سوا کسی طرف بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے تب کمال کو پہنچتا ہے

اور انوارِ رحمانی اس پر وارد ہوتے ہیں محض عبادت پر منحصر نہیں۔

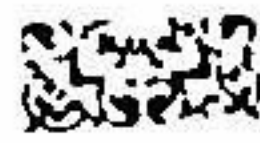
فرمایا! یہ پیر کا حق ہے کہ جو مطلق گناہ یا تکلیف مرید کو ہو اس سے فوراً مرید کو آگاہ کر دے۔

فرمایا! پیر کی خدمت میں حاضر ہونے سے مقصود یہی ہونا چاہیے کہ مرشد کے باطنی فیض سے اپنے قلب کا

تزکیہ و تصفیہ کرے۔ اگر ماسوا کے خیال سے قلب کو خالی کر کے پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر قلب کی طرف متوجہ ہو

جائے تو ضرور کچھ نہ کچھ فیضان حاصل ہوتا ہے۔ بقول:

باسوخت گالِ بنشین شاید کہ تو ہم سوزی



حضرت سید حافظ غلام چشتِ بشتی نظامی

حضرت سید حافظ غلام چشتِ رحمتہ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ سے تعلق و واسطہ رکھتے تھے۔ آپ نے

عالم یقین علی شاہ چشتی نظامی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے ہوشیار پور

اور گردونواح کے علاقے میں تعلیماتِ دینی سے مخلوقِ خدا کو نوازتے ہوئے راہِ مستقیم کی راہ دکھائی۔ آپ کی اولاد میں سے

کسی نے بھی فیض اکتساب نہیں کیا۔ آپ سے جن لوگوں نے روحانی فیض حاصل کیا۔ وہ گنتی کے لوگ ہیں جن کا شمار انگلیوں پر کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے اپنی درویشی کو اس قدر اخفا میں رکھا ہوا تھا کہ آپ کے اہل خاندان بھی آپ کی پر وقار شخصیت کو نہ پہچان سکے۔ دور اس قسم کا تھا کہ محلے کے لوگ بھی آپ کے صرف اخلاقِ حسنہ سے متاثر تھے اور کسی نے بھی آپ کے زیادہ قریب ہونے کی کوشش نہیں کی۔ یہ روحانیت کا بیکراں سحر اپنی مثال آپ تھا، حالانکہ دور دراز ہے لوگ آپ کے پاس خیر و برکت کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کے حالات زیادہ تر تاریکی میں ہیں۔ حضرت حافظ غلام چشت کا مزار اقدس ہوشیار پور شہر محلہ کمیٹی گنج کے ایک مکان کے صحن میں واقع ہے اور غیر معروف ہے۔ آپ کی اولاد میں سے کوئی بھی مزار اقدس پر روضہ تعمیر کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

یہ کہنا بجا ہو گا کہ چراغ تلے اندھیرا رہا۔ جن کو بزرگانِ دین سے عقیدت و ارادت ہوتی ہے ان کے لیے ہر مقام نقشِ کف یا رہوتا ہے۔ تشنگانِ محبت اور متلاشیانِ حق مزارِ اقدس پر آکر حاضری دیتے رہتے تھے۔ آپ کے خلیفہ اعظم حافظ قادر بخش چشتی نظامی تھے جو لدھیانہ (مشرقی پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ حافظ قادر بخش نے ہوشیار پور آکر آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور خلافت حاصل کرنے کے بعد اپنے ہی وطن واپس جا کر دینِ اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ ایک مخلوقِ خدا آپ کی عاشق و گرویدہ تھی۔ سلسلہ عالیہ کو کافی فروغ حاصل ہوا۔

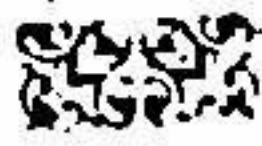
ان کے خلیفہ حافظ محمد عبداللہ چشتی نظامی تھے جو جالندھر کے رہنے والے تھے۔ ان سے بھی مخلوقِ خدا کو کافی فیض پہنچا۔ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اپنے دست مبارک سے محنت کرتے تھے۔ لوگوں کو بھی اسی قسم کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ کے اخلاقِ حمیدہ سے لوگ متاثر ہو کر آپ سے نیکی کے راستے پر گامزن ہونے کی دعا کرتے۔ آپ کے مریدین کافی تھے۔ ان کا مزار اقدس تکیہ حاکم شاہ (برلب سڑک ٹانڈہ) قبرستان شاہ سکندر میں مرجعِ خلائق ہے۔ حافظ محمد عبداللہ کے مریدین میں سے آپ کے خلیفہ حضرت سائیں فتح علی شاہ چشتی نظامی (رومیہ) تھے، جو جالندھر کے رہنے والے تھے۔ آپ روحانیت کے طبیب کے علاوہ جہانِ طبیب بھی تھے۔ ان کا مزار اقدس بمقام اردپ شریف چاہ معانی والا میں واقع ہے۔ آپ کے ہاتھ میں رعشہ تھا۔ صحیح طور پر تحسیر نہیں کر سکتے تھے۔ غریب لوگوں کی مالی طور پر امداد فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی غذا سادہ تھی اور ساری زندگی سادگی سے گزار دی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ ساہیوال میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ آپ کا وصال بھی ساہیوال میں ہوا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے ایک مرید اور خلیفہ سائیں مہر دین چشتی نظامی جو کہ بمقام اردپ شریف تحصیل و ضلع گوجرانوالا میں سکونت رکھتے تھے۔ سائیں مہر دین صاحب بھی بمقام بڑا پنڈتی کمال پور تحصیل پھلور ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے کو میت سپرد کر

دی گئی۔ سائیں مہر دین نعلش مبارک کو اپنے ساتھ اروپ چاہ معافی والے کر آئے اور یہاں پر اپنی لاث شدہ زمین میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

سائیں فتح علی شاہ چشتی نظامی کا عرس مبارک ہر سال ۱۶ چیت کو بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے جس میں مجبان اولیاء بڑی تعداد میں شرکت کر کے روحانی مستزین حاصل کرتے ہیں۔ راقم الحروف سے اکثر خطوط وغیرہ لکھوایا کرتے تھے اور قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔

شجرہ طریقت

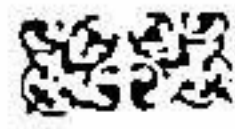
سید حافظ غلام چشتی مرید یقین علی شاہ مرید حضرت عبدالرزاق مرید حضرت عبدالباقی ران کا وصال شریف ۱۱ محرم ۱۲۰۲ھ بروز چہار شنبہ لکھنؤ میں ہوا۔ وہیں مزار اقدس ہے۔ مرید خواجہ محمد صادق چشتی نظامی مرید محمد عاشق مرید حضرت محمد فرخ شاہ مرید سید قطب الدین شاہ مرید حضرت خواجہ نظام الدین بن عمر ناول مرید خواجہ خانوں علی ناگوری مرید خواجہ اسمعیل مرید خواجہ محمد حسن مرید خواجہ سالار مست مرید خواجہ سالار فاروقی مرید خواجہ اختیار الدین مرید خواجہ برہان الدین محمد ساوی، مرید خواجہ نصیر الدین روشن چراغ دہلوی، مرید حضرت نظام الدین اولیا مرید بابا فرید الدین گنج شکر۔



حضرت بابا تعلق شاہ

آپ خاندان سادات کے چشم چراغ تھے۔ آپ کے حالات مبارک کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ آپ موضع تعلق شاہاں دامن کوہ شوالک (یہ گاؤں آپ کے نام پر آباد ہے) تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں سکونت رکھتے تھے۔ پنجاب میں عموماً بچپن میں شادی کر دینے کا رواج تھا۔ ایک مقامی روایت کے مطابق آپ کی شادی بھی سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے کر دی گئی تھی جس پر آپ اظہار ناپسندیدگی فرماتے ہوئے زمین میں زندہ سما گئے جس جگہ آپ زمین میں سمائے وہاں نشانی کے طور پر گرتے مبارک کا تھوڑا سا حصہ زمین سے باہر رہ گیا۔ آپ کو تلاش کرتے کرتے جب اس جگہ پر پہنچے تو آپ کے اہل خاندان کو یقین ہو گیا کہ آپ اسی جگہ سما گئے ہیں۔ یا پھر ان کو یقین ہو گیا تھا کہ آپ نے دنیا داری کو پسند نہیں فرمایا۔ اسی جگہ پر آپ کا مزار اقدس پاکی نما تعمیر کر دیا گیا۔ آپ کے اہل خاندان کے افراد بعد میں مجاوری کرتے رہے۔ راقم الحروف نے کئی دفعہ آپ کے مزار اقدس پر حاضری دی ہے۔

آپ کے آباؤ اجداد ہجرت کر کے کسی دوسرے مقام سے یہاں تشریف لائے تو اس پہاڑی علاقے میں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا، لہذا ان بزرگوں میں سے ایک نے یہاں پر نیزہ مار کر زمین میں سے چشمہ جاری کیا جس سے گردونواح کے لوگوں کو پانی کی کمی سے نجات حاصل ہو گئی۔ ان بزرگوں کے مزارات مبارک بھی آپ کے مزار اقدس کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہیں۔ پہاڑی پر جانے اور مزار اقدس تک پہنچنے کے لیے پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ ان سیڑھیوں پر جو سیلیں لگی ہوئی ہیں وہ ۵x۵ فٹ مربع کی ہیں۔ سیڑھیوں کی تعمیر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی انسانی ہاتھوں کا کارنامہ نہیں ہے۔ یہ روایت بھی ہے کہ یہ سیڑھیاں آپ کے مرید جنات نے تعمیر کی تھیں "واللہ اعلم بالصواب" مزار اقدس پر حاضری دینے سے قلبی سکون اور روحانی مستزین حاصل ہوتی ہے۔ گاؤں کی آبادی بہت کم ہے اور ارد گرد کا ماحول بہت پُر سکون ہے۔ آپ کے مزار اقدس پر اگر کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو پہاڑیوں کے سرسبز درخت اور جھاڑیاں ایک خوبصورت اور روح پرور نظارہ قلب و ذہن کے لیے پیش کرتی ہیں۔ آپ کے مزار اقدس پر بلا تميز مذہب و ملت لوگ حاضر ہوتے تھے اور مردوں سے جھولیاں بھرتے تھے۔



حضرت بابا قطب شاہ

بابا قطب شاہ علیہ الرحمۃ کا شمار اکابرین میں ہوتا ہے۔ آپ نے دین اسلام کی تبلیغ نہایت اعلیٰ طریقے سے فرمائی اور مخلوق خدا کو راہ ہدایت بخشی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گردونواح کے علاقے بُرے کاموں کو چھوڑ کر نیکی کی طرف مائل ہو گئے۔ آپ کے مزار اقدس پر حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ نے عرس پاک کا باقاعدگی سے آغاز فرمایا تھا۔ میلاد پاک اور محافل سماع کی تقریبات کا پروگرام ہوتا۔ درویشوں کے علاوہ دنیا دار خاص طور پر شرکت کرتے اور ان محافل مقدسہ کے فیضان سے جھولیاں بھرتے۔

آپ کے حالات کے متعلق معلومات باوجود کوشش بیار کے حاصل نہ ہو سکے۔ آپ کا مزار اقدس موضع اُونچی بستی تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں مرجع خلائق ہے۔ یہ موضع ریلوے لائن دوسوہہ مکیریاں بطرف شمال تقریباً چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ کا مزاج اقدس جلالی تھا۔ اس بات کا ثبوت مندرجہ ذیل ایک واقع سے ہوتا ہے۔ جن دنوں ریلوے لائن جالندھر مکیریاں سیکشن کا سروے کر کے لائن بچھادی گئی۔ اور اس ریلوے لائن کا سروے

آپ کے باغ اور مزار اقدس سے ہو کر گزرتا تھا۔ جب ریلوے لائن مکمل ہو گئی اور ریلوے انجن کو اس پر تکمیلی مراحل کی غرض سے گزارا گیا تو ریلوے انجن آپ کے مزار اقدس کے قریب آ کر پٹری سے اتر گیا۔ اور اُلٹے اُلٹے بال بال بچا، لہذا انگریز انجینئر نے اس کو حضرت صاحب کی کرامت سمجھ کر اس ریل پٹری کو تھوڑا سا موڑ دیا اور اپنا سروے دوبارہ سیدھا کیا اور پھر دوبارہ پٹری تعمیر کر کے ریل انجن کو چلایا گیا تو درست پایا گیا۔

آپ کا مزار اقدس کچا اور ایک چبوترے پر چار دیواری کے اندر واقع ہے۔ اس کے ارد گرد ایک بہت بڑا باغ جس میں ام اور جامن کے اشجار بکثرت موجود ہیں۔ تقسیم ہند سے پہلے ایک بہت بڑا عرس مبارک منعقد ہوتا تھا۔ جس میں دور دور سے لوگ حاضر ہو کر سر نیا ز جھکاتے تھے۔ راقم الحروف بھی اس عرس پاک میں شرکت کرتا رہا اور وہ سماں ابھی تک قلب و نظر میں سمایا ہوا ہے جب کہ دروازے گرد و نواح کے علاقے کی عورتیں اور لڑکیاں اپنے سروں پر چوڑا (گیہوں کی روٹیاں، گھی اور چینی ملا ہوا ملیدہ) اٹھائے ہوئے اپنی ازلی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے مزار اقدس پر حاضر ہوتیں اور جہیں سائی کرتی تھیں اور ان کے لبوں پر عشق و محبت کا یہ گیت رقص کناں ہوتا تھا۔

عقیدت و محبت کے ان گیتوں سے صاحبِ ذوق حضرات محفوظ ہوتے۔ ان گیتوں کی روشنی میں وہاں کی ثقافت کا پتہ چلتا ہے۔

گیت

دشن دیویں پیرا... دیویں پیرا... آسیں کون ویٹے دیاں کھڑیاں

دشن دے بھی دتا... دے بھی دتا... چٹے دند چنبے دیاں کلیاں

جب حاضری ہو جاتی تو روحانی دسترہیں حاصل کر کے واپس لوٹتیں۔ راقم الحروف آج بھی اس عرس کے مناظر

میں اکثر کھو جاتا ہے۔ ع: ایسا کچھ دیکھا کہ آنکھوں کو تمارہ گئی

بڑے بڑے درویش عرس پاک پر تشریف لاتے اور خادموں کا روپ دھار کر مخلوق خدا کی خدمات سر انجام دیتے

تھے۔ تو الیاں پڑھی جاتی تھیں سامعین پر وجد و کیفیات طاری ہو جاتی تھیں۔

حضرت عبدالنبی شامی

حضرت قبلہ عبدالنبی شامی کے والد ماجد لالہ بھوڑہ مل بہل کھتری چوراسی گاؤں کا مالیہ وصول کرتے تھے اور پھر وہی جا کر خزانہ میں جمع کرواتے تھے۔ آپ کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہ تھی؛ چنانچہ آپ کو اس چیز کی بہت خواہش تھی کہ ان کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہو۔ ایک دفعہ جب آپ مالیہ جمع کروانے گئے تو آپ سرہند شریف میں حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمارے گھر لڑکا پیدا ہو۔ آپ نے ان کے حق میں دعا کی اور پھر حضرت عبدالنبی شامی ۲۹ رمضان المبارک ۱۰۲۸ ہجری کو اس ناپائیدار دنیا میں تشریف لائے۔

روایت ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کو تلک لگانے کے لیے سل وٹہ اٹھانے کے لیے جاتے تھے تو وہ غائب ہو جاتا تھا، لہذا آپ کو تلک نہ لگایا گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی وہ پہلے مرد مجاہد تھے جنہوں نے اس اسلام ہندو آمیزے کے خلاف جہاد شروع کیا۔ یہ آپ کی محنت، استقامت اور جانفشانی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں اسلام کفر و الحاذکی یورشوں سے محفوظ رہا۔ حضرت مجدد الف ثانی تو اللہ کو پیارے ہو گئے مگر یہ سہرا سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے خواجگان کے سر پر ہے جنہوں نے اس تحریک کو ہمیشہ فعال رکھا۔

جب حضرت عبدالنبی شامی نے ہوش سنبھالا تو آپ کے والد نے گاؤں کے استاد کے پاس فارسی پڑھنے کے لیے بھیجا۔ کہتے ہیں جب حضرت صاحب نے بورتان سعدی پڑھتے پڑھتے آپ نے اُستاد محترم سے درخواست کی کہ وہ انہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ بتائیں۔

ابتداء میں ان کے اُستاد نے اس جذبہ سعادت کو کوئی وقعت نہ دی مگر جوں جوں آپ کا اصرار بڑھتا گیا انہوں نے اس تشنگی کو فرو کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات دینا شروع کر دیں۔ ایک غیر مسلم کا مسلمان ہو جانا شام کے ہندوؤں کے لیے ایک چیلنج تھا؛ چنانچہ انہوں نے طرح طرح کے لالچ دے کر حضرت صاحب کو راہ حق سے ہٹانے کے لیے ہزار جتن کیے۔ جب آپ کے پائے استقلال میں ذرا بھی جنبش نہ آئی تو شام کے ہندوؤں نے آپ کو ٹھکانے لگانے کا خوفناک منصوبہ بنایا؛ چنانچہ آپ اور آپ کے اُستاد محترم نے اُسوۂ رسول کے تحت گاؤں کو خیر باد کہا اور ضلع فیروز پور ایک گاؤں سلطان پور میں جا کر مقیم ہو گئے۔ ان دنوں سلطان پور علم و فضل کا گوارہ تھا۔ وہاں حضرت عبداللہ سلطان پوری

نے آپ کو اپنی درسگاہ میں پناہ دی۔ تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ شہزادہ عالمگیر اور داراشکوہ نے ابتدائی تعلیم اس درسگاہ سے حاصل کی جس کا سنگ بنیاد حضرت عبداللہ سلطان پوری نے رکھا تھا۔

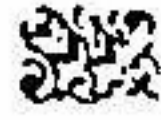
سلطان پور میں حضرت صاحب نقشبندیہ سلسلہ کے ایک دوسرے روحانی پیشوا حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پوری سے فیض یاب ہوئے۔ جب حضرت سلطان پور تشریف لائے تو حضرت حاجی عبداللہ سلطان پوری دہلی چلے گئے اور حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پوری کو اپنی درس گاہ کا منتظم اعلیٰ مقرر کیا۔ حضرت نے اپنی روحانی تشنگی کو حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پوری کے چشمہ انوار سے سیراب کیا اور ان کو آپ کا روحانی پیشوا ہونے کا شرف ملا۔ حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پوری کی صحبت میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد حضرت صاحب اور آپ کے استاد محترم نے شام کے نزدیک ایک گاؤں عالم پور میں سکونت اختیار کی۔ اب حضرت نے یہاں سے اپنے آبائی گاؤں شام میں آمدورفت شروع کر دی۔ اس طرح سے حضرت کے پیروؤں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور شام کے ہندوؤں کی مخالفت بتدریج کمزور ہوتی گئی۔ اس خوشگوار فضا میں حضرت صاحب نے آزادانہ گھومنا پھرننا اور اپنی تعلیمات کا درس جاری و ساری کر دیا۔

جب حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پوری اپنے مالک حقیقی سے جا ملے تو رشد و ہدایت کی ذمہ داری حضرت صاحب کے کندھوں پر آن پڑی۔ اس وقت اگرچہ آپ کی عمر ۸۰ سال کے لگ بھگ تھی مگر پھر بھی آپ اپنی روحانی قوتوں کی بندیوں پر تھے۔ آپ کی شہرت ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ کچھ اپنی دنیاوی مرادوں سے جھولیاں بھرتے، کچھ اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے حاضری دیتے۔ آپ کے عقیدتمندوں میں شہزادہ معظم شاہ فرزند ارجمند شہنشاہ عالمگیر کا بھی شمار ہوتا ہے۔ اُس نے حضرت سے تخت دہلی حاصل کرنے کے لیے التجا کی تھی جو کہ عالمگیر کی وفات کے بعد اُسے مل گیا۔ کامیابی کی اس خوشی میں اُس نے حضرت صاحب کو چوراسی گاؤں کی جاگیر عقیدتاً پیش کی۔ اسی وجہ سے شام کے گاؤں کو شام چوراسی کہا جانے لگا۔

حضرت صاحب نے اپنی جاگیر میں ایک اسلامی درسگاہ قائم کی۔ اس میں آٹھ فاضل اساتذہ اسلامیات کی تعلیم دیتے تھے۔ نو مسلموں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لیے آپ نے چار سو قاری مقرر کر رکھے تھے۔ آپ کے ایک خادم حافظ محمد مکمل نے آپ کے مکتوبات کو "مجموعہ الاسرار" کے نام سے منظم کیا۔ یہ مکتوبات اس امر کے شواہد پیش کرتے ہیں کہ حضرت صاحب نہ صرف پیر طریقت تھے بلکہ فارسی کے ایک بہت بڑے عالم بھی تھے۔ حضرت صاحب نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق و محبت کے اظہار کے لیے ایک درود شریف بھی ترتیب دیا۔ آپ نے چار شادیاں کیں جن سے آپ کی اولاد آج تک چلی آرہی ہے۔ حضرت عبدالنبی شامی نے بعمر ۱۱ سال بتاریخ ۲۲ ربیع الاول ۱۱۴۶ھ کو اس جہان فانی سے پردہ فرمایا۔ مزار اقدس شام چوراسی تحصیل و ضلع ہوشیار پور میں مرجع خلائق ہے۔ اس وقت محمد شاہ

المعروف رنگیلا تخت دہلی پر براجمان تھا۔ مغلیہ خاندان کی سلطنت دہلی کے مضافات تک محدود ہو چکی تھی۔ جاٹ، سکھ اور مرہٹوں کے گروہ ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ مسلمان جنہوں نے ایک صدی تک ہندوستان پر حکومت کی تھی، اب ان کی یلغار کے رحم و کرم پر تھے۔ اس پُراشوب دور میں حضرت صاحب کی ذات بابرکت تھی جنہوں نے اسلام کی قندیل کو روشن رکھا اور اسلامی تعلیمات کو جاری و ساری رکھا۔

نوٹ: مجموعۃ الاسرار سے چند خطوط جو انہوں نے اپنے مریدین کو تحریر کیے مندرجہ ذیل ہیں:



خطوط حضرت عبدالنبی شامی

فضیلت مآب شیخ موسیٰ ساکن ہوشیار پور کے نام

جناب فضیلت مآب شیخ موسیٰ جیو، فقیر عبدالنبی کی طرف سے سلام کے بعد مطالعہ فرمائیں۔ قرآن مجید اور حدیثِ قدسی کے الفاظ کی قربت کے مراتب میں!

جیسا کہ فقر کی کتابوں میں درج ہے، فرق بیان کیا جاتا ہے، لیکن اس فقیر نے اپنے قدسی اسرار عزیزوں سے جو کچھ بروئے تحقیق پایا، وہ یہ ہے، اول یہ کہ حدیثِ قدسی اللہ تعالیٰ کے کلام کے کمالات میں سے ایک کمال ہے۔ معنوی طور پر بھی اور لفظی طور پر بھی۔ لیکن معنوی طور پر حضرت جبرئیل علیہ السلام پر، یا لفظاً حضراتِ انبیاء پر القا ہوتا ہے اور پھر ان معانی کو الفاظ کے تصوری لباس کے مطابق ان بزرگوں کی جماعت کے قلوب پر الہام کے طور پر نازل کیا جاتا ہے اور وہاں سے زبان کے الفاظ میں لباس میں ان کے علاوہ پر بھی ظہور میں آتا ہے۔ یعنی فرشتے سے انبیاء پر اور انبیاء سے امت پر اس طرح ظاہر ہوا کہ حدیثِ قدسی کو کسی غیر کے واسطے کے بغیر القا کیا جاتا ہے جس میں خصوصی اسرار کو انبیاء کے قلوب اور زبان پر معنوی طور پر ایک لباس میں ظاہر کیا جاتا ہے اور قرآن مجید جو آسمانی کتابوں کو جمع کرنے والا ہے اور حدیثِ قدسیہ اس حکم کے مطابق کہ "کتاب میں میں رطب و یابس نہیں، جامعیتِ کلام کے اعتبار سے ذات، صفات اور کمالات سے معنوی اور لفظی طور پر اسرار و بیان سے باہر ہیں اور حکمتِ بالغہ اور صانعِ حقیقی کی صنعت سے، ہماری صنعت کی شرکت اور ہمارے خیالات کے تصرف کے بغیر، نوری الفاظ کے لباس میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ تھوڑا تھوڑا کر کے ضرورت کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سنائے گئے، جیسا کہ کہا گیا ہے، "جبرئیل نے آواز سنی۔ اللہ کا کلام اور جو کچھ اللہ نے

چاہا، آخر تک وہی نورانی الفاظ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بیان کے منظر الفاظ کے لباس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور اس میں حضرت جبرئیل کا کوئی تصرف نہ تھا، سوائے اس کے کہ انہوں نے ظاہر کیے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو کسی تصرف کے بغیر جہانی زبان کے ذریعے امت کو پڑھ کر سنائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نور سے، صاحبان بصیرت پر ان دونوں کے مرتبہ کا فرق ظاہر ہو گیا اور چونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد مرتبہ حقیقی میں اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی تعمی اور تمام مراتب کو جمع کرنے والی تھی، اس لیے کسی قسم کے لباس کے بغیر نفس مدعا وغیرہ کو دنیاوی حد کے لباس میں اپنے سننے کے مرتبے کے مطابق اس بے لباس کو جس کے متعلق قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور کسی بشر کے لیے نہیں کہ وہ اللہ سے کلام کرے، سوائے وحی کے یا پردے کے پیچھے سے الخ۔ سنا، چنانچہ اس استماع کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے، اور اللہ سبحانہ کے فضل سے وہ اپنے اصل مرتبہ تک، جو عرش سے اوپر ہے، عروج کرتے ہیں اور وہاں سے اپنے بلند مرتبے کو جو نور محمدی کا مرتبہ ہے، پہنچ کر ایسے مرتبے پر پہنچتے ہیں کہ لامکان بلکہ کل مکان، ان کے کمالات کے ظہور کی وجہ سے دوسرے مرتبے پر ہوتا ہے اور اس کے بعد ان کی حقیقی استعداد اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے ظہور فرماتی ہے اور اللہ سبحانہ نے انہیں اپنے کلام پاک سے بغیر کسی وسیلے کے فیض یاب فرمایا، پس برکتیں دینے والے رب ارباب نے اپنے قابل سماع کلام کو اس دنیاوی لباس سے عروج بخشا، اور اس مرتبہ عالیہ پر جو تمام مخلوقات کی تخلیق کے آغاز میں تھا، پہنچا دیا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا یہ مرتبہ اس کی ذات سے الگ نہیں، اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ذات کو کیفیت اور جہت کے بغیر دیکھا اور اللہ تعالیٰ سے لفظ اور آواز کے بغیر کلام کیا۔ اور یہ بیان اس مرتبے کے بارے میں ہے، جس کے متعلق محبت بیان نہیں کرتا۔

محمد یار ساکن غلزنئی کے نام لکھا گیا۔

سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور سلام ہے برگزیدہ لوگوں پر۔ دوست صادق، صاحب اقبال، مجیب الدعوات جناب خان صاحب کے مکتوب کے ملنے سے فقیر اپنے حال پر متنبہ ہوا۔ اس نے اپنا حال اس التجا سے الگ نہ پایا کہ اے ہمارے اللہ میری اور میرے بھائی کی التجا کو قبول فرما۔ اس خط کے حوالہ سے چند سوالات کی وضاحت ہوئی۔ لکھا تھا کہ بعض عزیزوں نے کہا ہے کہ پہلے گردش ہے اور پھر ورزش، اس کے کیا معنی ہیں؟

اے دوست، گردش کے معنی سلوک ہیں اور ورزش کے معنی جذبہ کی وصولی ہیں۔ یہ معانی اس مذہب کے مطابق ہیں جو سلوک کو جذبہ پر مقدم رکھتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ گردش کے معنی ریاضت ہیں اور ورزش کے معنی اختیار، یعنی دل کا ذکر ریاضت کے بعد مرشد یا زبان کی طرف سے، اور یہ معانی اس شخص کے طریقے کے مطابق ہیں، جس کے نزدیک

ریاضت، سلوک پر مقدم ہے۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ گردش کا مطلب وہ جذبہ ہے جو سلوک کے بتدی میں پایا جاتا ہے اور ورزش کے معنی ہیں، جذبہ کا سلوک پر غالب آنا اور امتزاج سلوک سے خالص ہو جانا، اور یہ معنی حضرات نقشبندیہ کے مطابق ہیں۔ جو جذبہ کو سلوک پر مقدم رکھتے ہیں اور یہ اس طریقہ کی برکتِ کامل کی وجہ سے ہے اور اس کی کئی نشانیاں ہیں، جن کے طویل بیان کو میں نے مختصر کر دیا ہے۔ چوتھے یہ کہ گردش کے معنی ہیں وصل (جوڑنا) اور ورزش کے معنی ہیں فصل (ٹوڑنا) اس معنی میں حضرت خواجہ نقشبند نے ایک طویل بیان فرمایا ہے جس کا یہ کاغذ کا پرچہ مشتمل نہیں ہو سکتا۔ پانچویں معنی یہ ہیں کہ گردش بمعنی توبہ اور ورزش بمعنی انتخاب ہے۔ یہ معنی طریقہ نقشبندیہ میں طریقہ احسانہ افضلیہ میں مشتمل ہیں اور حضرت دستگیر آدم سے مخصوص ہیں، کیونکہ ان کے مخصوص طریقے میں آغاز توبہ سے ہوتا ہے اور اس کی انتہا قبولیت پر ہوتی ہے، توبہ کو دوسری قسم کی توبہ نہیں سمجھنا چاہیے، دوسری طرف کی توبہ سایہ ہے، اور ان کی توبہ سایوں سے غلامی اور فراغت پانے کے بعد ہے اور دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

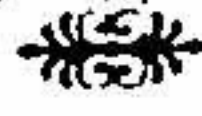
۸ : اور اسی پر بات ختم کرتا ہوں کہ داناؤں کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ سواری اور نشست کی حالت میں یاد کرنے اور یاد رکھنے کی نسبت پاتا ہوں، اور پھر آپ نے لکھا ہے کہ اگر حکم ہو تو نفی و اثبات اور جہر کروں۔ یہ بات عجیب ہے جو لوگ بروقت خود بخود یادداشت رکھتے ہیں، ہمارے طریقے میں جہر و نفی و اثبات کے طریقے سے آگے گزر چکے ہیں اور ترقی کر گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک ان دونوں نسبتوں نے غلبہ حاصل نہیں کیا، اس صورت میں نفی و اثبات کی گئی ہوگی۔ اگر دل جہر کی طرف رغبت کرتا ہے تو تنہائی کے وقت میں درمیانے طریقے سے سنت کے مطابق کیا جائے اور جب تک دلی نسبت غلبہ کرے، کر لیا جاتا ہے اور وہ جو ایک جتہ ریالوپی کے متعلق تحریر تھا، فقیر اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا، لہذا اسے چھوڑ دیا ہے۔ اور وہ جو ایک رسالہ کے متعلق لکھا تھا تو مختصر یہ ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

”دنیا کے اندر اس طرح رہو کہ جس طرح کوئی مسافر نپل پر اور اپنے آپ کو اصحاب القبور میں شمار کرو“ اس بات کا خیال رکھیں۔ تمام رسالہ مختصر ہے۔

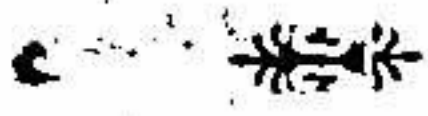
افدوہ جو حاجیوں کے طریقے کے مطابق اپنے آپ کو بدبخت ”اور“ روہیہ“ کہتے ہیں اور ”نہ مومن ہوں نہ مسلمان“ کہتے ہیں، تو ایسے الفاظ اہل ایمان کو زبان و قلم پر نہیں لانے چاہئیں، خواہ عام سا ہو، انہیں چاہیے کہ خود کو مسلمان سمجھیں اور گناہ کی وجہ سے گنہگار سمجھیں نہ کہ کافر۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کفر اور شرک سے۔ اگر کسی عزیز نے ایسا کہا ہے تو شاید وہ مغلوب الحال ہو اور ایسی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ الغرض اگر سواری یا غیر سواری کی حالت میں نسبت تیسرے ہو تو اسے غنیمت جانئے اور دلی عجز و انکسار اس کے ساتھ رکھیں، کیونکہ عجز و تضرع کے بغیر ذکر کو غفلت میں شمار کیا گیا ہے، تاہم تضرع اس

قدر نہیں ہونا چاہیے کہ اپنے آپ کو بد نخت اور سیاہ سمجھیں، کیونکہ یہ القاب اُس کے حق میں کُفر ہوگا، کیونکہ اللہ جل شانہ نے فرمایا: "اُن کے چہرے سیاہ ہوں گے" زیادہ دُعا۔



میاں اللہ دین کے مکتوب کے جواب میں کہ بعض مقبولوں پر بدعت ہوتی ہے، کی تحقیق کے بارے میں لکھا گیا۔ یہ کام کاج کسی کے اختیار میں نہیں۔ خود مقبولوں کے صاحبان اس حالت پر غم ناک ہیں۔ اس کے دُور ہونے کی ہر چند دُعا کرتے ہیں قبول نہیں ہوتی۔ مجبوراً معاملہ قضا کے سپرد کر کے غم ناک ہوتے ہیں۔ اس بارے میں دُعا کے قبول ہونے میں بے بس ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حق تعالیٰ اگرچہ ہر ذرہ کے قریب ہے۔ اور بزرگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع و الام کی وجہ سے واقف ہوتے ہیں، پھر بھی قضائے الہی سے ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں مفرد عالم بہا الدین کو غالب جاننا، بے شبہ نادانی ہے۔ جب ایسے معاملات کو خلاف شرع دیکھا جائے تو انہیں قضا کے سپرد کر دینا چاہیے۔ یہ مصلحت کا موقع نہیں بلکہ دم مارنا قضا کا انکار کرنا ہے اور یہ محض کُفر ہے۔ مقبولوں سے لذت حاصل کرنا اور شے ہے۔ یہ مرتبہ ثانی اور مرتبہ لطیف ہے اور پہلا مرتبہ قہر کا مرتبہ ہے۔

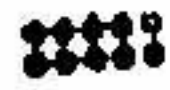
عہ بہ میں تفاوت رہ از کجاست تا کیجا (دونوں راہوں میں دیکھیے کتنا بڑا فرق ہے۔)



حقائق آگاہ شیخ عبدالقادر جہانا آبادی کے نام لکھا گیا۔ حقائق سے آگاہی رکھنے والے، اللہ کے الطاف سے مظہر اور معمور نے اس فقیر سے صلوات و مراتب کے معنی دریافت فرمائے ہیں۔ شیخ صاحب! صلوات و مراتب کے معانی ایسے ہیں کہ حکمت سے تعلق رکھتے ہیں اور حکمت سے ناواقف ہوتا عبت ہے۔ صلوات ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اس کے معانی کو پالینا کامل لوگوں کا خاصہ ہے، ہم جو اہل کمال کے خوشہ چین ہیں۔ اتنی طاقت کہاں رکھتے ہیں کہ اس کے بیان میں زبان کھولیں، لیکن اسی عقیدہ کے مطابق کہ "اس کی حکمت سے ہم آگاہ نہیں" ہمیں پورا یقین ہے۔ اور اس کا ظاہر علمائے ظاہر سے تعلق رکھتا ہے، لیکن چونکہ سوال کا جواب دینے بغیر چپکے رہنا نہیں، اس لیے ظاہر کے بارے میں تھوڑا سا عرض کرتا ہوں؛

معلوم ہونا چاہیے کہ چونکہ انسان رات کے وقت خواب میں مبتلا ہوتا ہے اس لیے اللہ کے فضل نے دور رکعت سنت (موکدہ) اور دور رکعت فرض، فجر کی نماز میں مقرر فرمائے تاکہ اس کے ادا کرنے میں سستی نہ کر جائے یا کوتاہی نہ ہو جائے۔ فجر کی نماز سے سورج کے سر پر آنے تک اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وقت کو معاش کے ضروری کام کے لیے خالی چھوڑ دیا۔ اور جب معاش کے ضروری کاموں سے فراغت ہوگئی تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے فجر

کی دو رکعت کی نسبت ظہر اور عصر کے وقت دو رکعت کا اضافہ کر دیا، لیکن ظہر کے وقت کی وسعت کے پیش نظر چار فرض سے پہلے چار رکعت سنت (موکدہ) اور بعد میں دو رکعت سنت (موکدہ) کی تکلیف نہ دی اور چونکہ مغرب کا وقت عصر کے وقت سے بھی تنگ ہوتا ہے اس لیے مغرب میں فرض میں ایک رکعت کی تخفیف کر دی اور وقت کی تنگی کے پیش نظر فرض کی ادائیگی پہلے قرار دی گئی اور تنگی وقت کے پیش نظر دو رکعت سنت (موکدہ) کو بعد میں کر دیا۔ اور چونکہ عشا کا وقت کھانے پینے کا وقت ہے اور سستی ضروری ہوتی ہے۔ اور اگر چہ عشا کے وقت میں وسعت ہوتی ہے، پھر بھی فرض کو سنت پر مقدم قرار دیا گیا۔ چونکہ سستی کا وقت تھا۔ دو رکعت سنت (موکدہ) کا حکم دیا گیا۔ مزید برآں چونکہ روز و شب کی نمازوں کی رکعتوں کا طاق ہونا ضروری سمجھا گیا، اور مستحب ہے، اس لیے مغرب کی نماز میں تین رکعتیں فرض کی گئیں اور رات کے باقی ماندہ حصہ کو نوافل کے لیے چھوڑ دیا گیا اور چونکہ قیلولہ کرنا نیاز و مناجات کے لیے ہے، اس لیے قرأت کا حکم دیا گیا اور چونکہ رکوع و سجد میں سر کا جھکانا ہے، اس کے لیے مناسب تسبیح ہے اور چونکہ قوم اور جلسہ میں سر اُپر اٹھانا ہوتا ہے، اس لیے تکبیر کا تقاضا ہوتا ہے اور خاصہ حق سمجھ کر "اللہ اکبر" کہنا چاہیے، اور جب بندے نے حمد و ثنا ادا کر لی اور حق تعالیٰ نے یہ حمد و ثنا سن لی تو ضروری ہو گیا کہ "سمع اللہ" کہنے کے لیے کہا جائے اور جب "سمع اللہ" پر اعتقاد ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی "ربنا لک الحمد" مقرر فرمایا۔ اور جب تمام مراتب و فرائض سے فارغ ہو گیا اور "نماز مومن کی معراج" کہی گئی ہے تو مناسب ہوا کہ نماز کا اختتام تشہد پر کیا جائے تاکہ "الصلوٰۃ معراج المومن" سے آگاہی ہو جائے اور جب نماز کے تمام مراتب سے فارغ ہو گیا تو آفات سے سلامتی کی خبر دی اور تمام مومنین جماعت کو مبارکباد دی گئی اور وہ السلام علیک ہے، جو کہی جانی چاہیے اور سلام تم پر اور اس پر جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔



حضرت مولوی غلام رسولؒ

مولوی غلام رسول صاحب گوجر قوم کے خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی میاں مراد بخش تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت عالم پور کوٹلہ جو دو سو بہہ سے ۱۲ میل کے فاصلے پر تھا میں ہوئی۔ ابھی آپ کی عمر تین سال کی تھی کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ والد صاحب نے پرورش کے لیے والدہ کے دودھ کے بدلے میں بکری کا

دودھ استعمال کرایا۔ ایک دفعہ جب آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ آپ کے والد بکری کی خوراک کے لیے بیری کے درخت پر چڑھے تاکہ ٹہنیاں اور پتے وغیرہ اتار کر بکری کے آگے ڈالیں اور وہ اپنا پیٹ بھر لے۔ آپ بھی والد کے ہمراہ تھے۔ آپ نے والد سے استفادہ کیا کہ یہ بیری کے درخت آپ کی ملکیت ہیں۔ انہوں نے جواب دیا ایک زمیندار جاٹ نے یہ بیری کے درخت لگا رکھے ہیں۔ مگر میں بلا قیمت پتے اور ٹہنیاں وغیرہ بکری کی خوراک کے لیے روزانہ کاٹ لیتا ہوں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب آپ ان چیزوں کی قیمت ادا نہیں کرتے تو پھرتوں کو کیوں لاتے ہو۔ لہذا میں آج سے دودھ نہیں پیوں گا۔ آپ مادر زاد ولی اللہ تھے۔

آپ کے والد نے نام تو نتھور رکھا تھا۔ لیکن جب آپ نے ابتدائی تعلیم موضع غلڑیاں کے مولوی محمد عثمان صاحب سے حاصل کی تو آپ نے "غلام رسول" نام رکھ لیا۔ یعنی رسول پاک کا غلام۔ پھر آپ جالندھر تشریف لے گئے اور کئی بیشی تعلیمات پایہ تکمیل کو پہنچتی رہیں۔ بعد میں آپ مزید حصول تعلیم کے لیے دہلی میں حضرت نظام المشائخ محبوب الہی نظام الدین اولیا کے سجادہ نشین کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ان کے دست حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہوئے۔ سلوک کی منازل کا آغاز کیا۔ وہاں سے تصوف کی حصول تعلیم کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ یہاں آکر موضع میر پور جو کہ دوسوہہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر جانب شرق تھا بطور مدرس ملازمت اختیار کر لی، لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد ملازمت سے اکتا گئے اور اس پیشہ سے انگ ہو گئے۔ واپس اپنے گاؤں موضع عالم پور کو نلہ میں آکر درس و تدریس کا آغاز کر دیا تاکہ دین اسلام کی بھی تبلیغ ہوتی رہے اور لوگ بھی مستفیض ہوتے رہیں۔

آپ کو شاعری کا شوق سترہ برس کی عمر میں ہوا تھا۔ سب سے پہلے چھوٹے قفے "چوہٹ نامہ" مشکہ توحید، سی حرنی اور سی پنوں کی صورت میں کتابیں تحریر کیں۔ ۲۲ برس کی عمر میں داستان امیر حمزہ تحریر کر کے اپنے ضلع میں نامور شاعر کی حیثیت سے مشہور و معروف ہو گئے۔ گردونواح کے لوگ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ یہ صرف آپ کے اخلاق حسنہ کا نتیجہ تھے۔ اس کتاب داستان کی تحریر کے چار سال بعد تفسیر یوسف علیہ السلام "حسن القمص" کے نام سے تحریر کی جس کو تمام پنجاب میں اہمیت کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ یہ تفسیر ۱۲۹۰ ہجری میں چھپوائی گئی۔

آپ تمام عمر ایک ہی وضع داری پر قائم رہے یعنی نماز و روز اور وظائف سے فارغ ہو کر جو وقت آپ کو ملتا اس میں درس و تدریس کا کام کرتے تھے یا صرف کتابیں تحریر کرتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ حسب معمول اپنی کتاب "حسن القمص" کے تحریر کرنے میں مصروف تھے کہ ایک زمیندار نے دروازہ کو بند دیکھتے ہوئے کھڑکی کی راہ سے کمرہ کے اندر جھانکا کہ دیکھیں مولوی صاحب دروازہ بند کر کے کیا کر رہے ہیں۔ اس زمیندار نے دیکھا کہ ایک خوبصورت پری چہرہ عورت مولوی صاحب کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ دوڑا ہوا

گاؤں کے لوگوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک عجیب بات دیکھی ہے کہ مولوی صاحب کے پاس خلوت میں ایک نامحرم خوبصورت اور پرہیزگار عورت بیٹھی ہوئی ہے اور اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ گھر کا دروازہ بند رکھتے ہیں ، لہذا آج ان کی ساری پول کھل گئی ہے۔ وہ سب لوگ اکتھے ہو کر مولوی صاحب کے پاس آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ مولوی صاحب نے دروازہ کھولا وہ ایک دم اندر آئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ مولوی صاحب نے حیران ہو کر استفسار کیا کہ تم لوگ کیا دیکھ رہے ہو اور کیا تلاش کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے پاس خلوت میں ایک خوبصورت اور پرہیزگار عورت بیٹھی ہوئی دیکھی گئی ہے مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہاں پر سوائے تمہاری ذات کے دوسری ذات نہیں ہے۔ وہ اپنے طرز پر شرمندہ ہوئے۔ مولوی صاحب ان لوگوں کی قلبی کیفیت کو بھانپتے ہوئے بولے کہ میں آج کل سورہ یوسف کی تفسیر تحریر کر رہا ہوں۔ جن حالات کا میں علم نہیں رکھتا وہ حضرت بی بی زینبہ صاحبہ سب حالات ایک ایک کر کے مجھے بتاتی جاتی ہیں اور میں اُسے قلمبند کرتا جاتا ہوں تاکہ تفسیر پاک میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ رہنے پائے۔ یہ جواب سن کر ان لوگوں کی نظروں میں مولوی صاحب کا اور زیادہ وقار و عظمت بڑھ گیا۔ گردنواح کے لوگوں کے علاوہ تمام پنجاب آپ کی بزرگی و درویشی کے قائل تھے۔

آپ کو ایک سید زادے جن کا نام نامی سید روشن علی تھا کے ساتھ بہت زیادہ محبت تھی جو کھاتے پیتے گھر کا فرد تھا مگر تقدیر کے چکر میں آکر ان کے حالات کچھ بدل گئے جس کی وجہ سے مجبور ہو کر انہوں نے ریاست نابھہ میں جا کر ملازمت اختیار کر لی مگر اذلی عشق و محبت کے ناطے سے وضع داری کو قائم رکھتے ہوئے اکثر موقع پا کر آپ کے پاس آتا۔ آپ نے اس کی شادی اپنے ہی موضع عالم پور کوٹلہ میں ایک سید خاندان میں کرادی تھی۔ اس نظریہ کے تحت تاکہ سید زادے کی آمدورفت جاری رہے، مگر حالات سازگار نہ رہے جس کی وجہ سے وہ اپنی دلہن کو اپنے ساتھ مالوہ (نابھہ ریاست) لے کر چلا گیا اور ایک عرصہ تک صورت نہ دکھائی۔ خط و کتابت کرتے رہے۔ آپ نے ان خطوط کو منظوم کر کے مذکورہ تفسیر میں درج کر دیا ہے۔

آپ نے دو شادیاں کیں جن میں سے دوسری کھیاں پیدا ہوئیں۔ آپ کا وصال بمرہ ۴۵ سال موضع عالم پور کوٹلہ میں ہوا اور وہیں مزار اقدس ہے۔

احسن القصص سے نمونہ کلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عشق بھنا اخلاص نہلایا رنگیا رنگ شہودی صدق و صفادی آب ہوائیں پلایا وچ خوشنودی

محویت دے نخر طہوروں نشہ چڑھایا ہویا
 اُمت خیر اُمم دا والی نام محمد عالی
 جس حق خاص شفاعت کبریٰ ختم اتفاتی
 اوہ شاہ بیت قصائد عالم جس وجہ خوبی توری
 عفو کرم دیاں وجہ دریاواں ساڈیاں روہڑ کماٹیاں

برگ و برگ ارادت ازلی نور چپایا ہویا
 جوہر عرض وجود خلائق اصل اصول کمالی
 نبی صفی دایت سرور تے کوثر دا ساقی
 مظہر فیض اتم یگانہ مطلع صبح ظہوری
 یارب نال طفیل ہدایت بخش اسال بُریاٹیاں



دریا ذوق محبت والا گھت دلاں وجہ جائیں
 گھت پلٹ چمک دیہہ عشقا مہراوتار گلابوں
 درد منداں دے سُن سُن حالے ہوون درد سولے
 ویری نال پیاس ویری واسا خار چمن دا
 عشق دلاں نون صقل غماں تھیں کرشمیر دکھاوے
 غم بر ہوندی لذت باہجوں دل نون ذوق نہ کاتی
 اکنال لبھیاں تھہ نہ اوے اکنال دے وچ راہیں
 وجے تیغ کہے بسم اللہ ایہہ محبوب لگاتی
 اس دُنیا دے وجہ غماں دے جھل متال بربادی
 نئے جانڈے خود پچھتا ندے مردے نال دریاں
 قسم دلا دہر پیر نہ پچھے زخم اکا جھل کاری

ساقی آب طہور طلب دا جام مرے بھر پائیں
 چاہتھ تیغ بر ہوندی خون چشم اکھاڑ حبابوں
 مستی چشم پیارے والی جاں جگر کھا جائے
 عشق بناں تن دشمن دل داتے دل دشمن تن دا
 عشق بناں دل مردہ غافل کس گنتی وجہ اوے
 مزہ نہیں بن عشقوں دل نون نور نہیں روشنائی
 عشق کرم دا قطرہ ازلی تیں میں دے وس ناپیں
 پیوے گھول پیالے زہروں مستی چڑھے سوائی
 واہ واہ عشق کیا تئی چنگا جس وجہ گل آزادی
 مردا ڈردانس نہ جائیں دیکھ چمک دیاں تیغیاں
 مشد عشق شہادت اکبر قتل ہوویں اک واری



اک حصہ وجہ عالم سارے نو یوسف نے پائے
 ختم الرسل محمد نون نو اک دُنیا وجہ آیا
 نیل فنا وجہ رہڑیا جاواں چھٹے جان عذابوں
 لکھ لکھ خوشی غلام رسولے بے محبوب قبولے

حُسن جمال کیتا وہ حقے جس وجہ گل سمائے
 ہور فصاحت اتے بلاغت حقے دس بنایا
 گھت وجہ جام دے ساقی دو گھٹ شوق شرابوں
 تے ایہہ جام دکھاندا بھریا لبوں نہ لاہاں مولے



تدبیراں دے پردے اندا ایہہ دکھ کدے نہ آیا

عشقوں تیر وجے جتھے کاری رہے نہ زخم لکائی

عشق ایسہ وچہ لکھاں آتش بھکھ بھکھ لاماں مارے
عشق لوکایاں نک داناہیں آخر جوش دکھلاوے

::

قول پتے توں جھوٹا ناہیں پر میں جھل نہ سکدی
دل لے گیا نہ مہر کمایو مار گہٹوں وچہ فرقی
جاں ایسہ زخم پُرانا ہویا لگیاں من دوایتیں
قہر وچھوڑے سخت ستایا ہاں راہاں ول تکدی
نین میرے دو تیرے زخموں رہن لہو وچہ غرقے
دن کافی آرام کماوے کسی پھیر کرائیں

::

یار ملے دکھ کٹے جاوےن قسم کراں سو واری
یاریاں لایاں بھل بھلاوے جنہاں دلاں اندھیرے
احوال چشم ڈبے وچہ حسرت ڈر داراز نہ بولے
نام فراق کے جگ جس دا ایہہ ہے مشکل بھاری
یار بنے اوہ انت لیرے پا وچہ گھمن گھیرے
کے زبانوں تے شرمائے قدم دھرے دم ڈولے

رتاں بدلیاں تے موسم ہور ہوئے دھپاں گزریاں تے لگے پون پالے
اسیں گرمیاں سردیاں چکھ گزرے دکھ سکھ والے رور و وقت جالے

::

اسیں وانگ پردیں دیں اندر کھیرے دیں تساں کونٹاں ملیاں او
مڑ بوہڑ پردیاں میریاں اولیاں باہجہ نہ اسال تسلیاں او

::

تیسری چاہ او ستیدا موڑ واگاں دو جھل دو ابے ول آونے نول
سچا پیر میں تے کر باہوڑی او درد منداں دے درد مٹاونے نول
پیر سپدیا دے جان رکھیا دے، پردے کجیا عیب چھپاونے نول
جے توں آواں نہیں تے بکھ سانوں اسیں آپ آئے ورن پاونے نول
پیریں لگدیاں انت لاج پالے کرے محو وچہ وصل نہلاونے نول
ایسہ دور نائیں رحم یار دے تمیں او گنہار تے فضل کماونے نول

اوہ دار بقا وچہ رہن اینویں جیہڑیاں دار فناہ وچہ گور ہویاں
دکھ چپ چپا تیاں جرن کیونکر جیہڑیاں اندروں بخت پُرشور ہویاں

جنہاں بلبلاں گلاں دی ملی گھت مٹے پنجرے تے کھلی ڈور ہویاں
 پانی شمع دی چمک پروانیاں نے اکھیں نیر بھریاں آتش خور ہویاں
 معنی اک وجہ صورتاں فرق بھاویں اکواک ایہہ بھی دم بھردیاں او
 جنہاں فرق جھاتا سو او غرق ہوئے بھاتناں دے دھروں نامریاں او
 سوہنے یار دے اجے وجہ کارخانے ناپیں کے حساب وجہ تردیاں او
 جھل سوہنیاں زاریاں کردیاں نوں ایہہ بردیاں فضل دے دریاں دا



میں تیں واہگ اسار دے کئی گزرے لیا کسے نے کڈھ بنجار ناپیں
 پریم ننتے دی جنہاں دے جھوک دل نوں ایہہ ٹنناں جوش خمار ناپیں
 جے توں پچ ٹچھیں قلم ہتھ ساڈے قلم جہی بھی ہور تلوار ناپیں
 گھاتل کراں گے قلم دیاں نال زخماں خالی جاوند ا قلم دا وار ناپیں
 وگ قلم دے زخم نہ کدی مٹ دے بڑا قلم تھیں ہور ہتھیار ناپیں
 قلم دلاں نوں قلم کر سیدی اے قلم جہی کوئی بڑی پیکار ناپیں
 دفتر راز جہان دے قلم لکھ دی کیہڑا شاہ! دہرا خدمت گار ناپیں
 وجہ ملک حکومتاں قلم کر دی کھاندی وجہ جنگاں دے ہار ناپیں
 مہریاں کیتیاں دل نہ جا سائیاں میرے واہگ کوئی گنگار ناپیں
 توں فضل ک فضل ہے کار تیرا تیرے فضل باہجوں بیٹرا پار ناپیں
 اسان آپ لکھناں سانوں بھار کیا ہونا فٹیاں دا منت دار ناپیں
 اسیں لکھاں گے جدوں تک نہ آویں گھانا کاغذاں دا بازار ناپیں
 ساڈے ملک وچ کمی نہ کاغذاں دی قلم گھڑن تھیں قلم بزار ناپیں
 رنگارنگ دواماں دے رنگ ساڈے کیہڑا ساڈو آج تیار ناپیں
 ہر رنگ وچ رنگتاں رنگ دے ہاں ساڈے رنگ نوکدے رنگار ناپیں
 کدوں شعرا قافیہ تنگ ساڈا بگڑ دا وزن مقدار ناپیں!
 بے درد نوں دردناوندے ہاں کی گھٹنے اسان دے دردنا بار ناپیں

جیہا درد دکھاں سانوں گھسیرائی ایسا چند نون کدے پروار ناہیں

درد منداں دے درد بے درد اگے باہجوں جھوٹ دی لاف پٹارناہیں

جانن بھری تکلفوں گل ساڈھی گھوڑے عشق جو ہوتے سوار ناہیں

لابو بال فراق دے کھڑا ہویا ساڈا لیکھ دیکھو سازگار ناہیں

تیرے دیس آتے گھٹاں چھارہیاں باہجوں آہ دل دے دھندوکار ناہیں

❖

چیکڑ بھریاں نون گل لاوندا ہے اعتبار نہ کچھ سنگاریاں تے

قسرباں دل جان صدقے ہے یار رحم کردا او گنہاریاں تے

❖

نقش زعفرانی اسم یار دے نے لاناں بال دل وچ چمکائیاں نے

جیں دل نظر وگ دی جلوہ یار دا ہے اہے یارنوں بے پرواہیاں نے

جے میں ہتھ تیرے تون کد دور میں تھیں میں کندیاں بھی پچھتائیاں نے

آپے آپ تھیں یاریاں لایاں نے آپے دیکھیاں آن دیکھائیاں نے

❖

عالم پوروں دل مالوے وگی چٹھی ہن رہیا نہ وقت اخیر دا ہے

ساڈے نکھے تے کسے نے رووناں ناہیں ہے وگ چلیا تیر تقدیر دا ہے

کیتا ختم کلام دے سلسلے نون اگے خوف ہن عمل کثیر دا ہے

قائم رہے نماز بے عشق والی جاں فضل کریم قدیر دا ہے

اکھیں دکھ دیاں نال میں خط لکھیا وقت دوپہر دن پیر دا ہے

اج اشہویں ماہ محرموں ہے صدی تیرھویں سال اخیر دا ہے

❖

بابا رحمت علی چشتی صابری

بابا رحمت علی چشتی صابری کے والد ماجد کا نام نامی بابامیاں تھا تھا پیدائش ۱۸۶۰ء اور وفات ۱۹۲۳ء آپ بمقام ہرود تھلہ شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ قوم کے راجپوت گوت کروڑا، منہاس تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد جہوں کے رہنے تھے جو کہ اہل ہنود میں سے تھے۔ حالات ناسازگار ہونے کی بنا پر ہجرت کر کے موضع کروڑا۔ وڈالہ دامن کوہ شوالک میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حسب نسب کی وجہ سے اعلیٰ اور شریف و نجیب قرار نہیں دیا، بلکہ ارشادِ خداوندی ہے؛
 "یا ایہا الناس انا خلقناکم من فکر و انثی و جعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ط ان اللہ علیمٌ خبیرٌ"
 "اے لوگو بے شک ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں، گوتیں اور قبیلے بنائے ہیں تاکہ تم باہم پہچان قائم رکھو ورنہ اللہ کے نزدیک تم سب میں سے زیادہ عزت و شرافت والا وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور باخبر ہے۔"

الشرف بالعلم و الادب لا بالاذل و النسب۔ "بزرگی علم اور ادب سے ہے نہ کہ اصل نسب سے۔"
 غرض اخلاق حسنہ و علم و ادب اور مہذب ہونے کی وجہ سے ہی خاندانوں کی عزت و توقیر ہے۔
 سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "تعلموا انسابکم و تصلوا ارحامکم۔" اپنے نسب سیکھو اور صلہ رحم کرو۔
 یعنی اپنے قبیلوں کی پہچان کرو اور ان کے ساتھ اچھا اور بہتر سلوک کرو۔ ان کی ضروریات کو پورا بشرط کہ وہ ضرورت مند ہوں اور ان کے ساتھ نیکی کرو۔

دست کار ہونا یا دست کاری پیشہ رکھنا یہ قوم نہیں کہلاتی۔ قومیں وہی ہیں مثلاً راجپوت، قریشی، مغل، پٹھان اور جٹ اور ان کی ہزاروں شاخیں اور پھر اس کے بعد ان کی ہزاروں گوتیں وغیرہ وغیرہ۔
 جو شخص جیسا پیشہ اختیار کرے گا ویسا ہی اسے اس نام سے پکارا جائے گا۔ وہ قومیت نہیں کہلائے گی۔
 مثلاً زمیندار سے مراد زمین کی کاشت کرنے والا۔ یہ پیشہ ہے قوم نہیں۔ دھوبی، حجام، موچی قومیں نہیں ہیں۔ اسی طرح نوکری کرنے والا ملازم تو کہلائے گا، لیکن اس کی قومیت ملازمت نہیں کہلائے گی۔

شاید کروڑاؤ ڈالہ (مسل) دو بھائی ہونگے اُن کے نام کی نسبت سے وہ موضع کروڑاؤ ڈالہ کے نام سے آباد ہوگا۔
 واللہ اعلم بالصواب۔ یہ موضع منہاس راجپوتوں کا آباد کردہ ہے جو کہ اشوپال، متی اور کشتی کی اولاد میں سے تھے جن کا
 مفصل ذکر فٹ نوٹوں میں دیا گیا ہے۔ وہاں بھی حالات دگرگوں رہے اور قسمت نے ساتھ نہیں دیا، لہذا وہاں سے پھر
 دوبارہ ہجرت کرنے کی دل میں اُمنگ پیدا ہوئی اور ہردو تھلہ شریف آکر آباد ہو گئے تھے۔ اسی گاؤں میں آکر اپنا آبائی
 پیشہ زراعت کو اپنا کر کاشت کاری شروع کر دی۔ یہاں کی زمین بنجر اور بادانی تھی۔ دورِ خالصہ میں زمین کالگان اس
 قدر زیادہ تھا کہ اراضی کی پیداوار بہت کم ہوتی تھی اور اس پر معاملہ اراضی جو کہ ناقابلِ برداشت تھا، لہذا یہاں پر

حسب و نسب

عربوں میں کسی شخص یا قبیلے کا مقام اعزاز و اکرام متعین کرنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ اس کے اعمال دیکھنے
 جائیں۔ یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ قرابت داری معزز لوگوں سے ہے یا معمولی درجے کے لوگوں سے۔ یہ رشتہ داری نہیال
 اور وہیال دونوں طرف سے دیکھی جاتی تھی، یعنی اس کے آباؤ اجداد کون ہیں اور اس کے شادی بیاہ کے تعلقات
 کن لوگوں سے قائم ہوئے ہیں۔

نسب وہ قرابت ہے جو آباؤ اجداد کی طرف سے ہو اور صہرہ قرابت ہے جو شادی بیاہ کے نتیجے میں
 پیدا ہو۔ حسب کے معنی ہیں کرم و شرف اور وہ فضیلت جو اچھے اعمال کی وجہ سے حاصل ہو۔ کہتے ہیں:

وَدَبَّ حَيْبِ الْأَصْلِ غَيْرُ حَيْبٍ

یعنی بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے آباؤ اجداد تو نیک ہوتے ہیں لیکن اُن کے اپنے اعمال
 اچھے نہیں ہوتے، اسی لیے کہتے ہیں کہ حیب وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جو خود بلند مرتبہ ہو جس کے آباؤ اجداد
 گواعلیٰ درجے کے نہ ہوں۔ اور حسب کے معنی رشتے دار کے بھی ہیں؛ چنانچہ جب ہوازن کا وفد جنگ کے
 بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معافی مانگنے کے لیے آیا تو آپ نے فرمایا کہ جو مال غنیمت ہم
 نے تم سے تمہارے خلاف جنگ کے بعد حاصل کیا ہے وہ لے لویا اپنے قیدی واپس لے جاؤ تو انہوں
 نے کہا کہ ہم مال نہیں لیتے ہمارے قیدی رشتے دار ہیں واپس کر دیے جائیں۔

عرب کے عہد قبل از اسلام میں حسب اور نسب بڑی حد تک لازم و ملزوم ہوتے تھے۔ نسب کے
 ساتھ ساتھ کسی فرد یا قبیلے کی عزت و تکریم اس پر بھی منحصر تھی کہ اس کے آباؤ اجداد نے کیا کیا نمایاں کارنامے
 انجام دیے اور اُن میں سخاوت و شجاعت وغیرہ کے اعلیٰ اوصاف کہاں تک موجود تھے۔ ان سب مفاخر

ارضی سے دست بردار ہو کر ایسے خالصہ پر آشوب دور میں نوبت فاقہ کشی تک پہنچ گئی اور گھر کے افراد زیادہ ہونے کی وجہ سے گزراوقات بمشکل ہوتی تھی۔ اس خالصہ دور میں وہ لوٹ مار ہوئی تھی جس کے ہاتھ لگتا اٹھا کر چل دیتا۔ کوئی ان کو روکنے یا دفاع کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کروڑا اور وڈالہ کے اکثر خاندانوں نے دین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبول کر لیا تھا۔ آئے دن کی پریشانیوں سے تنگ آ کر بھی اس موضع کروڑا وڈالہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا پڑا اور موضع ہر دو تھلہ میں ہجرت کر کے آگئے اور مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ہمارے اصلی شجرہ نسب کا پتہ اُس وقت چلتا تھا جب خاندان میں سے کسی فرد کی شادی ہوتی تھی تو خاندان کا بھاٹ برہمن جو قدیم سے چلا آتا تھا شادی کے موقع پر شجرہ نسب بیان کرتا تھا اور خاندانوں کی رشتہ ازواج میں تسلی ہو جاتی تھی۔ یہاں پر زندگی خوشحالی سے

کی یادداشت باپ سے بیٹے کو منتقل کر دی جاتی تھی تاکہ قبیلے کی قابلِ فخر روایات زندہ رہ سکیں اور ان پر قبیلے کا ہر فرد فخر کر سکے۔ ان کا زناموں اور اوصاف کا اندازہ مجموعی منفاخر سے لگایا جاتا تھا، اور یہ سب کے لیے ایک نمونہ، ایک مثالی اخلاقی معیار، میراث اور ایک قسم کی قبائلی روایت سمجھی جاتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طعن فی النسب سے منع فرمایا ہے۔ عربوں میں رواج تھا کہ اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے بزرگوں کی اچھے اوصاف کی یاد سے منع نہیں فرمایا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اپنے احساب جاننے اور خاندانی رشتوں کی طرف سے عائد ہونے والے فرائض سے عمدہ براد ہونے کے لیے اپنا نسب یاد کرو۔ پھر حدیث میں ہے: کسی شخص کا حسب اُس کے اخلاقی اوصاف ہیں اور دامن کی پاکیزگی ہی انسان کا اصل شرف ہے۔“

خاندان منہاس راجپوت

یہ خاندان راجپوت جوال کی ایک شاخ ہے۔ اس لقب کے متعلق دو روایتیں مشہور ہیں۔ اول یہ کہ راجہ جو گراج والی ملک جتوں کے دو بیٹے تھے۔ بڑا ملن ہنس یا من پرکاش جس کی اولاد نے راج کرنے سے انکار کر دیا اور بل پڑ لی۔ پس اس کی اولاد ملن ہنس کے نام پر منہاس مشہور ہوئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ خاندان جوال میں بل چلانا منع چلا آتا ہے، اس لیے اُن کی اولاد سے جس نے بل چلانی وہی منہاس ہو گیا یعنی جو بات منع تھی وہ کام کیا۔

ملن ہنس یا من پرکاش کی اولاد میں جو ۲۰۰۰ کریم کے قریب قریب خاندان جوال سے علاحدہ ہوا۔ یہ خاندان مقام پرگوال، چپراڑ، تھب وغیرہ مختلف مقامات میں آباد ہے جس کی بہت تعداد ہے۔

دوسرا خاندان: منہاس موضع مالتی تحصیل بسوہلی میں صرف ایک دو گھر ہیں۔ یہ خاندان جسوٹیا جوال واقع موضع ملن علاقہ جسوٹ سے علاحدہ ہوا۔

تیسرا خاندان: راجہ سنگرام دیو لکھن پور سے علاحدہ ہوا جو موضع بمیال ضلع گورداسپور اور دوسرے مختلف مقامات پر آباد ہے کچھ

تو نہیں خیر گزارہ ہونے لگا۔ مگر قدرتِ کاملہ کے کھیل ہیں کہ اس دوران میں ٹھٹک سالی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ کھیتیاں سوکھ گئیں، بارش نام کو نہیں ہوتی تھی۔ لوگ قحط کا شکار ہو گئے۔ عوام بھوکے مرنے لگے۔ زمین کا لگان کہاں سے دیتے۔ دورِ خالصہ میں حکومت وقت نے پکڑ دھکڑ شروع کر دی۔ میاں نتھاکے والد ماجد میاں الفاخاں نے کاشت کاری چھوڑ دی اور محنت مزدوری کرنے لگے۔ اس دور میں مزدوری دو پیسے یومیہ تھی مزدوری بھی کسی خوش قسمت کو ملتی تھی۔ اس زمین کے لگان سے بچنے کے لیے کئی دفعہ روپوش ہونا پڑا۔ یہ قحط تقریباً بیس سال تک رہا۔ لوگ پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کے لیے دوسری جگہوں پر منتقل ہو گئے۔ مفلسی اور غریبی بڑی بلا ہوتی ہے۔ اپنے بیگانے مفلس

ان میں سے نقل مکانی کر کے موضع جوالی تحصیل لور پور ضلع کانگڑہ میں رہتے تھے۔ یہ سب سنگرام دیو کے چارم فرزند نمبر کی اولاد سے ہیں۔

چوتھا خاندان؛ راجہ چک دیو کے دوسرے فرزند رام دیو سے ۱۲۲۸ بکرہ کے قریب علیحدہ ہوا۔ اس رام دیو کے سنگھ دیو اور جگو دیو تھے۔ سنگھ دیو کی اولاد ضلع یانکوٹ میں آباد ہوئی۔ جگو کا فرزند بیرم دیو ہوا جس کے سمون اور موجود فرزند ہوتے۔ آخر الذکر کی اولاد بھی ضلع یانکوٹ میں ہے۔ سمون کا فرزند بہیم دیو اس کا ادم چند جس کے سرد اور کیلاش دو فرزند ہوئے۔ یہ کیلاش بڑا بہادر ہو گیا ہے۔ اس کو بعض نے دھند بار بھی لکھا ہے۔ اس نے بارہ منگا ضلع گورداسپور اور ضلع یانکوٹ کے کئی گاؤں اپنے قبضے میں کر لیے۔

۱۵۰۰ بکرہ کے قریب رائے کیلاش کے کھتی اور متی اور اشوپال فرزند ان کی نیرنگیوں سے تنگ آئے ہوتے راجگاں جوال کی شران آئے اور ممتاز عمداں پر فائز ہوئے۔ کھتی کی اولاد ضلع جالندھر اور ہوشیار پور میں اور اشوپال کی اولاد موضع پالدی ضلع ہوشیار پور میں آباد ہوئی۔ یہ خاندان مہاراجپوت بھی کہلاتا ہے۔

پانچواں خاندان؛ منہاس رمل دیو کی اولاد ہے۔ راجہ جے دیو والی جوں جس کا زمانہ ۱۳۰۰ بکرہ کے قریب گزرا اس کے دو بیٹے زنگھ دیو اور رمل دیو تھے۔ زنگھ دیو وارث ریاست قرار پایا اور رمل دیو کی اولاد نے بل پکڑ لی، پس اس کی اولاد بھی منہاس ہو گئی موضع سمبل پور تحصیل سانہ میں آباد ہے۔

چھٹا منہاس خاندان زنگھ دیو کے دوسرے اور تیسرے فرزند سید ولد جگھ دیو سے قریب ۱۳۵۰ بکرہ میں ان کے بل چلانے سے علیحدہ ہوا۔ یہ خاندان مواضعات سم۔ توپ۔ سوا سنبھہ تحصیل جمل جو جنڈیالہ علاقہ سرکار انگریزی میں تھا۔

ساتواں خاندان؛ منہاس راجہ ارجن دیو کے بیٹے جوہر دیو سے علیحدہ ہوا جس کا زمانہ قریب ۱۴۰۰ بکرہ کے بیان ہوتا ہے۔ اس راجہ جوہر دیو کے بھی دو بیٹے مال دیو اور حکان دیو آخر الذکر کی اولاد نے بھی بل چلائی۔ ان کی اولاد منہاس کہلائی جو مواضعات پلاوہ عاقل پور تحصیل جمل چندرکوٹ و کاستی گڑھ علاقہ تحصیل رام بن میں آباد ہے۔

مندرجہ بالا تاریخ راجپوتانہ منہاس سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں کہ بابا رحمت علی چشتی صابری کا خاندان اشوپال منہاس کی اولاد جو موضع پالدی ضلع ہوشیار پور میں آباد تھی۔ پھر خاندان کے کچھ افراد بسی بلو میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ ان کی گوت کدڑا تھی جو ان کے بزرگوں میں سے کسی بڑے بزرگ کا نام ہوگا۔ لفظ گوت، ہمیشہ کسی بڑے بزرگ کے نام سے یا کسی خاص امتیازی نشان کی وجہ سے خاندان کی شناخت یا جان پہچان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بقول خاندانی افراد جب منہاس خاندان کے لوگ جوں سے نقل مکانی کر کے منگڑ

کے سائے سے بھی دور بھاگتے ہیں۔ اس آفت زدہ دور میں لوگوں نے پیل کے بیج اور پیازمی کے بیجوں کو پس کر آٹا کے طور پر استعمال کر کے مشکلات کے دن کاٹے۔ یہ خشک سالی ایسی بڑھی کہ فصلیں ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ ایسے حالات میں تو انسان کا ایمان بھی ڈگمگانے لگتا ہے۔

میاں نتھا کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں، جن میں ایک لڑکے کا نام بابا رحمت علی تھا۔ جس وقت بابا رحمت علی پیدا ہوئے۔ اس گھر میں سوائے اللہ کے نام کے کوئی چیز گھر میں نہیں تھی جب رحمت علی نے ذرا ہوش سنبھالا تو میاں

ضلع میں آنے ان میں سے چند افراد نے مذہب اسلام کو قبول کیا اور داخل اسلام ہو گئے۔ یہ اسلام میں کب داخل ہوئے کوئی نہیں جانتا۔ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے، کون یاد رکھتا۔ بقول خاندانی روایات، تقسیم ہند سے پہلے یہ شادی کے موقع پر ایک خاندانی بھاٹ برہمن جموں سے آیا کرتا تھا اور اس کو غامس طور پر بلایا جاتا تھا تاکہ خاندان کا رشتہ ازدواج کسی دوسرے خاندان سے منسک نہ ہو جائے۔ خاندانی خون دوسرے میں منتقل نہ ہو جائے۔ جب تک وہ بھاٹ برہمن جس کو ربانی شجرہ نسب یاد ہوتا تھا یا تحریر شدہ ہوتا تھا۔ وہ کڑیاں ملا کر خاندان کی تصدیق نہیں کرتا تھا بیاہ شادی ہونا ناممکن تھا۔

بیاہ شادی کے متعلق بھی بقول خاندانی روایات خاندان میں دو تین چار بزرگ منتخب ہوتے تھے۔ برادری کے لیے لازم ہوتا تھا کہ ان کی ہر بات کو سر تسلیم خم کر کے اہمیت دی جائے۔ ان کے انجام دہندہ کاموں میں برکت بھی ہوتی تھی۔ اور ان کی دعائیں بھی شامل حال ہوتی تھیں۔ خاندان کی ہر قسم کی بُرائی کو روکنے کے لیے بزرگ لوگ پیش پیش رہتے تھے۔ موجودہ دور کچھ ایسا نفس و نفسی کا شروع ہو گیا ہے کہ خاندان کا ہر فرد اپنے مقام پر خود ہی بڑا بن گیا ہے۔ بزرگ لوگوں کو درمیان میں سے نکال دیا گیا۔ خاندانی رسم و رواج اور روایات کو ختم کر دیا گیا۔ دست خود وہاں خود جیسا معاملہ ہو گیا ہے۔ بڑوں نے جب دیکھا کہ اب خاندانوں میں ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں وہ بھی اپنی خاندانی ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہو گئے۔ ایسا کیوں ہو گیا، اس لیے کہ سے

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے ؛ نہیں میر کارواں میں کوئی خوئے دنوازی

لہذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر خاندانوں میں رشتہ دینے اور لینے کا رواج ہو گیا اور ذلیل بھی ہونے لگے۔ جب کہیں بات بگڑتی ہے تو اس کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خاندانی بزرگ پورے خاندان کو سنوارنے کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہیں، بات بھی انہیں سے بگڑتی ہوگی۔ وہی متحد نہیں رہے، انہی سے بات کا بگاڑ پیدا ہو گیا۔ انہی کی سیاست نے یہ دور بھی دکھایا ہے

بے وجہ تو نہیں ہیں پریشان سے ہم لوگ ؛ ڈرے ہوئے ہیں ہر اک مہربان سے ہم لوگ

بھائی سے بھائی دھوکا کرتا ہے۔ بہنیں بھی ان ہی بھائیوں کا ساتھ دیتی ہیں اور تعاون کرتی ہیں جن سے ان کو نفع یا فائدہ کی امید ہوتی ہے۔ غریب آدمی کا رشتہ دار تو کجا کوئی بھی ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔ اگر اس دنیا میں کوئی ذات انسان کی مدد کرتی ہے تو وہ فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو سب کا خالق مالک ہے سے کشتیاں سب کی کنارے پر پہنچ جاتی ہیں ؛ ناخدا جن کا نہ ہو ان کا خدا ہوتا ہے۔

ذات خداوندی کسی کا کام اُدھورا نہیں رہنے دیتی، سبھی کے کام بن جاتے ہیں۔ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ "الاقرب عقرب" عزیز و اقارب بچو کی مانند ہوتے ہیں۔ ایسا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جہاں ڈنگ چلانا ہوتا ہے ایک دم چلا دیتے ہیں۔

نتھاکا بیٹائی جاتی رہی، لہذا کھیتی باڑی مسلسل قحط سالی کی وجہ سے ختم ہو گئی۔ اُن کے بھائی اور تین چھوٹی بہنوں کا بوجھ اُن کے کندھوں پر اُن پڑا۔ آخر کار محنت مزدوری کرنی شروع کر دی۔ انہی دنوں بابا رحمت علی سلسلہ عالیہ چشتی صابری قطب دوراں ولی کامل سرکار پاک خواجہ خواجگان خواجہ محمد دیوان چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ سے منسلک ہو گئے اور اُن کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ سرکار پاک علیہ الرحمۃ کے چشم کرم سے ایسے دن پلٹے کہ پھر کسی چیز کی کمی نہ رہی۔ سرکار پاک کی دعائیں ہر وقت شامل حال رہتی تھیں۔ دوبارہ کاشت کاری شروع کر دی اور اب اراضی ٹھیکہ پر لیتے تھے۔ جس میں خود بڑی سخت محنت کرتے رہے اور روزی کماتے رہے۔ آہستہ آہستہ خوشحال تو خیر نہیں آئی مگر گزراوقات اچھے طریقے پر ہونے لگی۔ بچپن ہی سے جانفشانی سے کام کرنے کی عادت ہو چکی تھی۔ جب کاشتکاری سے تھوڑا وقت ملتا تو ایک اور کاروبار انہوں نے شروع کر دیا۔ یعنی کپڑے کا کاروبار شروع کر دیا۔ اُن کے مُرشد کی دعاؤں کی برکت سے رزق میں برکت ہوتی گئی۔ پھر انہوں نے اپنے بھائی اور بہنوں کی شادیاں بھی بڑی دھوم دھام سے کیں، بلکہ آپ کی زندگی میں ایسا وقت بھی آیا کہ محنت مزدوری کے سلسلہ میں ۱۹۳۶ء میں کوئٹہ بھی گئے۔ وہاں کچھ آب و ہوا راس نہیں آئی اور جسمانی تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ اس تکلیف میں مشکل مزدوری کر کے کرایہ بنایا۔

”دکھی باللہ وکیلا“ پر مہر دوسرے کرتے ہوئے واپس آ گئے۔ اپنے گاؤں میں ہی زمین کی کاشت کرنے لگے۔ مگر بچپن ہی سے فطرتاً اور کچھ اپنے مُرشد پاک کے ارشاد اُن کے روزانہ کے معمول میں یہ بات شامل تھی کہ صبح جلدی بیدار ہوتے اور تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ تہجد گزار ہونے کے علاوہ اکثر شب بیداری کرتے اور سورج کے طلوع ہونے تک اپنے درو و وظائف میں مشغول رہتے۔ اسکے بعد فارغ ہو کر دنیاوی کاموں میں مشغول ہو جاتے اور تھکاوٹ نام کی چیز ان میں قطعاً نہیں تھی۔

آپ کے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ جس میں سے ایک لڑکی چھوٹی کا انتقال دوران تالیف کتاب اولادیں؛ بذمہ ۲۴ مئی ۱۹۸۴ء بروز جمعہ ہو گیا۔ بڑے لڑکے محمد طفیل کو پیشہ خیاطی میں ایک اُستاد کی شاگردی میں دے دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی جس دور کو وہ دیکھ چکے تھے اس قحط سالی دور کے پیش نظر کاشت کاری سے اکتاہٹ تو محسوس نہیں کی، لیکن پھر بھی اُن کا خیال تھا کہ کسب اور ہاتھوں کا ستھرا ہونا زیادہ بہتر ہے۔ یہ سارا دھندا آپ نے اس لیے کیا کہ آپ کے مُرشد پاک نے یہ فرمایا تھا کہ محمد طفیل کو لڑکوں میں مت بیٹھنے دینا بلکہ ان کو پیشہ خیاطی سپرد کرو۔ اور قرآن پاک کی تعلیم بابا عمر دین داراپوری سے دلائی۔ لہذا بڑے لڑکے محمد طفیل نے اس پیشہ خیاطی میں دو ایک استادان کی شاگردی میں رہ کر کافی مہارت حاصل کر لی۔ اس کے بعد ۱۹۴۴ء میں شملہ چلا گیا وہاں ایک ٹھیکیدار گورنمنٹ برطانیہ کی ملٹری میں تھا۔ اُن کے پاس ملازمت اختیار کر کے اپنے کام میں مزید مہارت حاصل کی اور نان و نفقہ کباتے رہے۔

دوسرے لڑکے یعنی راقم الحروف کے لیے سرکارِ پاک علیہ الرحمۃ کا حکم ہوا کہ اُن کو مکمل تعلیم دلو اور خاندان کے اندر زیورِ تعلیم سے آراستہ ہونا بہت ضروری ہے، لہذا آپ نے دوسرے چھوٹے لڑکوں کو بھی سکول میں داخل کروا دیا۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے بٹوارہ کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آئے اور یہاں انگریزوں کو تعلیم دلوائی ماس کے بعد کچھ ایسا سرکارِ پاک صابری کا کم ہوا کہ آج وہ ملازمت کے اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔

یہ بزرگانِ دین ہی کا تصرف و صدقہ تھا کہ لوگ قحط سالی کے بد حالی دور سے بچ گئے۔ اس بلا سے ناگمانی کے ٹلنے کے بعد ایک دوسری بلائے عظیم نازل ہوئی جو طاعون کے نام سے دو آبہ کے اندر آہستہ آہستہ پھیل گئی تھی۔ اس مرض طاعون میں ایک لڑکے فیض محمد کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ راقم الحروف کے بڑے بھائی تھے۔

بیارحمت علی چشتی صابری عمر کے آخری حصے میں زیادہ تر کمزوری کی وجہ سے علیل رہنے لگے مگر باوجود علیل ہونے کے روزمرہ کے ورد و وظائف میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ اپنی وضع داری کو قائم رکھتے ہوئے تمام عزیز و اقارب سے ملتے۔ کبھی کسی عزیز کو، دوست احباب کو اور برادرانِ طریقت کو بُرا بھلا نہیں کہا اور اخلاق سے پیش آتے رہے اور نہ ہی کبھی آپکے متعلق کسی کی زبان پر حرفِ شکایت ہوئی۔ آپ کی بیوی یعنی ہمارا والدہ ماجدہ غلام فاطمہ کا انتقال ۳ جون ۱۹۸۵ء بوقت صبح بمقام اروپ شریف ضلع گوجرانوالہ میں ہوا۔

اے گورنمنٹ برطانیہ کے دورِ حکومت میں ۱۸۶۰ء تا ۱۸۶۱ء میں قحط پیدا ہوا، جس کا زیادہ تر اثر تلچ اور دریائے جہنا کے وسطی علاقہ تک محدود رہا۔ گندم کی قیمت اس قحط سالی کے دور میں ایک روپیہ کی دس سیر تھی۔ اس کے بعد کچھ کچھ خوشحالی کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں، لیکن پھر دوبارہ ۷۸-۱۸۶۹ء تک قحط سالی پیدا ہو گئی۔ لوگ افلاس کا شکار ہو گئے۔ ایشیائے خوددنی دوسرے مختلف علاقوں سے درآمد کر کے ضروریات کو پورا کیا گیا۔ گندم کی قیمت گیارہ سیرنی روپیہ مقرر کی گئی لیکن اس کے بعد حالات اور زیادہ مشکل اور پریشان کن ہو گئے۔ روپیہ پیسہ لوگوں کے پاس نہ ہونے کے برابر تھا۔ زیادہ تر کاشت کار لوگ جن کی زندگی کا دار و مدار راضی پر ہوتا تھا، اپنی زمینوں کو چھوڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ محنت مزدوری کرنے کے بہانے منتقل ہو گئے تھے۔

۱۸۹۵ء سے لے کر ۱۹۰۱ء تک دورِ قحط ایسا تھا کہ اس دور میں گندم کی قیمت آٹھ سیرنی روپیہ ہو گئی تھی۔ عوام نے اس مشکل دور میں جس طرح اپنی زندگی کے دن گزارے، پیل کے دختوں کے بیج کا اٹا بنا کر کھاتے اور روزِ بخ کے پیٹ کو بھرتے تھے۔ اس دور میں بہت سے لوگوں نے کاشت کاری کو چھوڑ کر کسبِ دستکاری کو اپنایا۔

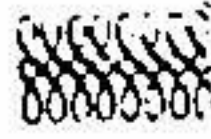
سے مرض طاعون کا پنجاب میں موضع کھنکر کلاں جو کہ بنگالوں شہر روڈ ضلع جالندھر میں واقع ہے سے آغاز ہوا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مُوزی مرض ایک برہمن جس کا نام رام سرن تھا وہ ہرودوار سے شدید بخار کی حالت میں ۲۸ اپریل ۱۸۹۷ء دیوبی کے درشن کر کے آیا اور وہ اُس کے بعد جلد ہی مر گیا۔ اُس کے بعد دسمبر ۱۸۹۷ء میں ہوشیار پور کے ایک گاؤں بیرام پور میں یہ مُوزی مرض شروع ہوا۔ پھر مارچ ۱۸۹۸ء میں

بابا رحمت علی چشتی صابری کا وصال شریف ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ بروز اتوار بوقت عصر
 وصال شریف : اُردو شریف تحصیل و ضلع گوجرانوالہ میں ہوا اور وہیں مزار اقدس تعمیر ہوا۔ قبلہ میاں

آصف صابری صاحب نے مندرجہ ذیل قطعہ وصال تحریر کیا تھا۔

جو بھی ہے اس جہاں میں فانی ہے ساری دنیا یہ آنی جانی ہے
 یہاں رحمت علیؒ کو آصف شد بہشت بریں مکانی ہے

(آصف صابری ۱۳۹۴ھ)



حضرت شاہ حسین قادریؒ

حضرت قبلہ و کعبہ شاہ حسین علیہ الرحمۃ کی ولادت باسعادت دوسو سوہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں ایک معزز سادات گھرانہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت محمد شاہ علیہ الرحمۃ تھا جو کہ شہر دوسوہ کے محلہ فتح اللہ پور تیداں میں کافی جائیداد اراضی کی ملکیت رکھتے تھے۔ حضرت قبلہ محمد شاہ علیہ الرحمۃ حضرت قبلہ سید پیر علی شیر رحمۃ اللہ علیہ جو دوسوہ کے ایک قابل احترام اور بزرگ شخصیت تھے کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف تھے۔ اپنے دور کے ایک جید عالم تھے اور عالم باعمل درویش تھے۔ آپ سلسلہ عالیہ قادریہ کے ایک بلند پایہ بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی تعلیم زیادہ تر مدرسہ یا سکول کی بجائے مسجد میں ہوئی اور یہ تعلیم آپ

گزشتہ سے پیوستہ

گڑھ شکر اس مرض کی لپیٹ میں آیا۔ بعد میں جولائی ۱۸۹۸ء میں شکر گاؤں ضلع جالندھر اور تقریباً ۶ گاؤں ضلع ہوشیار پور کے طاعون میں مبتلا ہوئے۔ بعد میں وسیع پیمانے پر اس مرض نے پورے ضلع کے اندر پھیلنا شروع کر دیا۔ لوگ ہر وقت قبرستان میں ہی رہتے تھے اور وہیں کھانا وغیرہ کھاتے تھے۔ اس موذی مرض نے گاؤں کے گاؤں خالی کر دیے۔ جنازہ پڑھانے اور دفنانے کے بعد دوسرا جنازہ تیار ہو جاتا۔ لوگ گاؤں چھوڑ کر جنگلوں میں جا بے۔ لوگ ہر وقت پریشان رہتے تھے۔ خدا کے سامنے پوری مخلوق جھک گئی۔ بزرگوں کے پاس دعاؤں کے لیے سر کے بل جانے لگے۔ خدا خدا کر کے بزرگوں کی دعاؤں سے یہ مرض پانچ سال کے طویل عرصے کے بعد اپریل ۱۹۰۲ء میں ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۵ء اور ۱۹۳۱ء-۱۹۳۲ء میں دوبارہ یہ مرض طاعون شروع ہوا اور ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ اسی مرض طاعون میں راقم الحروف کا بڑا بھائی فیض محمد فوت ہوا تھا۔

نے اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔ فارسی، عربی اور اردو زبانوں کے علاوہ علم فقہ، حدیث، طب اور ریاضی میں بھی ماہر تھے۔ اکثر مجتہدین نے آپ سے گلستان اور بوستان سعدی کی کتابوں میں درس لیا تھا۔

حضرت قبلہ شاہ حسین کی شادی راہوں بنگا ضلع ہوشیار پور کے ایک معزز سادات خاندان میں ہوئی۔ آپ کے تین صاحبزادے ایک صاحبزادی تھیں جن کی شادی موضع اعواناں بھیکھے خاں ضلع ہوشیار پور میں ایک معزز اور قابل صد احترام سادات خاندان میں ہوئی تھی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے کا اسم گرامی حضرت سید عبدالنبی شاہ تھا جن کا وصال پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد بمقام چہرہ نزد ٹھیکری والا بنگلہ ضلع فیصل آباد میں ہوا۔

آپ کے دوسرے صاحبزادے عبدالعزیز شاہ تھے۔ ان کا وصال بھی پاکستان میں ہوا۔ مزار اقدس چک نمبر ۱۹۹ نزد بنگلہ مرید والا ضلع فیصل آباد میں ہوا۔

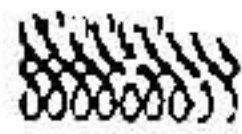
آپ کے تیسرے صاحبزادے قبلہ صادق شاہ صاحب تادم تحریر بقید حیات ہیں اور بمقام جڑانوالا ضلع فیصل آباد میں سکونت رکھتے ہیں۔

حضرت قبلہ شاہ حسین کے سینکڑوں مریدین تھے۔ حضرت سرکار غریب نواز خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ جب آپ کے در اقدس پر بہ ارادہ بیعت تشریف لے گئے تو آپ کی دور رس نگاہوں نے دشگیری فرماتے ہوئے مشورہ دیا کہ آپ کا فیض باطنی ہمارے پاس نہیں ہے لہذا اس مقدس فریضے میں کسی بالکمال بزرگ سے قلبی رجوع کیا جائے۔ حضرت قبلہ شاہ حسین علیہ الرحمۃ کے بلند و بالا مراتب کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ آپ کے ڈھور ڈنگروں اور گائے بھینسوں کے گوبر تک اٹھاتے تھے اور صفائی کرتے تھے۔ اور باادب ہونے کا یہ حال تھا کہ آپ کی بارگاہ اقدس میں سلام حاضری کے لیے جب تشریف لے جاتے تھے تو برہنہ پا جاتے تھے اور نشست و برخاست میں دست بستہ اور نگاہیں جھکی جھکی رہتیں۔ گفتگو کم کرتے، اکثر و بیشتر مہربان رہتے تھے۔ سرکار خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ نے بچپن میں جن بزرگ شخصیتوں سے دینی فیض اکتساب کیا ان میں حضرت حافظ ولی محمد صاحب جو رنگریزی کا کسب کرتے تھے۔ وہ قبلہ شاہ حسین علیہ الرحمۃ کے صاحب روحانیت مریدین میں سے تھے، سے قرآن مجید پڑھاتا تھا۔ اس طرح سے قبلہ ولی محمد صاحب آپ کے استاد تھے اور نواح دوسوہہ کا انتقال میں رہائش رکھتے تھے۔ بہ نظر محبت و شفقت اور عقیدت مندی کے ارادے سے سب سے پہلے قبلہ ولی محمد صاحب ہی آپ کو اپنے مرشد پاک قبلہ شاہ حسین علیہ الرحمۃ کی خدمت اقدس میں لے گئے تھے۔

حضرت قبلہ شاہ حسین متاع روحانیت کے علاوہ دنیاوی جاہ و جلال بھی رکھتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی خانقاہ میں ہر وقت لنگر جاری رہتا تھا۔ آتے جاتے مسافراں اور مخلوق خدا کو باقاعدگی سے کھانا تیسرہ ہوتا تھا بلکہ کس و ناکس

بلا تمیز و مذہب و ملت آپ کے در اقدس پر حاضر ہو کر دینی و دنیوی فیض اکتساب کرتا۔ کوئی بھی سائل خالی ہاتھ نہ لوٹتا۔

آپ کے دو صاحبزادگان عبد اللہ شاہ اور صادق حسین شاہ آپ ہی سے شرف بیعت رکھتے تھے مگر تیسرے صاحبزادے قبلہ عبد العزیز شاہ سرکار غریب نواز خواجہ محمد دیوان چشتی صابری کے مریدین میں سے تھے۔
حضرت قبلہ شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کا وصال شریف ۲۰ دسمبر ۱۹۴۰ء میں دوسوہہ میں ہوا اور بعد وصال شریف مزار اقدس بھی دوسوہہ میں تعمیر ہوا جو کہ مرجع ضائق تھا۔



بابا دسوندھی شاہ (نوشاہی)

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد بخش ولد خیراتی قوم راجپوت تھا۔ آپ کا آبائی وطن کانتھال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور تھا۔ بعد ازاں موضع کلہ وال متصل جمال پور مضافات لدھیانہ تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار فرمائی۔

آپ نے وہاں پر اپنا ڈیرہ جلال الدین ولد دائم علی اعوان کی رہائش گاہ پر لگایا۔ جب ہندوستان کا بٹوارہ ہوا اور پاکستان معرض وجود میں آیا تو آپ ہجرت کر کے ملتان شہر تشریف لے گئے اور بیرون لوہاری دروازہ بون روڈ پر حضور می باغ میں پرمانند وکیل کی کوٹھی میں ایک کمرہ میں رہائش پذیر ہوئے اور لنگر کا انتظام نذیر علی اعوان کے سپرد تھا۔

آپ کی بیعت و خلافت سائیں عبد اللہ شاہ (نوشاہی) جو کہ موضع بہبل منجاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) کے رہنے والے تھے۔

حضرت سائیں عبد اللہ شاہ کی بیعت و خلافت سائیں بوٹے شاہ (نوشاہی) موضع منڈال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور سے تھی اور یہ مرید و خلیفہ حضرت حاجی عطا محمد ولد میاں شہاب الدین نوشاہی ساکن جھنگی بابا ماہی شاہ نوشاہی تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور کے تھے۔

حضرت سائیں دسوندھی شاہ صاحب علم اور علم دوست تھے۔ اکثر دینی کتابوں کا مطالعہ پیش نظر رہتا تھا۔

بزرگان دین سے نہایت عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ تمام عمر مجرور رہے اور اسی طرح عمر گزار دی۔

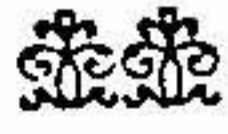
آپ کا وصال شریف ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۸۲ ہجری بمطابق ۳۱ اگست ۱۹۶۴ء سوموار کی شب ۲ بجے ہوا۔ وصال تو منڈی بہاؤ الدین میں ہوا مگر آپ کا جسدِ اقدس ساہن پال شریف

لایا گیا اور قبرستان نوشاہیہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کے خلفاء میں:

۱۔ سائیں حاکم شاہ گوجر ساکن چوہڑ پور متصل لدھیانہ

۲۔ مولوی ولایت علی شاہ (یہ لدھیانہ کے رہنے والے تھے اور مولوی محمد رمضان شاہ نوشاہی برقدازی کے

والد تھے۔ (شریف التواریخ جلد سوم حصہ نم ۳۱ صفحہ ۳۱)



بابا کالے شاہ نوشاہی

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی ملک پیر بخش تھا اور آباؤ اجداد موضع پسی تحصیل دوسو بہ ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ مگر آپ کے والد موضع واگھوال میں آ رہے تھے اور یہیں پر آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ آپ کے دل میں بچپن ہی سے یاد اللہی کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔

آپ کی بیعت و خلافت بابا جیوے شاہ نوشاہی سے تھی اور اپنے پیرومرشد کے خدمت گار تھے۔ متحمل مزاج اور بردبار تھے۔ آپ کے متعلق مشہور ہو گیا تھا کہ بابا کالے شاہ فقیر ہو گیا ہے۔ پسی کے ہندو راجپوتوں نے کہا کہ اگر وہ ہمارے چھپر ڈھکی (جگہ کا نام) پر ایک رات گزارے تو ہم سمجھیں گے کہ فقیر ہے۔ آپ پہلے ہی سے ایسی وقف جگہ تلاش کرتے تھے۔ وہاں جنگل میں ایک چھپر تیار کر کے عبادت میں مشغول ہو گئے۔ ہر وقت ذکر اللہی میں اشتغال رکھتے۔

ایک روز ایک ہندو وہاں سے گزرا۔ آپ کلمہ طیبہ کا بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے اور اس نے گاؤں میں آکر مشہور کر دیا کہ کالے شاہ کے ساتھ جھاڑیاں اور جنگل کے درخت بھی ذکر کرتے ہیں اگر ایسا ہی وقت رہا تو اس چھپر پر غسل کرنے والے ہندو مرد اور عورتیں اس کے تصرف سے سب مسلمان ہو جائیں گے۔ اس لیے درویش کو اٹھا دینا چاہیے۔ آپ کے معتقدوں نے آپ کے چھپر کے پاس کچھ کپاس کے بیج کاشت کر دیے۔ ہندوؤں نے یہ بہانہ بنایا کہ یہ جگہ ہمارے مردے جلانے کی ہے۔ آپ اس پر اپنا قبضہ جارہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس جگہ اس خیال سے نہیں بیٹھا تھا کہ قبضہ جالوں۔ بلکہ اب میرا کام خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کرم سے تکمیل کو پہنچ گیا

ہے اور اب تم اپنی جگہ نبھالو۔ آپ اپنے مرشد بابا جیوے شاہ نوشاہی کے مزار اقدس پر تشریف لے گئے اور وہیں پر مجاورت میں عمر بسر کر دی۔ آپ کے خلفاء مندرجہ ذیل ہیں۔

سائیں امام دین عرف بولے شاہ برادر خور ذواگھو وال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

سائیں رمضان شاہ ساکن بنیال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

سائیں شاہ دین

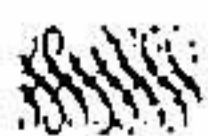
سائیں وریام شاہ عرف شیر شاہ

سائیں ساون شاہ

آپ کا وصال شریف بمقام واگھو وال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ہوا

اور وہیں پر سپرد خاک ہوئے۔

وصال شریف



سائیں بولے شاہ واگھو والی (نوشاہی)

آپ کا اصلی نام امام الدین شاہ تھا مگر بولے شاہ کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ والد ماجد کا اسم گرامی نور محمد تھا۔ اپنے بڑے بھائی بابا کالے شاہ واگھو وال کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کی زبان سیف تھی۔

آپ جسمانی طور پر تنومند اور طاقت ور تھے۔ آپ چاندی کے روپیہ کو انگوٹھے سے دبا کر ٹھوٹھی بنا دیا کرتے تھے اور اگر دوبارہ دباتے تو سیدھا بھی کر سکتے تھے۔

آپ نے عالم شباب میں دریائے بیاس کے کنارے موضع کھیڑال علاقہ دوسوہہ کے متصل ایک چلہ کیا اور فیض یاب ہوئے۔ آپ کی برکت سے کئی بے اولادوں کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا اور کئی گھر (خاندان) آباد ہوئے اور مریض شفا یاب ہوئے۔

ایک مرتبہ دریائے بیاس نے موضع کھیڑال کی طرف رخ کیا اور زمین کاشت کاری دریا برد ہونے لگی۔ وہاں کے نمبر دار نے آپ کے پاس درخواست کی کہ دریائے بیاس نے ہماری اراضی کاشت کاری ضائع کر دی ہے۔ آپ

یہ سن کر دیاتے بیاس کے کنارے تشریف لے گئے اور ایک خود رو "سرکنڈے" کے پودے کو گرہ لگا دی۔ اور فرمایا جب تک یہ پودا قائم رہے گا حضرت نوشہرہ پاک کی برکت سے دریا اس جگہ سے اگے نہیں بٹھے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک بد عقیدہ رکھنے والے نجدی نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک سرکنڈے (کاہی) کا پودا دنیا کو روک دے۔ اُس نے چاکر کاہی کے پودے کو اکھاڑ دیا۔ پودے کا اکھاڑنا تھا کہ اسی شب دیاتے بیاس میں سیلاب آگیا اور پورے گاؤں کو تباہ و برباد کر دیا اور دوبارہ گاؤں آباد نہیں ہوا۔

آپ کے مریدین میں سے آپ کے برادر خورد بابا عبداللہ مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کا مزار اقدس موضع واگھو وال میں مرجع خلائق تھا۔



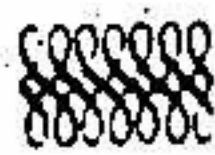
بابا رمضان علی شاہ (نوشاہی)

آپ کا اصلی نام محمد رمضان یا رمضان علی شاہ تھا۔ مگر آپ رمضان شاہ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا آبائی وطن بنیال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور تھا۔

آپ کی پیدائش ۲۲ فروری ۱۸۹۶ء میں ہوئی اور یہیں اسی موضع میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ بابا کالے شاہ واگھو والی کے مرید و خلیفہ تھے۔

آپ نہایت عبادت گزار تھے اور پابند شرع درویش تھے۔ ایک مخلوق نے آپ سے فیض روحانی حاصل کیا۔ آپ کے در پر جو سوالی آیا خالی نہیں جاتا تھا۔ آپ کے مریدین میں سے سائیں قمر علی نواسہ خود بمقام دھرم کوٹ چک نمبر ۲۷۸ متصل پکا انا۔ عبدالحمید بیٹ (سانگلہ ہل) وغیرہ تھے۔

وصال شریف بروز ہفتہ ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ بمطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۶۵ء بمقام دھرم کوٹ چک نمبر ۲۷۸ متصل پکا انا ضلع فیصل آباد میں ہوا اور وہیں مزار اقدس بنا۔



میاں بڑھے شاہ (جھنگی والے)

آپ حاجی عطا محمد بن میاں شہاب الدین صاحب ساکن جھنگی ماہی شاہ کے تیسرے بیٹے تھے اور اپنے والد ماجد کے مرید و خلیفہ تھے۔

آپ بڑے کامل اکمل ولی اللہ تھے۔ اور ساک مست تھے۔ جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا تھا اسی وقت ظہور میں آجاتا تھا۔ آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ عام خلق میں شہرہ آفاق تھے۔ آپ کی حالت مستانہ تھی۔ اور زیادہ تر عوام میں مست کے نام سے مشہور تھے۔

اولادیں :

آپ کے ایک فرزند میاں فضل کریم تھے ان کے چھ بیٹے ہوئے۔
مزار اقدس مزار بابا ماہی شاہ جھنگی با ماہی شاہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں تھا۔



میاں جھنڈے شاہ نوشاہی (جھنگی والے)

آپ حاجی عطا محمد ولد میاں شہاب الدین نوشاہی کے بڑے بیٹے تھے اور آپ اپنے والد بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے۔ صاحب علم اور کامل درویش تھے۔ آپ نے کافی ریاضت و مجاہدے کیے۔ باشرع درویش تھے۔ آپ سے کافی لوگوں کو فیض حاصل ہوا۔ آپ کے در پر مخلوق خدا کو درد نہاں کا علاج تیسر ہوتا۔ بگڑی ہوئی تقدیریں سنورتیں۔ بہر حاجت مند کی دعا قبول ہوتی تھی۔

اولادیں :

۱۔ میاں عبدالغنی ۲۔ میاں محمد حسین

وصال شریف :

میال جمنڈے شاہ نوشاہی کی وفات ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۶ اپریل ۱۹۲۶ء بعد جارج پنجم
برطانوی عہد میں ہوئی۔

مادہ تاریخ وصال : فروغ محبوب ۱۳۴۴ ہجری
مزار اقدس قبرستان جھنگی ماہی شاہ میں ہے۔



میال رحمت علی شاہ نوشاہی

آپ حاجی عطا محمد نوشاہی کے دوسرے بیٹے تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ بڑے عابد اور
پرہیزگار تھے اور باشرع درویش تھے۔

آپ کی اولاد میں ایک بیٹا میال عبدالرحیم تھا۔ اُن کا وہ سال ۲۶ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ میں ہوا۔ اس کے تین بیٹے
تھے۔ ۱۔ عبدالعزیز ۲۔ نور احمد ۳۔ نصیر احمد

وصال شریف :

میال رحمت علی شاہ نوشاہی کا وصال جھنگی بابا ماہی شاہی میں ہوا اور یہیں مزار مقدس بنا۔



میال علی گوہر نوشاہی

آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی میال نور اللہ تھا جو میال عبدالغفور بن میال غلام مصطفیٰ بن خواجہ سخت
جمال نوشاہی کے سعادت مند پسر تھے۔ آپ ٹانڈہ شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور کے باشندے تھے۔ آپ
کی قومیت جٹ وڑایچ تھی۔ آپ کی بیعت و خلافت میال سلطان مست بن میال سلطان ملک رحمتہ اللہ سے تھی

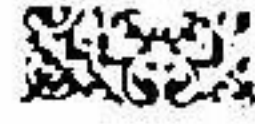
جو حضرت قبلہ و کعبہ سچیاں پاک نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ میں اوصاف درویشی بہت تھے۔

اولادیں :

(۱) میاں مولا بخش نوشاہی (۲) میاں غلام قادر نوشاہی

خلفاء

آپ کے خلفاء میں سے ایک درویش بابا چوچنے شاہ نوشاہی تھے۔



حضرت عبداللہ شاہ نوشاہی

آپ اپنے بڑے بھائی سائیں امام الدین المعروف بولے شاہ نوشاہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ جو اپنے بڑے بھائی بابا کالے شاہ ولد نور محمد کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ بڑے حلیم الطبع صاحب منزل درویش تھے۔ اپنے برادران کلاں نیز دادا مرشد بابا کالے شاہ نوشاہی کو دیکھا تھا، چونکہ آپ کے پیر و مرشد پہلے وفات پا چکے تھے۔ اس لیے آپ بابا کالے شاہ نوشاہی کے سجادہ نشین ہوئے اور گیارہ سال تک مسند سجادگی پر بیٹھ کر وصال فرمایا۔

اولادیں :

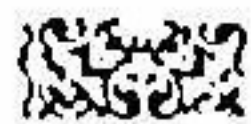
(۱) میاں غلام نبی ساکن رسالے والی چک نمبر ۱۳۲ ضلع فیصل آباد اپنے والد کے مرید تھے۔

(۲) میاں اللہ دتہ اپنے بڑے بھائی میاں غلام نبی کے مرید تھے۔

میاں اللہ دتہ کے مریدین میں سے ڈاکٹر مولوی صوفی نذر محی الدین انچارج حیوانات شفا خانہ سانگلہ بل ہیں۔

وصال شریف :

آپ کا وصال شریف موضع واگھو وال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ہوا اور یہیں مزار اقدس تعمیر ہوا۔



سید برکت علی شاہ نوشاہی

آپ کے آباؤ اجداد بھوارہ تحصیل و ضلع ہوشیار پور مشرقی پنجاب (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ آپ صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ خاندان نوشاہی کے علاوہ سلاسل چشتیہ اور نقشبندیہ طریقوں سے بھی مستفیض تھے۔ مولوی محمود چشتی نظامی ۱۲۴۵ھ ساکن گنجر علاقہ کھاریاں ضلع گجرات نے تصویر شیخ کے جواز میں ایک رسالہ "طریق السالکین" نام تحریر کیا تھا جس پر چالیس سے زیادہ علمائے کرام کی تصدیقات تھیں اور ننانوے کتابیں اس کی ماخذ ہیں۔ اس رسالہ میں سید برکت علی شاہ کی تقریظ ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله حمده نستعين، ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن
سيئات اعمالنا من يهدي الله فلامضل الله ومن فضل الله فلا هادي له، ونشهد
ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، ونشهد ان محمدا عبده ورسوله.

اما بعد، افقر عبد الله الى رحمة الله عاجز ابو محمد برکت علی شاہ کان اللہ لہ کتاب ہے کہ مولف رسالہ موسوم بہ طریق
السالکین جناب مولانا محمود حنفی چشتی نظامی گنجوی نے اپنے رسالہ شریفہ کے مطالعہ سے فقیر کی نظر کو مشرف فرما کر ثبت
مہر کے واسطے مامور کیا۔ بہر چند فقیر اس لائق نہیں تھا کہ اس معنی کا مستول جانے لیکن جناب مؤلف کو شاید حسن ظن
بالمومنین نے اس معنی پر عاید کیا ہوگا۔

سبحان اللہ کیا عجب رسالہ ہے۔ جامعہ اولہ صحیح مشہور بہ تحریرات علمائے ربانی و مملوہ بہ تقریرات اولیائے حقانی
الحق پیران سلاسل فقیر مرشدان طرق حقیر کا یہی مسلک اور معتقد چلا آیا ہے اور اصحاب و احباب جو ہمیشہ اس مسئلہ میں
فقیر سے استفسار کیا کرتے تھے، ان کو لازم و واجب ہے کہ اس رسالہ شریفہ کو نقد جاں سے خرید کر قلب و روح کے
جزواں میں محفوظ رکھیں اور دستور العمل بنائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

(شریف التواریخ جلد سوم - حصہ دوازدهم صفحہ ۱۰)

بابا جیوے شاہ نوشاہی

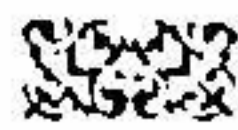
آپ سید محمد علی شاہ کیلوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ کافی عرصہ تک اپنے مرشد پاک کی خدمت میں موضع کیلے متصل دھاریوال ضلع گورداسپور میں رہے۔ وہاں اپنے ہاتھ سے ایک کنواں لگوایا اور پھلدارا شجار لگائے۔ پھر آپ مرشد پاک کے حکم سے علاقہ دوآبہ ضلع ہوشیارپور میں جا کر موضع راگھووال میں سکونت گزریں ہوئے۔

آپ جب موضع راگھووال میں پہنچے تو ایک درخت برنا کے نیچے بیٹھ گئے جو بھیڑوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ کچھ دنوں بعد مخلوق میں آپ کی چرچا ہو گئی۔ آپ آٹھ پہر کے بعد چہرے پر نقاب اوڑھ کر چند گھروں کی گدائی فرماتے اور ایک روٹی کا آٹا حاصل کر کے اُسے پکاتے اور پکی ہوئی روٹی کے چار ٹکڑے کرتے۔ ایک حصہ کتے کو، ایک حصہ پرندوں کو، ایک حصہ حاضرین مجلس کو تقسیم کرتے اور چوتھا ٹکڑا خود تناول فرماتے۔

راگھووال میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ قریب کے گاؤں سے پانی لایا جاتا تھا۔ وہاں سکھوں کی آبادی تھی۔ وہ پانی لانے والی عورتوں سے مذاق کرتے تھے۔ آپ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ آپ نے راگھووال اور سہارنا کے درمیان کنواں لگوایا تاکہ دونوں گاؤں والوں کو پانی کی سہولت ہو جائے۔

وہاں پر داوونپتھی سادھو فقیر آگئے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں ہمارے نام کی اینٹ لگا دو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کنواں خدا کے نام پر تیار ہوا ہے۔ اس پر کسی کا نام نہیں لکھا جائے گا۔ انہوں نے وہاں سے آپ کو اٹھا دیا۔ جب آپ وہاں سے چلے تو امرالہی سے کنوئیں کی عمارت پھٹ گئی، پھر سب لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت خواہ ہوئے تو آپ نے ان کو معافی دے دی اور دوبارہ اس گاؤں میں جا کر آباد ہوئے۔ آپ نے قبر کھدوا کر چلے بھی فرمایا۔

آپ نے صرف ایک مرید و خلیفہ بابا کالے شاہ نوشاہی کو خلافت سے نوازا۔
مزار اقدس موضع راگھووال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور میں ہے۔



بابا ملنگ شاہ نوشاہی

آپ مالکھا متصل عمر پورہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ آپ کی بیعت و خلافت بابا احمد شاہ نوشاہی سے تھی۔ بابا احمد شاہ نوشاہی کی بیعت و خلافت حضرت بابا ماہی شاہ نوشاہی ساکن جھنگی شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور سے تھی۔

ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب اور ایک مراسی آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ مراسی نے راستہ میں مولوی صاحب سے کہا کہ میں برائے زیارت جا رہا ہوں۔ مولوی صاحب نے مراسی سے کہا کہ میں علم غیب کے مسئلہ پر مناظرہ کروں گا۔ جب دونوں آپ کی مجلس اقدس میں پہنچے تو آپ نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ شغل بازی کرنے آئے ہو۔

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا ہے۔ آپ نے فرمایا مولوی صاحب آپ نے کچھ علم پڑھا؛ مولوی صاحب نے کہا کہ میں فاضل دیوبند ہوں آپ نے فرمایا حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد خدائے پاک کا ہے۔

الرحمن علم القرآن۔ نیز ارشاد فرمایا علمک ما لم تکن تعلم۔ اور اولیاء اللہ کے متعلق حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔

ما زال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببناہ نکنت سمعہ الذی یسمع بہما نکنت بصرہ الذی ببصرہما الریب۔

توجیب اولیاء اللہ کی سب صفات فانی ہو جائیں اور ذات حق کی صفات کا ظہور اس میں ہو تو اس کے علم اور تصرفات سے کون سی چیز باہر رہ جاتی ہے۔ مولوی صاحب یہ گفتگو سن کر مرید ہو گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص دولاب کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ اس کو دولت علی کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اُس شخص نے عرض کیا کہ سرکار! میں غریب آدمی ہوں۔ آپ مجھے دولت علی کے نام سے یاد فرما رہے ہیں۔ آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی اور وہ شخص جلد ہی دولت مند ہو گیا۔

مریدین :

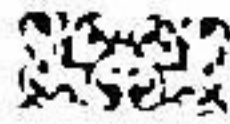
لاہ میاں ملک شاہ ساکن تلونڈی

(۲) میاں مبارک علی اعوان المعروف بابا گھوڑے شاہ ساکن سوہل چک نمبر ۵، فیصل آباد

مدفن !

بابا ملنگ شاہ شاہی کا مزار اقدس عزت پور (غوث پور) اسٹیشن سے تھوڑا دور موضع ماگھا تحصیل دوسوہہ ضلع

ہوشیار پور۔ یہ دربار پاک بارہ گاؤں کے درمیان ہے۔



حضرت کالوشاہ نوشاہی

حضور قبلہ عالم میاں کالوشاہ نوشاہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی نام کمال الدین تھا اور عرف حضرت کالوشاہ

نوشاہی تھا۔

آپ کی پیدائش فتح کلہ متصل میانی افتانال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ہوئی۔ عالم شباب میں آپ موضع

شینہ بھٹی میں تشریف لے گئے۔

تقریباً اسی سال کی عمر میں بتاریخ ۹ ربیع الاول ۱۳۶۳ ہجری میں وصال ہوا۔ مزار پاک شینہ بھٹی میں مرجع خلائق

ہے۔ آپ نہایت سادہ متشرع اور خوش خلق درویش تھے۔

قطعہ تاریخ وصال۔۔۔۔۔ مولانا شرتی ملتانی۔ متصل اسلامیہ ہائی سکول نواں ٹبہ، ملتان۔

آپ کمال الدین صوفی باکمال عرف حضرت سائیں کالوشاہ شد

بلا تلم ۹ ربیع الاول آل از نظر پنہال چو رشک ماہ شد

یوم یک شنبہ بوقت چاشت آل قطب دوراں واصل اللہ شد

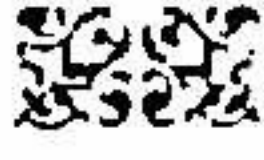
بر تاریخ وصالش عارفی فکر بنمود از سر و شش آگاہ شد

است تار بخش حروف نکتہ دار

داخل جنت ولی اللہ شد

شجرہ شریف

بابا ماہی شاہ سپاہی شاہ عبدالغفور شاہ و پیر شاہ، شرف الدین قادری، حاجی کالوشاہ (کمال الدین)
مولوی محمد یوسف (گوجرہ)



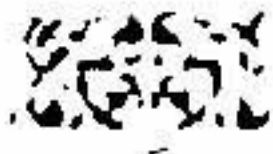
میاں شاہ چراغ نوشاہی

آپ میاں عبدالغفور بن میاں شہاب الدین (جھنگی شریف) کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کی بیعت و خلافت
اپنے والد بزرگوار سے تھی۔ آپ بڑے کامل ولی اللہ تھے۔ زبان سیف تھی، شب و روز قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔

اولادیں:

میاں احمد شاہ، علی محمد شاہ، میاں محبوب شاہ

تاریخ وصال ۱۳۲۳ ہجری بمطابق ۱۹۰۵ء



سید حمید شاہ نوشاہی

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید غلام قادر بن سید محمد علی شاہ بن سید احمد شاہ تھا۔ سید حمید شاہ نوشاہی کی
بیعت و خلافت میاں عبدالغفور بن میاں شہاب الدین ساکن جھنگی بابا ماہی شاہ سے تھی۔ آپ باشرع درویش اور
روحانی فیض کے مالک تھے۔

اولاد:

سید گنج بخش نوشاہی ان کے فرزند میاں غلام محمد ولد محمد بخش (سرکار ماہی شاہ کے مرید ہیں)

آپ کا مزار اقدس موضع مالکھا تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں واقع ہے۔



میاں غلام محمد نوشاہی

آپ میاں محمد بخش ولد میاں شہاب الدین (ارانہیں) کے اکلوتے فرزند ارجمند تھے۔ پابند شرع درویش تھے۔ اور عابد، زاہد، کامل اکمل ولی اللہ تھے۔ آپ کسب طبابت بھی فرماتے تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں اپنے دستِ خود سے تحریر فرمائیں۔

اولادیں :

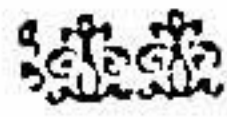
۱) میاں محمد علی صاحب (۲) میاں فضل احمد صاحب (یہ لا اولاد تھے)

خلفاء :

میاں محبوب علی ولد شاہ چراغ ساکن جھنگی شریف (بابا ماہی شاہ) سید گنج بخش ولد سید حیدر شاہ ساکن ماگھ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

آپ کا مزار اقدس قبرستان نوشاہی جھنگی شریف میں ہے۔

(شریف التواریخ جلد سوم حصہ ششم، صفحہ ۱۲۲)



میاں عطا محمد نوشاہی

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی میاں شہاب الدین بن بابا سپاہی شاہ ساکن جھنگی (بابا ماہی شاہ) تھا۔ آپ کی بیعت و خلافت اپنے بڑے بھائی میاں عبد الغفور بن میاں شہاب الدین سے تھی۔ حضرت حاجی عطا محمد صاحب بڑے کامل اولیاء اللہ ہیں سے تھے اور پابند شرع تھے۔ قرآن مجید کی شب و روز تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے ۱۲۶۱ ہجری بمطابق ۱۸۴۵ء میں خانہ کعبہ کا حج کیا اور وہاں سے عرصہ پانچ سال کے بعد جھنگی شریف واپس آئے۔

آپ کو بحکم السماع معراج العاشقین سماع بالمرزا میر و المعارف کا بہت شوق تھا۔ اور حالت سفر میں بھی قوال آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔

اولاد:

۱) میاں جھنڈے شاہ (۲) میاں رحمت علی شاہ (۳) میاں بڈھے شاہ

خلفاء:

تینوں فرزندوں کو بیعت اور خلافت سے شرف حاصل تھا۔ ان کے علاوہ سائیں بوٹے شاہ، سائیں امام شاہ، سائیں ثابت شاہ اور سائیں میراں بخش ساکن نون۔

آپ کا مزار اقدس جھنگلی ماہی شاہ میں مرجع خلائق ہے۔

فقراٹے حاجی عطا محمد نوشاہی، سائیں ثابت شاہ (ساکن گمٹھالہ تحصیل پھلور ضلع جالندھر) ان کے مرید:

مہر غلام قادر، مہر عبدالشار، سائیں محمد، مہر طفیل محمد (یہ سب موضع رسول پور ضلع جالندھر) سائیں بوٹے شاہ (موچی) ساکن منڈاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔ ان کے مرید و خلیفہ:

سائیں اللہ بخش ساکن سنوارا متصل حاجی پور تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔ ان کے مرید:

مولوی محمد بخش ولد خیراتی (راجپوت) ساکن کانتھال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔ سائیں الفی شاہ (گوجر) سائیں بگھوشاہ (گوجر) سائیں عبداللہ شاہ (کفش دوز) ساکن بہیل منجاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔ سائیں عبداللہ شاہ نوشاہی (کفش دوز) ان کے مریدین:

سائیں امیر شاہ نوشہرہ متصل حاجی پور تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

سائیں دسوندھی شاہ ولد محمد بخش (راجپوت) ساکن کانتھال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

سائیں چراغ شاہ ساکن موضع ہریانہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

مائی دولت بی بی ساکن بہیل منجاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

میاں عبدالغفور نوشاہی

آپ میاں شہاب الدین ولد بابا سپاہی شاہ نوشاہی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ بیعت و خلافت اپنے دادا صاحب سے بلا واسطہ حاصل کی اور مندرجہ سجادگی پر بیٹھے۔ گوشہ تنہائی اختیار فرمائی تھی۔ شب و روز عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔

اولاد:

آپ کا صرف ایک فرزند تھا، جس کا اسم گرامی میاں چراغ شاہ تھا۔

خلفاء:

اول میاں شاہ چراغ (فرزند خود)

دوئم حاجی عطا محمد (برادر خورد)

سوم بابا پیر شاہ ساکن جلال پور متصل میانی افغانیاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

چارم ہید حیدر شاہ ساکن ماگھ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

آپ کا وصال شریف اور مدفن بمقام جھنگلی شریف بابا سپاہی شاہ تھا۔

ﷺ

میاں محمد بخش نوشاہی

آپ میاں شہاب الدین نوشاہی ولد بابا سپاہی شاہ اپنے دادا کے بیعت و خلیفہ تھے۔ آپ ساکن مست تھے اور صاحبِ کرامت تھے۔

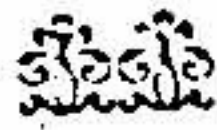
اولاد:

آپ کے صرف ایک فرزند ارجمند میاں غلام محمد نوشاہی تھے۔ ایک مخلوق کو آپ کے فیض سے روحانی مرتبہ حاصل ہو نہیں سکتا۔ آپ کا مزار اقدس جھنگی شریف میں مرجع خلائق ہے۔



بابا نور شاہ (جھنگی نور شاہ والے)

آپ بابا ماہی شاہ صاحب کے مرید و خلیفہ تھے۔ فقراء میں خاصہ مرتبہ تھا۔ بابا نور شاہ بڑے کامل ولی اللہ، عابد و زاہد باشریح درویش گزرے ہیں۔ مزار اقدس جھنگی نور شاہ میں واقع ہے جو متصل موجودہ پلاکی ہے اور وہاں کا ڈاکخانہ جھنگ کالہ شیخاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور ہے۔ ۱۳۳۸، ۱۹۲۹ء میں ایک عالی شان مسجد ان کے سرپرستوں نے بنوائی۔



بابا سپاہی شاہ نوشاہی

آپ بابا ماہی شاہ نوشاہی جھنگی شریف والے کے چھوٹے بھائی اور ان کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کے بعد سجادگی بھی کرتے رہے۔ والد ماجد کا اسم گرامی میاں علی محمد تھا۔ صاحب کرامات و فرق عادات تھے۔ عالم جنات آپ سے تعلیم پاتے تھے۔

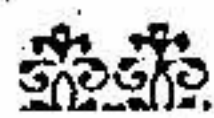
اولاد:

آپ کے ایک ہی فرزند میاں شہاب الدین صاحب تھے۔

خلفاء:

(۱) میاں شہاب الدین فرزند خود (۲) میاں عبدالغفور بن شہاب الدین نبیرہ

وصال شریف جھنگی شریف میں ہوا اور وہیں مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔

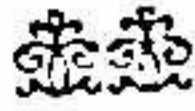


سید غریب شاہ (پنکھوہ والے)

آپ بابا ماہی شاہ ساکن جھنگی تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور کے مرید تھے۔ آپ کامل ولی اللہ تھے۔
آپ کا مزار اقدس موضع (پنکھوہ) مشعل بہل منجاں میں واقع ہے۔ اس میں ایک عالی شان مکان میں بے شمار
درخت اور درمیان میں ایک نہر جاری ہے اور ایک پختہ مسجد ہے۔

خلفاء :

آپ کے ایک خلیفہ بابا امیر شاہ نوشاہی تھے۔ اُن کے خلیفہ بابا منصور شاہ، اُن کے خلیفہ بابا حسین شاہ، اُن کے
خلیفہ بابا کریم شاہ اُن کے خلیفہ میاں مہدی حسین (موضع باغ سکندر تحصیل سرہند ضلع امرگڑھ ریاست پٹیالہ)



شجرہ فقرائے بابا ماہی شاہ نوشاہی (جھنگی شریف والے)

(۱) شیخ عبدالغفور المعروف بابا گھوڑے شاہ فیروز پوری۔ اُن کے فقیر بابا رحیم شاہ ڈپٹی (ضلع گورداسپور)

بابا سلیمان شاہ (زائن گڑھ والے)

بابا بہار شاہ ساکن باغ سکندر فیروز پور۔ اُن کے فقیر بابا ہادی شاہ (مونوں تھیہ گٹالہ) اور سائیں امر علی شاہ
مہاجر پٹیالہ موضع بھٹی بھنگو ضلع گوجرانوالہ

محمد شاہ ولد امر علی شاہ۔ اُن کے مرید بابا فقیر بے شاہ مدفن موضع ظہور تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور

(۲) بابا قادی شاہ نوشاہی

↓
حافظ عبداللہ شاہ (لوہار چھت بنوڑ ریاست پیالہ)

↓
میاں جانی شاہ - قوم ارائیں ساکن شاہ آباد ضلع کرنال

↓
میاں غلام قادر قوم لوہار (ڈیرہ بٹی ریاست کلیسہ آن کے فقیر بابا نور شاہ مدفن کتوال راجپوتان)

↓
میاں شرف شاہ قوم تیلی سہا بنوری

↓
سائیں حب علی شاہ (موضع گڑھی کوٹاہہ ضلع اٹتالہ)

(۳) سید حفیظ علی شاہ بخاری (موضع میان افغاناں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور)

↓
سید امیر علی گیلانی (وصال ۱۳۱۰ ہجری موضع میان افغاناں)

↓
سید غلام مرتضیٰ شاہ فرزند امیر شاہ

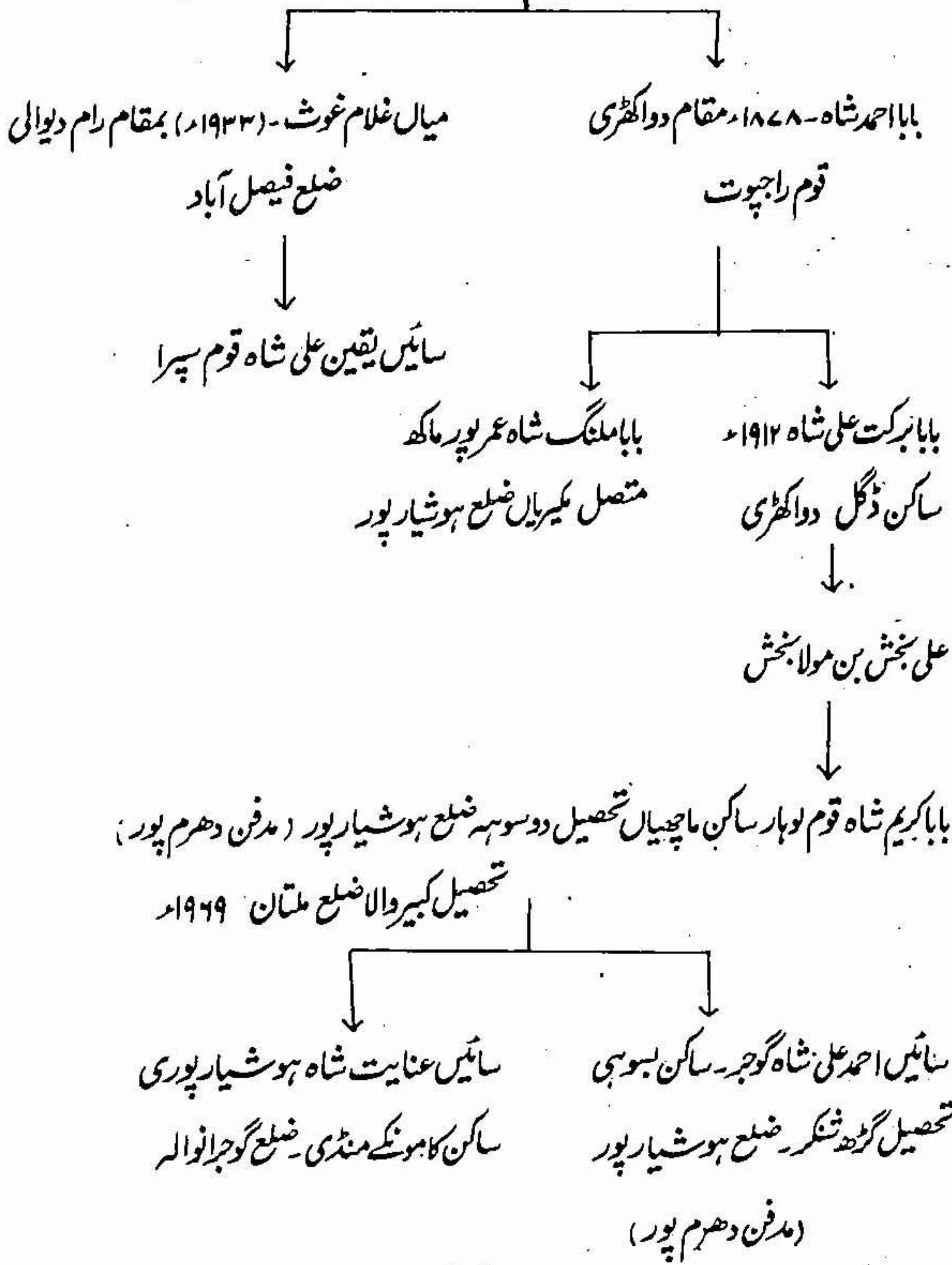
↓
سید فتح محمد شاہ (چک نمبر ۲۲ ضلع فیصل آباد)

(۴) ۱۔ میاں شرف الدین نوشاہی

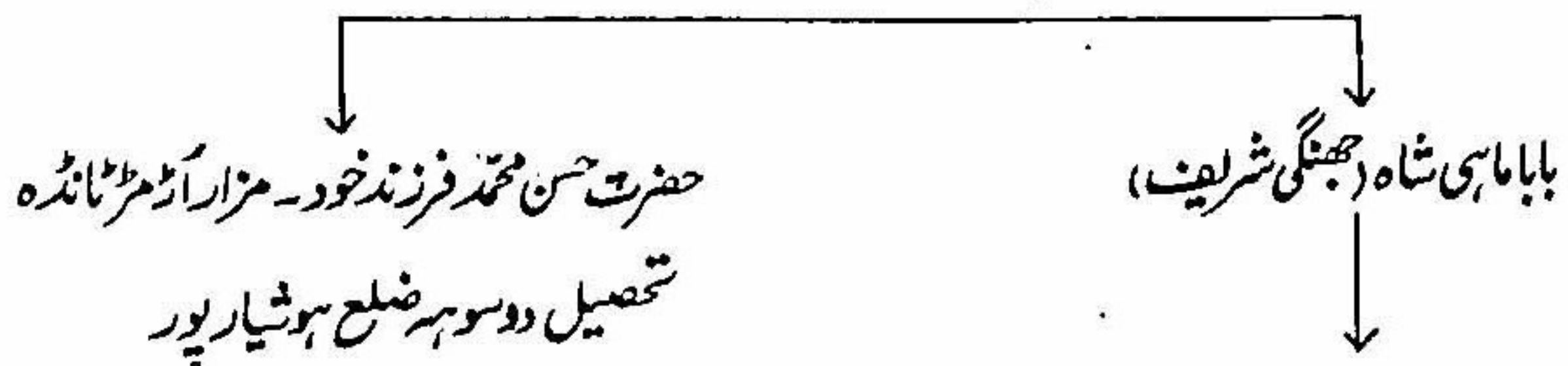
۲۔ بابا شاد شاہ (مدفن شاہ پور تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور)

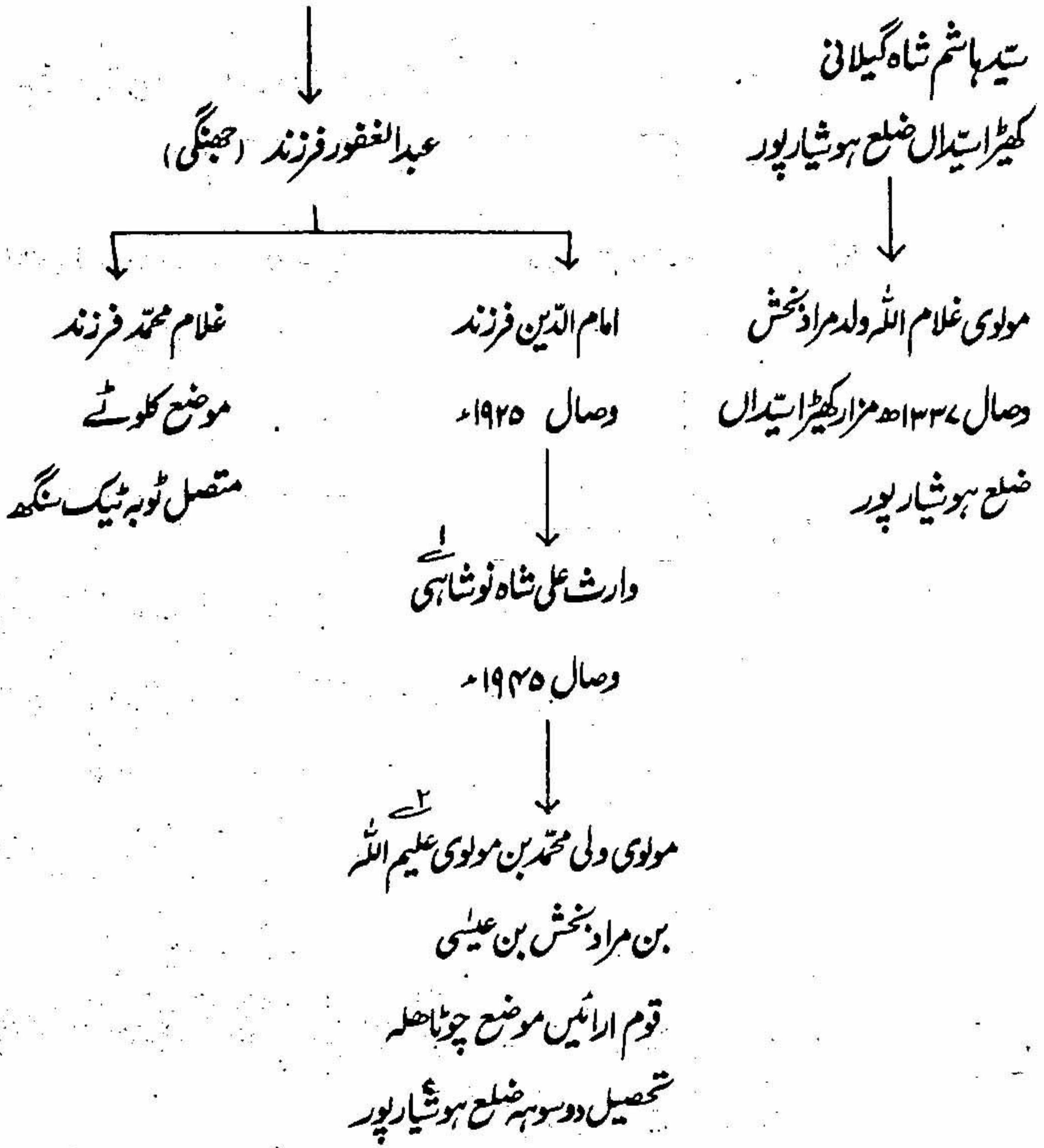
↓
بابا امام شاہ ولی

بابا گوہر شاہ ساکن دو اکھڑی۔ ڈبھیر متصل منڈاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور



شجرہ ہائے حضرت خواجہ بخت جمال نوشاہیؒ



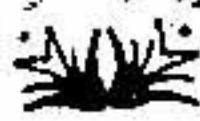


لے وارث علی شاہ نوشاہی قوم ارائیں ساکن کندھالہ شیخال ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ آپ کی اولاد زریہ نہیں تھی۔ آپ کا وصال شریف ۱۹۴۵ء عمر ۸۵ سال ہوا۔ آپ کے مریدین میں صاحبِ خلافت بابا نتھو شاہ نوشاہی (قوم ارائیں) ساکن باقی پور ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر ۲۶ مریدین تھے۔

مولوی علیم اللہ صاحب نے موضع بٹالہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر بعد میں سنبھولی میں درس و تدریس دیتے رہے۔ مولوی علیم اللہ صاحب نوشاہی بابا سید ہاشم شاہ گیلانی نوشاہی ساکن کھڑا تیدال ضلع ہوشیار پور کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۹۰۱ء میں ہوئی۔ پرائمری سکول روڑ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ صاحبِ تصنیف تھے۔ مندرجہ ذیل کتب آپ نے تصنیف کی ہیں۔

(۱) گلزار وارث (پنجابی منظوم) (۲) اسرار وارث (۳) معرفت باری تعالیٰ (۴) خطبات جمعہ (۵) خطبہ عید الفصحی

اولاد میں آپ کے چار لڑکے تھے اور مریدین کی تعداد تقریباً سو کے لگ بھگ تھی۔



مولانا عبدالغنی صاحب

حضرت مولانا عبدالغنی ابن مولانا حکیم غلام رسول ۱۳۱۱ ہجری بمطابق ۱۸۹۲ء میں بمقام دوسوہہ ضلع ہوشیارپور (پنجاب بھارت) میں پیدا ہوئے۔ عبدالغنی سہمی ۱۳۱۱ھ نے خود ہی سن ولادت کا استخراج کیا۔ آپ کے اساتذہ کے بارے میں تفصیلات نہیں مل سکیں۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ امرتسر کے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ ابتدا میں آپ غیر مقلد تھے جب کہ آپ کے والد گرامی اور برادر گرامی سے دولت علی عارف سنی حنفی عقیدہ سے محبت رکھتے تھے، لیکن عارف باللہ حضرت شاہ سراج الحق چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ گورداسپوری کی محفل اقدس میں حاضری کے اثر نے قلب و روح کی کائنات کو بدل دیا اور آپ صحیح اور راسخ العقیدہ سنی بن گئے اور پھر یہاں تک عشق و محبت کی آتش بھڑکی کہ ان ہی کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے اور خلعت خلافت حاصل کیا۔ ان کے علاوہ آپ نے حضرت میاں شیر محمد صاحب (شرقپور شریف) حضرت میاں عبدالخالق جہاں خیلان (ہوشیارپور) امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث (علی پور سیدال) حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ثانی (علی پور سیدال) اور حضرت سائیں فتح علی (مزار بیبیاں پاک دامناں لاہور) جیسے نفوس قدسیہ حضرات سے بھی مستفیض ہوئے۔

تبلیغ دین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ کئی کئی ماہ بسلسلہ تبلیغ دین گھر سے باہر رہتے کبھی کسی سے معاوضہ طلب نہ کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ پنجاب کا کوئی گاؤں اور پاک دہند کا کوئی قصبہ ایسا نہیں جہاں میں نے تبلیغ نہ کی ہو۔

اعلام کلمۃ الحق آپ کا شیوہ تھا۔ اہل ثروت کے سامنے جھکنا کبھی گوارا نہ کیا۔ مسلمانوں کی زبوں حالی اور تجارتی، تعلیمی میدان میں، ہندوؤں کی اجارہ داری کو بہ نگاہ تشویش دیکھتے تھے۔ اسی بنا پر چند اہل ثروت مسلمانوں کے تعاون سے آپ نے اسلامیہ ہائی سکول دوسوہہ قائم کیا جس کی بنیاد امیر ملت محدث علی پوری نے رکھی۔ اپنی گرہ سے زر کثیر خرچ کر کے مسلمانوں کو تجارت کا مشورہ دیا۔ تحریک پاکستان شروع ہوئی تو مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور امیر ملت حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری کی معیت میں قریب بہ قریب نظریہ پاکستان کے حق میں تقریریں کیں۔

علمائے میں سے سبحان زمان حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوٹی حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی۔ صدر الشریعہ فٹنٹ لے (علمائے پنجاب) مدینۃ الاولیاء

مولانا امجد علی اعظمی، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی۔ استاد الحدیث مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری سے گہرے تعلقات تھے۔ ایک دفعہ فرمایا، دیوبندی اور اہل حدیث بھی مولانا سید محمد دیدار علی شاہ کے علم کا لوہا مانتے تھے۔ واقعی ان کا علم زیادہ تھا اور معلومات کافی تھیں۔

ایک خط میں مولانا علی اصغر چشتی (لاہور) کے نام ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں۔

”بفضل خدا اہل سنت والجماعت ہوں۔ بریلوی حضرات سے عقیدت رکھتا ہوں اور میرے پیرومشرک حضرت سراج الحق چشتی صابری علیہ الرحمۃ (گورداسپوری) حضرت قبلہ مجدد ملت دور جاضر (حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ) سے بھرپور عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ بلکہ آپ کا فرمان تھا اگر احمد رضا خان صاحب کی شخصیت ہندوستان میں نہ ہوتی تو تمام ہند پر وہابیت کا اثر ہوتا۔“

محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری و خطیب پاکستان مولانا غلام دین (لاہور) خطیب ملت مولانا غلام محمد ترم (امر تسری) مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش (جالندھری) وغیرہم آپ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالغنی عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں نماز تہجد اور اعتکاف کی ابتدا کی اور باقاعدگی سے ادا کرتے رہے حتیٰ کہ ۱۹۵۵ء میں ٹانگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے معذور ہو گئے تھے۔ عشاء کے بعد جلد سوجاتے اور رات کے بارہ بجے اٹھ کر نوافل ادا کرتے تھے اور پھر صبح کی نماز تک ذکر بالجہر میں مصروف رہتے تھے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک کرتے یا سنتے تو بے اختیار آنکھیں اشکبار ہوجاتیں۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور تشریف لاکر بادامی باغ میں مقیم ہو گئے۔ پہلے بیگم شاہی مسجد میں خطبہ دیتے رہے۔ پھر ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۶ء تک جامع مسجد شاہ ابوالمعالی میں فی سبیل اللہ خطبہ دیتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے۔ اس سفر میں حضرت قبلہ شیخ الحدیث مولانا سردار احمد لائل پوری کے ہم سفر رہے۔

وصال شریف

۸ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ بمطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۹ء بروز اتوار کو ہوا۔ بادامی باغ ریلوے اسٹیشن کے شمال میں ایک

گنبد میں مزار اقدس واقع ہے۔

اولاد

آپ کے صاحبزادے محمد افضل حق خالد پروفیسر گورنمنٹ کالج بھمبر میں تھے جو اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ راقم الحروف سے اکثر ملاقاتیں رہتی ہیں۔ آپ خوش اخلاق اور ملنسار شخصیت ہیں۔ اپنے والد ماجد کی طرح صوم و صلاۃ کے پابند ہیں۔

خواجہ محمد افضل حسینیؒ

آپ کی ولادت باسعادت قصبہ سنور ضلع سرہند میں ایک معزز خالصہ خاندان میں ہوئی۔ تاریخ پیدائش کے متعلق کوشش بسیار کی گئی۔ متعدد کتابوں کا مطالعہ کیا گیا مگر کامیابی و کامرانی نہ ہوئی۔ یہ ہماری قوم کی بد نصیبی ہے کہ ایسے برگزیدہ مقدس ہستیوں کے حالات حیات مبارک بھی کسی کو یاد نہیں۔ آپ عوام میں "روشنی والے پیر" کے نام سے مشہور ہیں۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ ابویوسف علیہ الرحمۃ سرہندی نے شب کو خواب میں دیکھا کہ میرے دامن میں چاند ٹوٹ کر ہے۔ اگلی صبح حضرت خواجہ ابویوسف علیہ الرحمۃ اپنے پیرومرد حضرت خواجہ ابوالفتح سرہندی کی خدمت بابرکت میں بغرض شرکت عرس پاک سرہند شریف تشریف لے گئے۔ دوران عرس پاک آپ بزرگان خواجگان کی سنت کی ادائیگی کے لیے محفل سماع میں تشریف لائے۔ رنگ محفل سماع اپنے پورے جو بن پر تھا۔ قوالی کے کلام نے آپ پر تواجہ کی کیفیات پیدا کر دیں۔ محفل سماع میں کافی تعداد میں سامعین اور معتقدین شامل تھے۔ ان سامعین میں ایک سکھ خاندان کا فرد بھی شامل تھا۔ اس کی گود میں ایک طفل خورد تھا۔ محفل میں آپ حالت تواجہ میں رقص کناں تھے۔ جب آپ رقص کناں اس سکھ فرد کے پاس تشریف لاتے تو زبان مبارک سے فرماتے "اوتے رات والا چاند تو ہی تو ہے"۔ اسی طرح آپ مسلسل رقص کناں جب اس سکھ فرد کے پاس تشریف لاتے تو بار بار اس طفل خورد کو جو سکھ فرد کی گود میں تھا، مخاطب ہو کر فرماتے "اوتے رات والا چاند تو ہی تو ہے"۔ حضرت خواجہ ابویوسف سرہندی کے اس کیفیاتی تواجہ کے مخاطب نے اس سکھ کی گود میں بیٹھے ہوئے طفل خورد کو بھی وجدانی کیفیات پیدا کر دی گئیں۔ اس نظر کرم نے ایسا کام کیا کہ وہ طفل خورد بھی اپنے سکھ باپ کی گود سے اچھل کر سرکار پاک خواجہ ابویوسف سرہندی کے قدموں پر گر گیا۔ آپ نے اس کو دست شفقت سے اٹھایا، پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا "کہ اب تو میرا ہے"۔ یہ تمام منظر اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے لڑکے کا والد حیران و ششدر ہو گیا۔ پریشانی و گھبراہٹ میں اٹھ کر لڑکے کو پکڑنا چاہا۔ جیسے ہی باپ اپنے لڑکے کو ہاتھ لگانا، لڑکا بے ہوش ہو جاتا تھا۔ اور جب حضرت خواجہ ابویوسف سرہندی علیہ الرحمۃ

لڑکے پر دستِ شفقت پھیرتے تو لڑکا ہوش میں آجاتا تھا۔ دوبارہ جب پدمی محبت نے جوش مارا اور لڑکے کو بڑے پیار سے اٹھانے کی کوشش کی تو لڑکا پھر بے ہوش ہو گیا۔ بعد میں حضرت خواجہ ابویوسفؒ سرہندی نے پیار بھرے دستِ مبارک سے اٹھایا تو لڑکا ہوش میں آ گیا۔ آخر کار تان یہاں پر ٹوٹی کہ باپ نے اپنے صاحبزادے کو حضرت خواجہ ابویوسفؒ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی سپردگی اور پرورش میں دے دیا۔ اور خود ہی اپنی زبان سے کہا کہ اب یہ صاحبزادہ تمہارا ہے میرا نہیں ہے۔ حضرت خواجہ ابویوسفؒ سرہندی بچے کو اپنے ہمراہ سرہند شریف لے آئے۔ اس کی ہر طرح سے پرورش فرمائی اور خود ہی تعلیم و تربیت فرمائی۔ آپ نے اس صاحبزادے کو قرآن پاک، حدیث اور فقہ کی مکمل تعلیم فرمائی۔ اس کے علاوہ تصوف اور باطنی زیورِ تعلیم سے بھی نوازا۔ اٹھارہ سال تک آپ کی تعلیم و تربیت ہوتی رہی جب ان علوم کی تکمیل ہو گئی تو اس کے بعد حضرت خواجہ ابویوسفؒ سرہندی نے دستِ فضیلت و خلافت سے نوازا اور آپ کو ٹائڈہ شریف تحصیل دوسوہ ضلع ہوشیار پور میں سکونت اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ نے خود ہی اس بچے کا نام نامی تجویز فرمایا جو بعد میں حضرت خواجہ محمد افضل شاہ صابریؒ کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔

آپ نے اپنے علاقے کے گرد و نواح میں ایک مخلوق کو فیض بخشا۔ ہزاروں شیطان صفت مرد اور عورتیں آپ کے رشد و ہدایت سے تائب ہوئے۔ سینکڑوں افراد آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اور راہِ مستقیم پر گامزن ہوئے۔

وصال شریف

آپ نے اس دارِ فانی سے ۳ صفر ۱۲۷۱ھ کو ٹائڈہ شریف میں وصال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے خلفاء میں حضرت خواجہ یار محمد چشتی صابریؒ زیادہ مشہور و معروف ہیں جن سے سلسلہ کی نشوونما ہوتی چراغ سے چراغ جلتا رہا اور ایسے ہی اس علاقے میں دینِ اسلام کی بھرپور تبلیغ و اشاعت ہوتی رہی۔ (بحوالہ بقول بوری تاج الدین صابری)



میاں حسن محمد (جھنگی شریف والے)

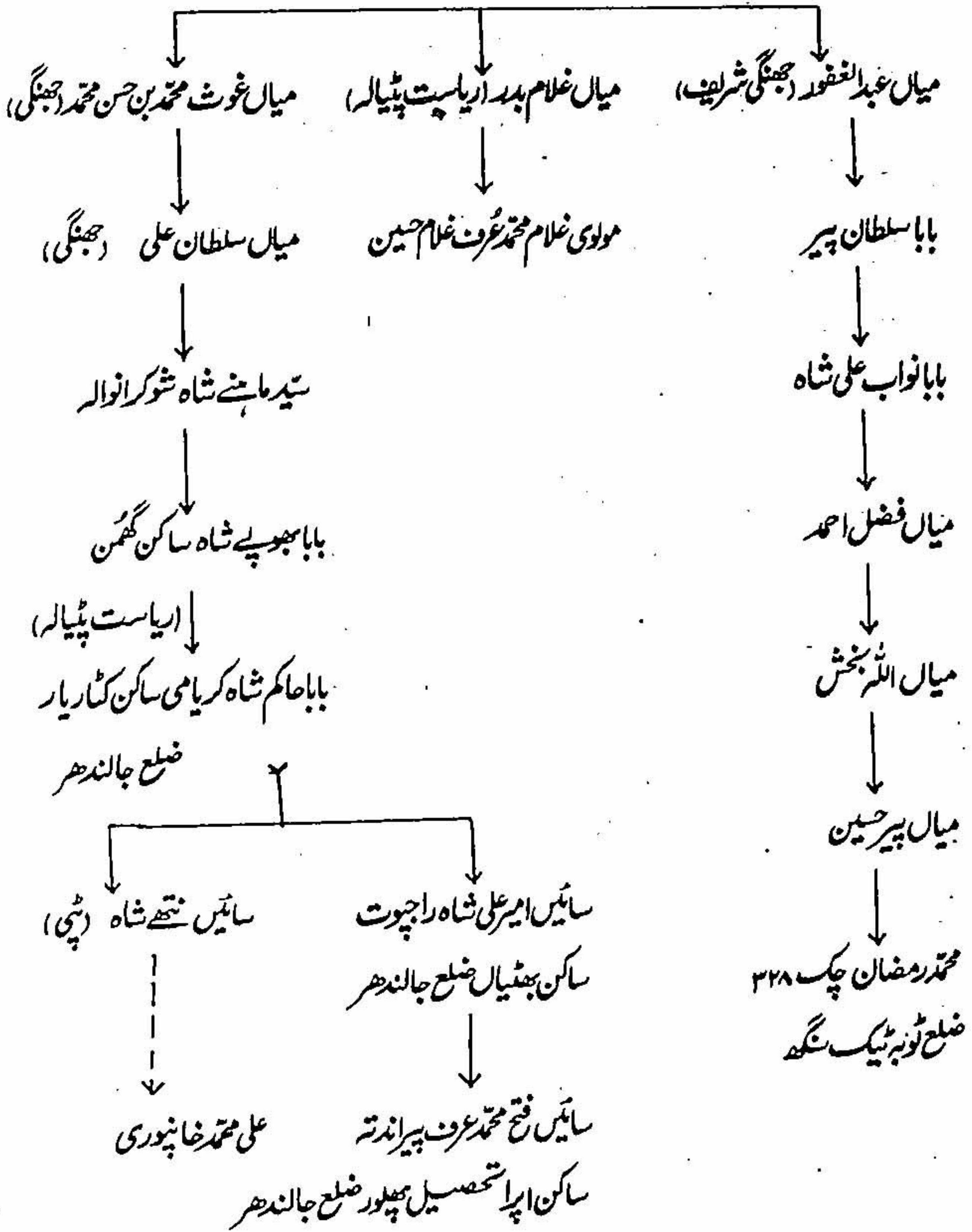
میاں حسن محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ بنخت جمال علیہ الرحمۃ قوم وڑاچ ساکن جھنگی شریف ضلع گورداسپور (بھارت) کے فرزند اکبر تھے۔ بعض شجروں میں آپ کو اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ کا مریدِ صادق تحریر کیا گیا ہے۔ میاں غلام مصطفیٰ صاحب حضرت خواجہ بنخت جمال نوشاہیؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ مگر بقول صاحبِ مصنف "اسرار

دارٹی کے میاں حسن محمد کو میاں محمد اکرم بن میاں عبدالجلیل بن حضرت قبلہ سپیاری نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ نوشہروی کلہریہ تحریر کیا ہے۔ آپ سے بہت سی مخلوق خدا نے فیض روحانیت حاصل کیا۔

آپ نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ زیادہ تر ضلع ہوشیار پور (بھارت) میں فرمائی۔

آپ کا مزار اقدس ٹانڈہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں مرجع خلائق ہے۔

شجرہ فقراے میاں حسن محمد نوشاہی



بابا ہیرے شاہ

بابا ہیرے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت دوسوہہ قصبہ میں ہوئی۔ آپ کا حسب نسب گوجر خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ بچپن ہی سے آپ کو درویشوں، فقیروں سے انس و محبت تھی۔ راقم الحروف اُن کی زیارت سے اُس وقت مشرف ہوئے جب کہ آپ کی عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ تھی۔ تمام عمر مجرور رہے۔ آپ نے بہت سخت مجاہدے کیے۔ بہت کم گو اور کم سخن تھے۔ اُن کی اپنی اراضی موضع ہرود تھلہ شریف کے نزدیک واقع تھی۔ آباؤ اجداد کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اسی اراضی میں ایک کنواں بنوایا ہوا تھا۔ اس کنوئیں پر ایک بہت ہی شاندار مسجد سُختہ چوناچ تعمیر کروائی ہوئی تھی۔ اور اسی مسجد کے متصل ایک مکہ برائے عبادت و ریاضت بنوایا ہوا تھا۔ آپ ہمیشہ اسی کنوئیں پر مسجد میں رہتے تھے۔ آتی جاتی خدا کی مخلوق کنوئیں پر آرام کرتی تھی۔ لنگر جاری تھا۔ اسی مسجد کے ملحق ایک باغ امیہ بھی لگوایا ہوا تھا۔ آپ کا تکیہ کلام ہر دنیادار شخص کے لیے "اوسے بجلیا ماننا تیرا کی حال اے" تھا۔ اور پھر فرمایا کرتے تھے "اوسے اللہ اللہ بھی کریا کر"

بحان اللہ ایسی ایسی نفوس قدسیہ بزرگ ہستیاں اب کہاں ہیں۔ جن کے انداز تکلم میں عشق و محبت رچا بسا

ہوا تھا۔ ایسے گئے کہ زندگی کی شام ہو گئی !!

لاؤل کہاں سے ڈھونڈھ کے گزری سحر کوئیں (میاں حیرت شاہ دارٹی)

تمام عمر مخلوق خدا کی خدمت اور رہبری فرماتے رہے۔ آپ نے کبھی کسی سے نذرانہ طلب نہیں کیا۔ ویسے بھی آپ صاحبِ جائیداد تھے۔ راقم الحروف نے جب جب اُن کی زیارت کی ہر وقت تسبیح ہاتھ میں اور زبان پر ذکر جاری رہتا تھا۔

آپ کی بیعت و خلافت سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں دوسوہہ کے ایک مشہور و معروف بزرگ میاں محمد شاہ چشتی نظامی (جن کا مزار اقدس بستی نور میاں محمد خاں نزد ہوشیار پور میں مرجع خلائق ہے) کے دستِ حق پرست پر کی تھی۔ روحانی فیض کا یہ ازلی حصہ اور نظرِ کرم ایسا پایا کہ ایک مخلوق خدا نے آپ کی ذات اقدس و بابرکت سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کے مریدین زیادہ تر امرتسر، لاہور اور جالندھر میں تھے۔ آپ کے پاس ہر وقت کوئی نہ کوئی درویش

موجود رہتا تھا۔ ویسے بھی آپ کے صاحبِ ولایت ہونے میں کیا کمی تھی۔ جو کوئی آقا قدم بوس ہوتا مگر آپ زیادہ تر منع ہی فرماتے تھے؛ کہ میں تو کچھ بھی نہیں اگر کچھ ہیں تو میری سرکار پاک ہی ہیں۔“

مخلوقِ خدا آتی دُعائے کیمیائی چلے جاتی اور دل میں آپ کی اُلفت و محبت بسا کر چلے جاتی۔ آپ کا رنگ گورا چٹا تھا۔ ڈاڑھی مبارک گھنی اور سفید چاندی جیسی تھی۔ قدم مبارک درمیانہ تھا۔ سر پہ ہر وقت ایک پیلی رنگ کا رومال باندھے رہتے تھے اور ہاتھ میں تسبیح رستی تھی۔ لباس ہمیشہ سفید رنگ کا کرتہ اور سفید رنگ لٹھے کا تھمہ پہنتے تھے۔

اگست ۱۹۴۷ء میں آپ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے اور لاہور میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ اپنے مریدین کے یہاں رہتے تھے۔ لاہور ہی میں آپ کا وصال شریف محلہ رنگ محل حویلی میاں خاں مورخہ ۱۹۵۲ء میں ہوا۔ آپ کے مریدوں میں بابا جھنڈے شاہ آپ کی میت کو سرگودھا لے گئے تھے اور وہیں چک جنوبی (موضع) نواح سرگودھا میں سپرد خاک کیا گیا۔ مزار اقدس پر اب سالانہ عرس پاک ہوتا ہے۔

شجرہ طریقت بابا ہیر شاہ چشتی نظامی

- ۱۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
- ۲۔ حضرت مولائے کائنات علی علیہ السلام
- ۳۔ خواجہ حسن بصریؒ (بصرہ)
- ۴۔ شیخ عبدالواحد ابن زیدؒ (بصرہ)
- ۵۔ خواجہ فضیل ابن عیاضؒ (مکہ معظمہ)
- ۶۔ خواجہ ابراہیم ادہمؒ (بغداد یا شام)
- ۷۔ خواجہ حذیفہ مرعشی المعروف خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشیؒ
- ۸۔ خواجہ امین الدین صبیہ (بصرہ)
- ۹۔ خواجہ ممشاد علی الدین دینوریؒ
- ۱۰۔ شیخ ابواسحاق شامیؒ

- ۱۱۔ خواجہ ابوالبدال احمد چشتی
- ۱۲۔ خواجہ ناصح الدین ابو محمد چشتی
- ۱۳۔ خواجہ ابویوسف المعروف خواجہ ناصر الدین ابویوسف
- ۱۴۔ خواجہ قطب الدین مودود چشتی
- ۱۵۔ خواجہ حاجی شریف زندنی
- ۱۶۔ خواجہ عثمان ہارونی
- ۱۷۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری
- ۱۸۔ خواجہ قطب الدین بنتیار کاکلی
- ۱۹۔ خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر
- ۲۰۔ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الہی
- ۲۱۔ خواجہ نصیر الدین روشن چراغ
- ۲۲۔ خواجہ کمال الدین
- ۲۳۔ خواجہ سراج الدین چشتی
- ۲۴۔ خواجہ علم الحق چشتی
- ۲۵۔ خواجہ محمود راجن چشتی
- ۲۶۔ خواجہ جمال الدین جمن چشتی
- ۲۷۔ خواجہ جمن محمد چشتی
- ۲۸۔ خواجہ شیخ محمد چشتی
- ۲۹۔ خواجہ سیدی مدنی چشتی
- ۳۰۔ مولانا شاہ کلیم اللہ چشتی
- ۳۱۔ خواجہ نظام الدین اوزنگ آبادی
- ۳۲۔ مولانا فخر الدین چشتی نظامی
- ۳۳۔ حاجی لعل محمد چشتی نظامی
- ۳۴۔ مرزا بخش اللہ بیگ چشتی نظامی
- (چشت)
- (قنوج) بھارت
- (کعبہ میں مزار اقدس ہے)
- (اجمیر شریف)
- (دہلی - مہرولی شریف)
- (پاک پتن شریف)
- (دہلی شریف)
- (دہلی)
- (دہلی)
- (پیراں پتن گجرات)
- (" ")
- (" ")
- (احمد آباد گجرات)
- (احمد آباد)
- (احمد آباد)
- (مدینہ منورہ)
- (دہلی)
- (اوزنگ آباد)
- (دہلی)
- (")
- (")

(دہلی)
(بسی شریف ہوشیار پور)
(چک جنوبی سرگودھا)

حضرت شاہ محب اللہ چشتی نظامی
خواجہ محمد شاہ چشتی نظامی
حضرت محمد میرے شاہ چشتی نظامی



حضرت مائی بھاگن شاہ

حضرت مائی بھاگن شاہ صاحبہ علیہ الرحمۃ کا اصل اسم گرامی بھاگ بھری تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت ایک روایت کے مطابق موضع عمر پورہ ماگھ اور ایک روایت کے مطابق موضع جیداں تحصیل دوسوہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) بھارت میں ہوئی۔

آپ بقول ایک روایت کے ایک پندرہ روزہ خاندان میں پیدا ہوئیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی نتھو تھا جو کہ کفش دوزی (موچی) کا کسب کر کے اپنے گنبے کا پیٹ پالتے تھے۔ والدین نے آپ کا نام بھاگ بھری رکھا جس کے معنی بانصیب اور بابرکت عورت ہے۔ آپ کے والدین فرمایا کرتے تھے کہ بچپن ہی سے یہ لڑکی عام طفلان خورد کی طرح کھینے کودنے سے بہت ہی پرہیز کرتی تھیں اور عام طور پر الگ اور گوشہ تنہائی میں خاموشی اختیار فرماتی تھیں۔ بہت کم گفتگو میں حصہ لیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم کچھ ایسا ہوا کہ لڑکی کی ولادت کے بعد گھر کی کچھ ایسی حالت بدلی کہ گھر کے اندر خوشحالی ہو گئی۔ تنگدستی دور ہو گئی۔ والدین بھی اس لڑکی سے بہت پیار کرتے تھے۔ جب یہ لڑکی سن بلوغ کو پہنچی تو تقاضا بشری کے تحت ہر والدین کی خواہش ہے کہ لڑکی کی کتھدائی ہو جائے۔ لہذا آپ کے والدین نے اپنے ہی خاندان میں ہوشیار پور میں ایک گھرانہ میں لڑکے کا انتخاب کیا اور شادی کے دن مقرر کر دیے گئے۔ برات مقررہ تاریخ پر دھوم دھام سے آئی۔ نکاح ہوا۔ اس کے دوسرے دن دلہن کی بڑے چاؤ اور پیار سے رخصتی کی گئی۔ جب برات واپسی پر قصبہ بکیریاں کے نزدیک پہنچی تو موسم گرما کی وجہ سے برات تھوڑا سا آرام کرنے کے لیے سرراہ ٹھہر گئی۔ براتی ادھر ادھر پانی پینے کے لیے اور کچھ آرام کرنے اور حقہ کی حلیم بھرنے میں مصروف ہو گئے۔ دوہا کے والد کو خیال پیدا ہوا کہ ہم سب نے آرام بھی کر لیا اور پانی وغیرہ بھی پی لیا مگر دلہن نے نہ تو پانی پیا اور نہ ہی طعام تناول کیا۔ لہذا انہوں نے اپنے صاحبزادے سے استفسار کیا کہ کہاں سے پتہ کراؤ کہ دلہن کو کسی نے

کھانے پینے کے متعلق پوچھا بھی ہے مگر دولہا میاں خود ہی پانی کا گلاس بھر کر ڈولی کے پاس لے گئے اور ڈولی کا ڈرا سا پردہ اٹھا کر پانی کا گلاس اپنی دلہن کو پیش کیا۔ ڈولی کا پردہ کچھ ایسے انداز سے سرکاجس سے دلہن کا چہرہ دولہا نے دیکھ لیا۔ دولہا آپ کا سیاہی مائل رنگ دیکھ کر دل برداشتہ ہو گیا اور آکر اپنے والد سے کہا کہ مجھے اس دلہن کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میں اسے لے کر جاؤں گا۔ برات میں شامل تمام افراد نے دولہا کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اُس نے کہا کہ کہاں ڈولی کو واپس اُن کے میکے لے جائیں۔ دنیا چاہے ادھر سے ادھر ہو جائے مگر میں اپنے ارادے اور خیال سے باز نہیں آؤں گا۔ باوجود منت سماجت کے بات بنتی نظر نہ آئی۔ مجبور ہو کر جب کہا رول نے ڈولی کو اٹھانا چاہا تا کہ اُن کو دوبارہ واپس میکے لے جائیں تو مائی بھاگ بھری صاحبہ رحمۃ اللہ علیہ ڈولی سے باہر نکل آئیں اور اپنے سر کے بالوں کو کھول دیا اور بالوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ اُس کے بعد کپڑے پھاڑ دیے۔ براتیوں اور دولہا کو کہہ دیا کہ تم سب چلے جاؤ۔ اُس کے بعد کہا رول کو فرمایا کہ تم بھی ڈولی کو خالی واپس لے جاؤ۔ چونکہ گھر والوں نے میری رخصتی کر دی اور جس مجازی خدا کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ اُس نے میری صورت سے نفرت کی۔ اب تم سب چلے جاؤ۔ اب میرا معاملہ خداوند تعالیٰ حقیقی کے ساتھ ہے۔ جب سب لوگ چلے گئے تو مائی صاحبہ اسی جگہ پر بیٹھ گئی اور رورور کر اپنا بُرا حال کر لیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی کہ میرا حسن، میرا رنگ جب کہ سراپا جسم تیرا ہی بنایا ہوا ہے اور عمیری اس بنائی ہوئی بندی کو قبول کرنے کے لیے کوئی بھی شخص تیار نہیں۔ مائی صاحبہ کی دعا ایسا رنگ لائی کہ آپ پر مجذوبانہ کیفیات طاری ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ کا کچھ ایسا کرم ہوا کہ قرب الہی پایا۔ اور آپ مائی بھاگن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور و معروف ہوئیں۔ گرد و نواح کے عوام آپ کے پاس آتے۔ اپنی التجائیں پیش کرتے۔ آپ کی زبان مبارک سے جو الفاظ بھی نکلتے تھے قبولیت کا درجہ رکھتے تھے۔ مریض لوگ آتے۔ دعا کرتے شفا ہو جاتی تھی۔

حضرت قطب الاقطاب خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ کو سب سے پہلے جو فیض و برکات حاصل ہوئیں تو وہ مائی بھاگن شاہ صاحبہ سے ہوئیں۔ آپ نے خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کو مرشد پاک کے گھر کا راستہ بتلایا اس کے علاوہ روحانی طور پر مدد فرمائی۔

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کو بھی آپ کے ساتھ ایسی ہی والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ جب مائی صاحبہ کا وصال ہوا تو حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ نے آپ کے مزار اقدس کی تعمیر فرمائی۔ فرمایا کرتے تھے کہ مائی صاحبہ صاحب وقت تھیں اور ابدال تھیں۔ ہزاروں لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ ایک دفعہ ایک چٹھی رسال جو کہ علاقہ مکیریاں کا رہنے والا تھا۔ وہ مکیریاں ڈاک خانے سے ڈاک اور

منی آرڈر کی تھیلی وصول کر کے اپنے علاقے کے خطوط اور منی آرڈر تقسیم کرنے کے لیے چلا تو راستے میں ایک پان سگریٹ والے کی دکان سے سگریٹ خریدے اور منی آرڈر کی تھیلی وہیں پر بھول گیا اور چلا گیا۔ جب متعلقہ علاقے میں پہنچا تو ایک دم خیال آیا وہ منی آرڈر کی تھیلی دکان پر بھول گیا ہے۔ انگریز کا دور تھا۔ اس دور میں نااہلی کی سزا بہت سخت تھی۔ بہت ہی پریشان ہوا۔ دل میں مائی بھاگن شاہ صاحبہ جو اُس وقت بقید حیات تھیں، کے نام پر چار آنے کی شیرینی کی منت مانی۔ اسی گھبراہٹ میں جلدی جلدی وہ مکیریاں کی طرف روانہ ہوا اور جس دکان سے اُس نے سگریٹ خریدے تھے، اسی دکان پر پہنچا تو دیکھا کہ منی آرڈر کی تھیلی بالکل بعینہ ہی پڑی ہوئی ہے۔ اُس نے جھٹ سے تھیلی کو اٹھایا اور پھر چار آنے کی شیرینی لے کر اپنی منت کو پورا کرنے کے لیے مائی بھاگن شاہ علیہ الرحمۃ کی خانقاہ پر آیا۔ مائی صاحبہ نے اس چٹھی رسال کو دیکھ کر فرمایا کہ "اُوئے توں چار آنے دی شیرینی دی خاطر ساڈے گولوں چو کیداری کرائی اے"

ایسے ہی آپ کی بہت سی کرامتیں ہیں جن کو بہ خوفِ طوالت پس انداز کرتا ہوں۔ آپ کا عرس مبارک ماہ جیٹھ میں منعقد پذیر ہوتا تھا۔ مزار اقدس مکیریاں قصبہ میں مرجعِ خلائق ہے۔



بابا شاہ نور جمال

حضرت بابا شاہ نور جمال علیہ الرحمۃ کے حالات حیات مبارکہ کے متعلق تاریخ کے کسی بھی کتاب میں نہیں ملتے۔ راقم الحروف نے اہل سلاسلِ چشتیہ کے تمام مشائخ کے تذکرہ جات چھان مارے اور کتابوں کو کھنگالا۔ مگر سوائے ایک کتاب "انوار الفرید" کے مصنف نے حضرت بابا شاہ نور جمال علیہ الرحمۃ کے متعلق صرف اتنا تحریر کیا ہے کہ آپ حضرت بابا شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے خلیفہ تھے اور صاحبِ ولایت تھے اور آپ کا اصل نام شیخ جلال الدین کابلی تھا مگر بابا شاہ نور جمال چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ آپ کا بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سے اکتسابِ فیض کرنے کا صرف ایک ثبوت یہی کافی ہے کہ جہاں حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ نے ہندوپاک کی سرزمین پر مختلف مقامات پر چلے ہائے کشتی فرمائے۔ ان مقامات میں ہوشیار پور بھی تھا جس مقام پر بابا فرید صاحب نے چلے کشتی فرمائی۔ وہ ہوشیار پور شہر سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور یہ مقام "جھڑی بابا فرید صاحب

کے نام سے مشہور اور زبان زد عام ہے۔

جس دور میں حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ مذکورہ چلہ گاہ کے مقام پر ریاضت و عبادت میں مشغول تھے۔ حضرت بابا شاہ نور جمال صاحب بھی انہی ایام میں آپ کی صحبت برکت میں رہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے۔ اقم الحروف نے حضرت بابا شاہ نور جمال صاحب کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے کتابوں سے لے کر بزرگ شخصیتوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بلکہ موجودہ سجادہ نشین کے ساتھ بھی اکثر خط و کتابت ہوتی رہی۔ اس کے علاوہ موجودہ سجادہ نشین کے خلیفہ صاحب کے ساتھ بھی خط و کتابت کی مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ ایک اور تصنیف جو کہ جناب وحید احمد مسعود کی تحریر کردہ ہے۔ اس میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے خلفاء میں حضرت شیخ جلال الدین المقلب شاہ نور جمال علیہ الرحمۃ کو خلیفہ تحریر کیا ہے۔ اُن کا مزار اقدس ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) سے آٹھ میل دور کوہ شوالک کی پہاڑیوں میں مرجع خلائق ہے۔ اس سے زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ آپ کے متعلق کئی کرامتیں زبان زد عام ہیں۔ مگر میں بغور طوالت تحریر کرنے سے پرہیز کرتا ہوں۔ ہوشیار پور گیزٹیئر ۱۹۰۴ء میں آپ کے عرس کے انعقاد کے متعلق تحریر ہے کہ ماہ چیت میں ہوتا ہے۔

مولانا قادر گرامی ہوشیار پوری نے مندرجہ ذیل رباعی سرکار شاہ نور جمال علیہ الرحمۃ کے متعلق کہی ہے۔

ما علمہ بپادشہ و شاہ نور جمال
ان مظهر ذات ذوالجلال ان اکمل
ان بہت پرہیزگارانہ و جلال
ان بہت پرہیزگارانہ و جلال

مولانا شاہ فقیر اللہ

مولانا شاہ فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا آبائی وطن قصبہ کلانور ضلع گورداسپور مشرقی پنجاب (بھارت) تھا آپ قوم کے مغل تھے آپ کی دینی و دنیوی تعلیم بحر کمال تھی۔ عربی، فارسی، ہندی، اردو اور پنجابی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ آپ کی بیعت و خلافت حضرت مرزا شاہ امانت لوشاہی برقدازی علیہ الرحمۃ سے تھی جو کہ منگلاں ریاست جموں کشمیر کے رہنے والے تھے۔ آپ نے اپنے پیر و مرشد کے حکم سے قصبہ بکیریاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور کو اپنی سکونت سے لوانا۔ آپ پر مقام توحیدی دوجہی منکشف تھا۔ آپ ایک مدت تک قصبہ مذکور میں رہے۔ اس کے علاوہ آپ کو علم طب میں بھی کافی دسترس حاصل تھی۔ حافظ محمود شیرانی پنجاب میں اردو میں لکھتے ہیں۔ فقیر اللہ خانوادہ نوشاہیہ میں بیعت تھے اور مرزا شاہ امانت علیہ الرحمۃ کے مرید ہیں حاجی نوشوپاک اس سلسلے کے بانی ہیں۔ شجرہ طریقت اس طرح سے ہے

یہ مرید محمد حافظ اور وہ مرید محمد ہادی اور وہ مرید حضرت نوشوپاک علیہ الرحمۃ کے۔

اولاد : آپ کا اکلوتا بیٹا میاں محمد بخش نام تھا جو لاہور فوت ہوا۔

یاران طریقت : میاں گامے شاہ ولد غوث محمد انوان جمال پورا اعوانا ضلع لدھیانہ

میاں عظمت اللہ اعوان

شاہ فاضل صاحب

میاں حاجی شاہ، نورنگ برادہ ضلع لدھیانہ

سید اکبر

آپ کا مزار اقدس قصبہ بکیریاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) میں مرجع خلایق ہے۔ آپ صاحب

تصنیف بھی تھے۔ آپ کا سارا کلام تصوف اور عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایک مثنوی ستر مکتوبوں نظم کی نمونہ کلام مندرجہ

ذیل ہے۔

امثال نمونہ کلام حضرت مولانا شاہ فقیر اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۛ

ہر دم تیرا نام دھیاواں	آنندنا تیرے گن گاداں
اجپا جاپ جس مجھے بتایا	آنند بھیستی ست گور میں پایا
سوہنگ ہوگ آئے پکارا	کنت کنزاً نے کیا پارا
جس کا ہرودا نزل ہو	اجپا جاپ چا دے سو
چپ سین دکھن کوتا پاپ	ہو اللہ ہے اجپا جاپ
سو جن ہو اللہ ہو رہا	ہوانا چپ جس نے کیا
انا انا ہو بولے توں	آپ ہے ہر جی آپ ہے توں
بن ہو اور سمجھی ہیں دکھ	ہو جاپ میں پاوے سکھ
تو میں انحد ناد بجایا	شاہ امانت بھید بتایا
سو جن آپ ہی آپ کہاوے	مہا مکت کو جو کو پاوے
نور نبی سے سبھ کچھ بنیا	تار بود کا تانا تنیا

ۛ

اک حقیقت سمجھ میں چھائی	غیر کہاں ہے دیکھو بھائی
آپ ہی بوجھے آپ بوجھاوے	آپ ہی دیکھے آپ دکھاوے

آپ ہی اندر آپ ہی باہر یعنی ہے وہ باطن ظاہر
کہیں داتا کہیں منگتا کہیں ٹھاکر کہیں داس
ہر ہر مول ہر پسر پو آنکھ پو لکھ ابنا س

❖

احدیت ہے ذات اللہ وحدت کا ہے نام خدا
ذات احمد کی بوجھ خدا ایسا بھید ہم سے پار

❖

احدیت کے درجے تین اس پر ساک ان یقین
قدم قدم اعل کون جان احدیت دوجا مان
تیجا ہے احدیت ذات لکھ اسماء اور ایک ہیں ذات

❖

جہاں آپ آنکھ ہے تہاں سن مٹنا
دھرم کرم نائیں ہے ناپاپ ناپتتا

❖

تین مراتب خلقے جان سن لے طالب گھڑ سجاں
اول حضرت نوح لطیف پاک منترہ نا کثیف
ناوہ نیرے ناوہ دور ظاہر باطن ہے بھر پور
سیر الہی اس میں ظاہر ہے وہ نور محمد طاہر
ازلی ابدی نور منتم صلی اللہ علیہ وسلم
نور اللہ کا پاک نبی اور خلق سمجھ من نوری
سبھ ارواح ہیں اس سے ظاہر پر گھٹ نور سے ہوئے باہر

❖

کام کردھ لوجہ موہ ہنکار ہیں یہ سادھو پانچ بیکار

کام کر دوں جب مار گواؤں تب وہ بنا دھو ساؤں کناؤں

❖

سٹر مکنوں ہے شاہ کا نام جو کو پیوسے اوس کا جام
چھن میں عارف کامل تھیوسے یعنی حق کا واصل تھیوسے
سٹر مکنوں کا جس نے جانا اپنے آپ کو پہچانا
فقیر اللہ کیا کیسے بات سٹر مکنوں ہے اس کی ذات

❖

حضرت قبلہ میاں قادر بخش قادریؒ

آپ گامے شاہ قادری علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے۔ گردونواح کا علاقہ آپ کا بہت زیادہ عاشق و گردیدہ ہے۔
ان کے خلیفہ و مرید حضرت میاں جلال قادری تھے۔ آپ کا شجرہ طریقت جناب غوث الاعظم تک پہنچتا ہے۔

شجرہ طریقت

حضرت میاں جلال الدین قادری (بیرم پور تحصیل گڑھ شکر ضلع ہوشیار پور)

میاں قادر بخش قادری

میاں گامے شاہ قادری

حضرت سید پیر علی معظم قادری

حضرت سید احمدؒ

حضرت سید غلام مصطفیٰؒ

حضرت سید عبداللہؒ

حضرت سید عثمانؒ

حضرت سید احمدؒ

حضرت سید صالحؒ

حضرت سید طلحہؒ

حضرت محمد یاسینؒ

حضرت شرف الدین

حضرت تاج الدین

حضرت نور الدین

حضرت جمال الدین

حضرت یحییٰ

حضرت سید وہابؒ

حضرت سید عبدالرحیمؒ

حضرت سید عبدالوہابؒ

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ

(نوٹس)

حضرت میاں قادر بخش قادری رحمۃ اللہ علیہ موضع باغانوالی ضلع انبالہ (مشرقی پنجاب بھارت) کے رہنے والے تھے۔ آپ مرشد پاک کی تلاش میں گڑھ شکر پہنچے اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ کے پیروائے کامل کا نام حضرت میاں گامے شاہ قادری رحمۃ اللہ تھا۔ مزار اقدس موضع بیرم پور گڑھ شکر تحصیل میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کا وصال شریف ۱۳۰۸ھ میں ہوا۔

جناب قبلہ پیر علی معظم قادریؒ

حضرت پیر علی معظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی باوجود کوششِ بیار کے دستیاب نہیں ہو سکے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ مشرقی پنجاب جہاں آپ پیدا ہوئے کٹھنی کہلاتا تھا۔ (علاقہ کٹھنی جہاں دریائے ستلج حدود ضلع ہوشیار پور میں داخل ہوتا ہے یہ سارے کا سارا علاقہ کٹھنی کے نام سے مشہور ہے) اس کا شمار پسماندہ علاقوں میں ہوتا ہے۔ وہاں

پر تعلیم کا ہونا یا پڑھا لکھا ہونا کہاں تیسرتھا۔ مدرسہ یا اسکول وغیرہ بہت کم ہوتے تھے۔ سیدھے سادھے لوگ ہوتے تھے۔ آمدنی کے ذرائع بہت کم ہوتے تھے محض گزارہ کر لیتے تھے، تعلیم حاصل کرنے کہاں جاتے اور اس کے لیے اخراجات کہاں سے حاصل کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ضلع ہذا کے بہت سے بزرگانِ دین جنہوں نے اسلام کی تبلیغ بھرپور انداز سے کی ان کے حالاتِ زندگی کون تحریر کرتا محض سنی سنائی روایتوں پر ہی عقیدت رکھتے تھے اور ایک ہی بزرگ کے ساتھ اجتماعی روایات کو بیان کرتے تھے۔ سال چھ مہینے میں ایک آدھ عرس کر لیتے تھے جس سے معلوم ہو سکتا تھا کہ صاحبِ مزار کا وصال کب اور کس مہینے میں ہوا۔ اس مقرر تاریخ کو عرس یادِ رود فاتحہ سب لوگ علاقے کے مل ملا کر کر لیتے تھے۔ باقی رہا سال یا سن وہ کسی کو نہیں معلوم تھا۔ ایسے ہی دیگر حالات تھے۔

جناب پیر علی معظم رحمۃ اللہ علیہ بمقام کندھسی میں رہتے تھے مگر بعد میں نامساعد حالات کی بنا پر آپ نے قصبہ گڑھ شکر کو مسکن بنا لیا جہاں پر آپ نے ہر طرح سے دینِ اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ صاحبِ ولایت تھے۔ جو شخص بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اپنا دامن مراد بھرتا۔ گردونواح کا علاقہ آپ کا بہت زیادہ عقیدت مند تھا۔ وصال شریف کے بعد آپ کا مدفن گڑھ شکر میں ہوا مزار شریف بڑے روضے والے کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ آپ کے پیشوا اور رہنما حضرت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت چہرہ اقدس پر نقاب رکھتے تھے۔ اسی کی تقلید میں حضرت سید علی معظم نے بھی چہرہ انور پر نقاب رکھنا شروع کر دی تھی۔ بہت کم سخن تھے۔ آپ کا مزار اقدس عاشقوں کی آماجگاہ اور صادقوں کی قبلہ گاہ ہے۔ وصال شریف ۱۲۱۲ھ میں ہوا۔



حضرت گامے شاہ قادری

حضرت گامے شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت سید پیر معظم علی شاہ قادری کے تھے۔ صاحبِ ولایت تھے۔

گردونواح کا علاقہ زیادہ ارادتمند تھا۔

مزار اقدس تحصیل گڑھ شکر ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں مرجعِ خلائق ہے۔



پاپا صدر الدین

یہ تقریباً بیس سو چالیس عیسوی کی بات ہے کہ میں (راقم الحروف) سکول سے پڑھ کر واپس آ رہا تھا کہ شام کے پانچ بجے کا عمل تھا۔ موسم سرما کا آغاز ہو چکا تھا۔ میں اپنے خیال میں مگن گاؤں کی طرف روال دواں تھا کہ اچانک اسلامیہ ہائی اسکول دو سو ہر ضلع ہوشیار پور کی جانب سے ایک باریک اور سریلی آواز سنائی دے رہی تھی۔ جب کانوں پر زور دے کر سنا کہ اس آواز میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف پڑھی جا رہی تھی جو کہ اس طرح سے تھی۔

”محمد ہمارے بڑی شان والے“

بڑی شان والے بڑی شان والے

وہ نعت خواں جس کے سر پر مثل کی پگڑھی اور بدن پر کرتہ اور تہ بند گاڑھے کا زیب تن کیے ہوئے تھا۔ نیم مست آنکھیں، نورانی چہرہ اور بارش ہمارے گاؤں کی طرف نعت خوانی کرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اس کی آواز میں ایسی مٹھاس تھی کہ آج تقریباً چھیالیس یا ستالیس برس ہونے کو آئے، مگر وہ میٹھی آواز ابھی تک کانوں میں رس گھول رہی ہے۔ میں جب کبھی خلوت میں ہوتا ہوں اور اپنے بچپن کے حالات کو یاد کرتا ہوں تو ایک ایک کر کے بچپن کی ساری تصویریں آنکھوں کے سامنے گھوم گھوم کر آتیں ہیں اور پھر وہی تصویریں ایک کے بعد ایک پردہ خیالات سے غائب ہوتی جاتی ہیں، مگر اس نعت خواں کی سریلی میٹھی اور لوچدار آواز اب بھی جب کبھی خیال کرتا ہوں سن لیتا ہوں۔ خیر! جب وہ نیک شخصیت نعت خواں آہستہ آہستہ نعت پڑھتا ہوا میرے نزدیک پہنچ گیا تو اس نے سلام کرنے میں سبقت حاصل کی، حالانکہ مجھے سلام کرنے میں پہل کرنا چاہیے تھا۔ خیر سلام کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے میرا نام پوچھا۔ کس کے لڑکے ہو۔ کیا کرتے ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ ان سب سوالوں کے جواب بالترتیب دیے گئے۔ پھر فرمایا کہ مجھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے پناہ محبت ہے یہ کہتے ہوئے اس پر رقت طاری ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے پھر اپنی پگڑھی

جو کہ سر پر بندھی ہوئی تھی کے پلو کے کونے سے اور کندھ پر ڈالے ہوئے رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم نماز پڑھتے ہو۔ تمہارے مولوی صاحب کا کیا نام ہے۔ سکول کا نام پوچھا۔ سوال جواب ہوتے رہے۔ سکرلتے ہوئے فرمایا کہ میں نعت پڑھوں گا۔ اور تم اس کو میرے ساتھ مل کر اور آواز ملا کر پڑھو۔ یعنی پندرہ بیس منٹ کی اس صحبت نے مجھے اپنا مونس بنا لیا اور فرمایا اب بات ٹھیک ہوئی نا۔ پھر میں نے اس بزرگ شخصیت کا اسم گرامی پوچھا۔ جواب دیا کہ میرا نام صدر الدین ہے۔ میں سیرکناں حضور پاک کی نعت پڑھتا رہتا ہوں اور اسی میں مجھے لطف آتا ہے۔ یہی میری زندگی ہے اور یہی میری بندگی ہے اور میں تمہارے اس گرد و نواح کے علاقے میں رہائش رکھتا ہوں۔

اس نے اپنا ایک بستہ میری طرف سرکاتے ہوئے کہا یہی میری دولت و سرمایہ ہے۔ یہی میری زندگی کا معاملہ ہے۔ میں نے اس کے بستے میں ہاتھ ڈالا تو سب سے پہلے مجھے حیات صابری ہاتھ لگی جو کہ خواجہ خواجگان محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ مصنف مولوی سید عبدالغنی قانون گو کے حالات حیات مبارکہ پر مشتمل تھی اور اس کتاب کے اندر کلام صابری علیہ الرحمۃ تھا جس کو وہ اکثر ترنم میں پڑھا کرتا تھا اور خود ہی مزے لیتا تھا۔ اس کے بعد میں نے دوسری کتاب اٹھائی تو حضرت ابرو وارثی علیہ الرحمۃ کا نعتیہ کلام بعنوان 'ابر کرم' اور ابر بہار تھیں اس کے علاوہ درویشوں کی سوانح حیات کے متعلق کچھ نسخے تھے۔ دو ایک کا پیاں جن پر نعتیہ کلام مختلف بزرگوں کا درج تھا۔ یہ تھی اس کی کل پونجی جس کو وہ سرمایہ حیات سمجھتا تھا۔ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا ناخواندہ تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں دل سرشار رکھتا تھا اور ذہن رسا تھا۔ قوت حافظہ تیز تھی۔ بس نعت شریف کا مصرع اولی بتلا دو اس کے بعد پوری نعت ترنم اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی سن لو۔ نعت سننے والے پر بھی رقت طاری ہو جاتی تھی۔ پھر اس نے اپنے بستے کو اٹھایا اور سر پر رکھتے ہوئے اور سلام و علیکم کہتے ہوئے وہ چلا گیا اور زبان سے وہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں پڑھتا ہوا سانوں کلمہ نبی داتا ہے۔ سانوں کلمہ نبی داتا ہے ترنم سے پڑھتا ہوا چلا گیا۔ اس کے بعد بھی ملتا یا ملاقات ہوتی۔ اس کے پند و نصائح بھی تھے کہ بر خوردار نماز پڑھا کر و اور درود پاک کا ورد بھی کیا کرو۔ پھر جو بھی اُسے ملتا اس کو یہی کہتا تھا کہ بر خوردار! بندگوں کا ادب کرو نماز پڑھا کرو۔ اگر کسی نے کہہ دیا کہ میں نماز پڑھتا ہوں بس بابا صدر الدین خوش ہو گیا۔ اس سے اس قدر پیار کر کے خوش ہوتا تھا۔ گویا کہ اس نے سابقہ زندگی کی تمام نمازیں ادا کر لی ہوں پھر وہ ہر ملنے والے سے اصرار کرتا کہ میرے ساتھ ہم آہنگ ہو کر نعت پڑھو۔ جب اس نے اس کی آواز کے ساتھ آواز ملا کر نعت پڑھی۔ وہ خوش ہو جاتا بلکہ اس کا قلب و رُوح خوش ہو جاتا۔ وہ اسی طرح پورے ضلع کی سیاحی کرتا رہتا تھا۔ مجھے سوائے اس کی ذات کے نہ اس کے والدین کا پتہ تھا اور نہ کسی گاؤں یا قصبہ کا پتہ تھا۔ ۱۹۴۶ء کے بعد پھر وہ سریلی آواز سنائی نہیں دی۔ واللہ اعلم بالصواب کہاں گیا اور کیا ہوا۔

بابا رحمت علی شاہؒ مجذوب

بابا رحمت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق زیادہ تر حالات پردہٴ اخفا میں ہیں۔ جو بھی کچھ آپ کے حالات معلومات پتہ ہیں۔ وہ بہر حال نذر قارئین کرام کر دیا ہوں۔ آپ موضع میر پور نرزدو سوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) کے رہنے والے تھے۔ راقم الحروف نے آپ کو بچپن میں دیکھا تھا۔ اس دور میں مجذوبیت کی کیفیات دل و دماغ پر طاری رہتی تھیں۔ اکثر ایک لمبا کرتہ جو ٹخنوں تک زیب تن رہتا تھا۔ پہنے ہوتے اور یا کبھی موج میں آئے تہ بند کا استعمال کر لیا ورنہ عموماً برہمنہ لنگوٹ بند رہتے تھے۔ کبھی کسی جگہ مستقبل قیام نہیں تھا۔ بیشتر اوقات سیرکستان رہتے اور شب و روز جنگلوں بیابانوں میں گزارتے اور کبھی موج میں آئے تو آبادی کی طرف بھی نکل آتے۔ اگر کسی عقیدت مند نے کھانا کھلادیا تو کھالیا ورنہ اللہ اللہ خیر سلا۔ کبھی کبھی خاموشی اختیار فرماتے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ جو کچھ منہ میں آیا کہتے چلے گئے۔ اگر کسی نے ان کے خیالات میں مداخلت کی تو مغلاظ سے نوازے جاتے۔ اکثر لوگ آپ کے پاس عقیدتاً حاضر ہوتے اور دعا کے طالب ہوتے۔

ہندوستان کے بٹوارے سے تین مہینے پہلے ہمارے پڑوس میں ایک صاحب خانہ کے ہاں آگئے اور یہیں قیام کر لیا۔ صبح شام مکان کی چھت پر رہتے اور ہمہ وقت اپنے منہ سے کچھ نہ کچھ باتیں کر کے رہتے اور سننے والا یہ محسوس کرتا تھا کہ کسی سے مخاطب ہو کر دشنامی لہجے میں مصروف گفتگو ہیں اور بلا ناغہ اہل دیہہ کو پکار پکار حکم دیتے رہتے۔ اُسے میں تہانوں کسند ہاں تیس ایتھوں چلے جاؤ۔ ہر روز تقریباً ایک مہینہ تک بوقت عصر اور مغرب ہی الفاظ بار بار دہراتے رہتے تھے اُوئے! ایتھوں چلے جاؤ اُوئے! میں تہانوں بابا رکسند ہاں۔ جولائی ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے دوران میں روزانہ قتل و غارت کی خبریں آرہی تھیں۔ آج فلاں گاؤں میں اتنی تعداد میں ہندو اور سکھ جہنم واصل ہوئے۔ آج فلاں موضع پر سکھوں نے حملہ کر دیا ہے۔ آج اتنے مسلمان شہید ہوئے ہیں۔ ایسی پر تشویش خبریں سن سن کر مسلمانوں کو اپنی اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ خاص طور پر مسلمان عورتوں اور بچوں کی طرف سے زیادہ فکر مند تھے خالصہ جتھے جب بھی مسلمانوں کے دیہاتوں پر حملہ آور ہوتے تو قتل و غارت کے علاوہ لوٹ مار اور جوان عورتوں کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ عجیب افزا تفری تھی آسمان سے آگ برس رہی تھی اور زمین پر آگ بھڑک رہی تھی۔ اس آگ کو بجھانے والا کوئی نہیں تھا۔

اک ہو کا عالم تھا ایک دن حسب معمول اپنے الفاظ کو دہراتے ہوئے فرمایا۔ "اوستے ادیکھ رحمت علی داسر کھاں نے دڈھد تا اوستے! مینوں آگ دے وچہ سٹ دتالے" اس کے بعد گاؤں کے اُبڑنے تک یہی الفاظ روزانہ دہرائے جاتے تھے۔ رمضان شریف گزارنے کے بعد بروز عید الفطر گاؤں پر اچانک سکھ جتھوں کی طرف سے حملہ آور ہونے کا خدشہ تھا مگر بزرگوں کے صدقے میں گاؤں پر حملہ تو نہ ہوا، مگر لوگوں نے اپنے دل چھوڑ دیے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا۔ لوگوں نے گاؤں کو خالی کرنا شروع کر دیا۔ جہاں جہاں کسی کے سینگ سمائے اپنے عزیز واقارب کے ہاں جا کر پناہ گزیں ہو گئے اور اب فسادات بھی پورے زوروں پر شروع ہو چکے تھے۔ گرد و نواح کے مسلمانوں کے جتنے بھی گاؤں یا چھوٹے چھوٹے دیہات تھے۔ آہستہ آہستہ خالی ہو چکے تھے عید الفطر کے آٹھویں روز سکھوں کا ایک جتھہ جو تین چار سو افراد پر مشتمل تھا۔ گاؤں پر حملہ آور ہوا تو اس وقت گاؤں کے اندر تین یا چار آدمی موجود تھے جو جتھے کو دیکھ کر ادھر ادھر کہیں فصلوں میں چھپ گئے تھے۔ صرف ایک مرد ذاتِ بابا رحمت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اسی مکان کی چھت پر اپنی موج میں تشریف فرما تھے۔ جتھے نے گاؤں کے اندر داخل ہو کر جائزہ لیا کہ گاؤں کے اندر کوئی بھی نہیں ہے تو انہوں نے مکانات کو نذر آتش کرنا شروع کر دیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ایک ظالم اور درندہ صفت سکھ بابا رحمت علی شاہ کی طرف بڑھا اور تلوار سے آپ کا سر مبارک کاٹ دیا اور برابر ہی ایک سرکنڈوں اور ادپوں کا ڈھیر تھا جس کو انہوں نے پہلے ہی آگ لگا رکھی تھی۔ اس جلتے ہوئے ڈھیر میں آپ کا سر مبارک پھینک دیا اور بعد میں دھڑ کو بھی اس میں ڈال دیا۔ آپ نے اپنی جان کی قربانی دے کر پورے گاؤں کو اس حملہ سے بچا لیا۔ جب یہ ظالم حملہ آور اپنا کام کر کے واپس چلے گئے تو فصلوں وغیرہ میں چھپے ہوئے آدمیوں کو بابا رحمت علی شاہ کی تلاش ہوئی۔ تو تلاش بسیار کے بعد پتہ چلا کہ اسے ہے! بابا بھی شہید ہو گئے۔ سر اور دھڑ کو جلتے ہوئے سرکنڈا اور ادپوں کے ڈھیر میں پھینک دیا گیا ہے۔ ان لوگوں نے جلدی جلدی جسم مبارک کے جلے ہوئے ٹکڑے نکلے اور ان کو اکٹھا کر کے گاؤں کے قبرستان میں دفن کر دیا یہ واقعہ ۲۸ اگست ۱۹۴۷ء بمطابق ۱۰ شوال ۱۳۶۶ھ اور ۱۲ بھادوں ۲۰۰۵ء بمقام بروز جمعرات بوقت سہ پہر میں ہوا۔ آپ کی عمر مبارک تقریباً ساٹھ سال تھی۔

آپ کے اس جذبہ قربانی شہادت سے تمام گاؤں پاکستان کی سر زمین پاک تک پہنچنے تک ہر آفت و مشکل سے محفوظ رہا۔ آپ نے جو پیشگوئی تین مہینے پہلے فرمائی تھی۔ وہ اس انداز سے پوری ہوئی۔ مزار کیا بنا۔ پھر اس کے بعد اہل دیہہ حکومت ہند کے قائم کردہ کیمپوں میں چلے گئے۔ ایک مہینہ یا ڈیڑھ مہینہ کیمپوں میں رہنے کے بعد پاکستان کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔

بابا برہمی شاہ

حضرت بابا برہمی شاہ علیہ الرحمۃ کا مزار اقدس بمقام بھنگالہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں واقع ہے۔ گردونواح کا علاقہ آپ کا بہت زیادہ عقیدت مند ہے۔ آپ کے حالات حیات مبارکہ بھی پردہ اخفایں ہیں۔ عرس پاک ماہِ بیچڑ میں ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) عرس پر کافی بھیڑ بھاڑ ہوتی تھی۔ دُور دُور سے لوگ آکر اپنی دکا داریاں لگاتے تھے۔ ہنڈولے اور پنگوڑے بھی لگائے جاتے تھے جس میں بچگان سوار ہوتے اور لطف اندوز ہوتے تھے۔ جگہ جگہ حلوائیوں کی دکانیں سجائی جاتی تھیں۔ زیادہ تر گردونواح کے علاقہ جات کے لوگ عرس پاک کی تقریبات میں شمولیت کرتے تھے اور عقیدت کے پھول نچھاور کرتے۔ درویش فقرا بھی اپنے اپنے محبوبین کے ہمراہ آتے۔ توایاں پڑھی جاتی تھیں۔ میلاد پاک کی محافل بھی انعقاد پذیر ہوتی تھیں۔

ﷺ

حضرت پیر دریائی

جن بزرگان دین کے حالات حیات مبارکہ نہیں مل سکتے ان میں بابا پیر دریائی علیہ الرحمۃ بھی شامل ہیں۔ آپ کے مزار مبارک کا بھی کسب نہیں ملتا۔ بس عوام میں پیر دریائی کے نام سے مشہور تھے۔ کچھ عقیدتمندوں کا خیال ہے کہ دریائے بیاس کے نواح میں دوسوہہ کے قریب یہاں دریائے بیاس کی گزرگاہ ہے۔ اُن کا مزار مکیریاں ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ حضرات مائی بجاگن شاہ صاحبہ (مزار مکیریاں) کی حقیقی ہمشیرہ تھیں اور آپ مردانہ بھیس میں سیر کناں رہتی تھیں۔ اور سزکار خواجہ محمد دیوان چشتی صابری آپ کی دُعا سے پیدا ہوئے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

اے یہ تاریخی قصہ ہے روایت ہے کہ جب سکندر اعظم چلی۔ فیروز پور کے راستہ ہوشیار پور میں داخل ہوا تو یہاں کے لوگوں نے اس کا شاندار استقبال کیا تھا۔

بابا سالار غازیؒ

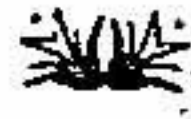
بابا سالار غازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات حیات مبارکہ بھی پردہ اخفا میں ہیں، ہوشیار پور کا علاقہ پنجاب کے اندر پس ماندہ علاقہ ہی کہلواتا تھا۔ عوام تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ بزرگوں کے شجرہ ہائے نسب و طریقت کون یاد رکھتا تھا۔ ایسا ہوتا تھا۔ عوام بچے بوڑھے اور جوان مزار پر اکٹھے ہو جاتے تھے۔ ڈھول یا نقارے بجائے جاتے تھے۔ لوگ رقص کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ عورتیں چوریاں تیار کر کے سروں پر اٹھائے ہوئے دیہاتی ماحول کے گیت گاتی ہوئی مزار پر حاضر ہوتی تھیں اور یوں اپنی عقیدت کا اظہار کرتی تھیں۔ دو چار دیگیں دیے یا نمکین اور میٹھے چادلوں کی اتاری جاتی تھیں۔ صاحب مزار کے نام کا فاتحہ پڑھا گیا بعد میں دیگیں تقسیم ہوئیں لوگ کھاپی کر گھر چلے آئے۔ صبح سے شام تک ڈھول بجانے والا ڈھول پیٹتا رہتا۔ شام ہوتے ہی وہ بھی چلے جاتا۔ بس عرس یا میلہ ہو گیا۔ بابا سالار غازی کے عرس کا بھی ایسا ہی حال تھا۔ کسی کو کوئی پتہ نہیں ہے کہاں اور کس خاندان میں ولادت ہوئی۔ کون سے سلسلہ طریقت سے منسلک تھے۔ مزار اقدس بمقام ہردو تھلہ شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں واقع ہے۔ عقیدتمند مسلمان مزار اقدس پر ہر جمعرات کو دیا جلادیا کرتے تھے۔ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ**



حضرت بابا چراغ شاہؒ

حضرت بابا چراغ شاہ علیہ الرحمۃ کے زیادہ تر حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ آپ نے اپنے سلسلے کی کافی تبلیغ فرمائی۔ گردونواح کا تمام علاقہ آپ کی بزرگی اور ولایت کا احترام کرتا تھا۔ زیادہ تر آپ کے مریدین امرتسر، جالندھر، اضلاع کے رہنے والے تھے۔ راقم الحروف نے اکثر عرس پاک کے دنوں میں دیکھا ہے کہ باہر کے مریدین جب آتے اپنے ساتھ خور و دلوش کا سامان اور اس کے علاوہ اپنے اپنے ساتھ اوڑھنے بچھونے کا سامان بھی لاتے تھے۔ آپ کا مزار اقدس برساتی نالا (چو) کے بائیں کنارے اور دوسوہہ کیریاں ریلوے لائن کے مشرق کی طرف واقع تھا۔ آپ کے وصال شریف کے متعلق بھی پتہ چل سکا۔ ذہن پر زور دے کر تحریر کر رہا ہوں کہ شاید ۱۹۴۴ء میں وصال شریف ہوا ہوگا۔ میری نظروں نے یہ مزار کچا دیکھا تھا۔ صرف ایک کچی قبر بنی ہوئی تھی۔ ارد گرد مٹی کا ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا ہوا تھا جس کے اوپر تعویذ لکھے

اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً ۱۹۴۵ء میں مزار اقدس کی نئے سرے سے تعمیر شروع ہو گئی تھی اور ۱۹۴۵ء تک مکمل بھی ہو گیا تھا۔ مزار اقدس ایک چار دیواری کے اندر تھا۔ مزار آبادی کے نزدیک نہیں تھا۔ اس کے تھوڑی دور کے موضع عثمان شہید تھا۔ آپ کا عرس پاک کی تقاریب ماہ اسٹھ میں ہوتی تھیں۔ یہ عرس تقریباً دو دن جاری رہتا۔ گرد و نواح کے لوگ عرس میں شمولیت کرتے تھے۔ مزار اقدس جنگل میں ہونے کے سبب بھیڑ بھار نہیں ہوتی تھی۔



حضرت بابا بلے شاہ

حضرت بابا بلے شاہ علیہ الرحمۃ جن کا مزار اقدس منسوال (MANSWAL) ضلع ہوشیار پور میں عاشقوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ان کے حالات حیات مبارکہ پردہ اخفاء میں ہیں۔ زبان زد روایات تو کافی ہیں جن کو بخوف طوالت پیش کرنا اچھا نہیں لگا۔ گرد و نواح کا تمام علاقہ کیا سکھ کیا ہندو کیا چوہڑہ چار اور کیا مسلمان سبھی آپ کے عقیدتمند تھے۔ آپ نے اسلام کا پرچار کچھ ایسے انداز سے عوام کے سامنے پیش کیا جس میں خدا کی مخلوق ایک دوسرے سے محبت اور رواداری سے پیش آنے لگی، لہذا بلا مذہب و ملت مخلوق خدا آپ سے اکتساب فیض کرنے لگی اور راہ مستقیم اختیار کی۔ مخلوق کو ہمیشہ سکون قلب کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ دنیاوی کاموں کے چکروں میں مصروف رہ کر ہر قسم کی برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ برائی کو دنیا دار برائی نہیں سمجھتے بلکہ برائیاں کرتے کرتے وہ ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں پر انہیں برائی برائی نظر نہیں آتی۔ ان کے قلوب سے احساس برائی کا مادہ خارج ہو چکا ہوتا ہے، لہذا جب وہ سکون قلب کھو بیٹھے ہیں تو پھر وہ انہیں آستانوں کا رخ کرتے ہیں۔ یہاں پر امراض قلوب کا علاج روحانیت سے ہوتا ہے۔ جب زخم بھر جاتے ہیں تو پھر سیدھی راہ اختیار کرتے ہیں۔

اے نقاب ذکر کیا خاں کے عہد میں جالندھر اور ہوشیار پور دو آب کا آدینہ بیگ گورنر مقرر ہوا۔ اس نے پنجاب میں سکھوں کی طاقت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ اس کے مشورہ ہی سے لاہور کے گورنر شاہ زمان نے احمد شاہ ابدالی کو پنجاب پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی تھی۔ اس کے ایما پر مرہٹوں نے تیمور شاہ خلیف احمد شاہ ابدالی صوبہ پنجاب پر حملہ آور ہو کر شکست دی تھی۔ مرہٹوں کے اس حملہ کے دوران میں ہوشیار پور کے متعدد گاؤں اور مواضع تباہ و برباد ہوئے جس میں تحصیل دوسو بہ کا ایک مشہور قلعہ رسول پور افغاناں بھی تھا اور انہی مرہٹوں کے خلاف لڑتے ہوئے نوجوان عثمان خان نے جام شہادت نوش کیا۔ موضع عثمان شہید متصل دوسو بہ اس بہادر جوان کی یادگار ہے۔

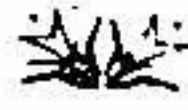
حضرت صوفی شیخ احمد

حضرت صوفی شیخ احمد علیہ الرحمۃ حضرت شیخ اللہ داد خاں برکی کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ نے اٹھارہویں صدی کے صاحب کمال اور بزرگ ہستی کے زمرہ خاص میں مقام رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت سید عبدالوہاب نقشبندی کے حلقہ درس سے قرآن پاک فقہ و حدیث کے علاوہ مروجہ، متداولہ میں پوری دسترس حاصل کی، لیکن تصرف روحانی اور سلوک و معرفت کے مدارج، آپ نے بجاوہ میں قیام کے دوران والد محترم کی شفقت اور توجہ باطنی سے طے کر کے نو مسلم راجپوتوں کے عقائد درست کرنے اور رشد و ہدایت کی شمع فروزاں کرنے کی غرض سے جہاں آباد رکوہ شوالک پہاڑ کے دامن میں ایک علم و ادب کا مرکز، میں اپنا قیام ضروری خیال فرمایا۔ اس جگہ حضرت موصوف اسلامی شعائر و نظائر کو پروان چڑھانے میں ساٹھ سال تک ہمہ تن مصروف رہے۔ آپ کے مواعظ حسنہ اور درس و تدریس کی گرم بازاری کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف علمائے عصر اور دانشوروں نے آپ کو قیادت و سیادت کا تاج پہنایا۔ بلکہ آپ کے انہاس قدسی کی بدلت ارباب حکومت اور سلاطین و خوانین غرض ہر طبقہ خیال کے لوگوں نے بھی اخذ فیض کیا۔ آپ کے اس چشمہ فیض سے قرب و حواری کے ہزاروں تشنگان توحید و صداقت نے اپنی اپنی پیاس بجھائی۔ نو مسلم راجپوتوں کا مذہب ہنود جن میں تفریقی اور تقسیم در تقسیم کا محورک عظیم ان کا مذہبی اختلاف ہے۔ بہت کچھ مذہبی اختلاف کی بنیاد برہمنی دھرم کے عروج کے زمانہ میں پڑی۔ جب برہمنوں نے کافی اقتدار حاصل کر لیا اور چاروں درنوں کی قید اس طرح پختہ ہو گئی کہ پنج ذات کے بلند ہونے کی امید ہمیشہ کے لیے زائل ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ویدک دھرم برہمنی دھرم کی صورت میں ایک وحشیانہ اور جاہلانہ دھرم نظر کرنے لگا اور دھرم جو ہمیشہ شانتی اطمینان قلب اور اخلاقیات کا مسلمہ ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ جو اہل ہنود کی شانتی اور تسکین قلب کا ذریعہ نہ رہا، لہذا نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ مسلمان صوفیوں کا قرب ان غیر مسلموں کے لیے وجہ سکون قلب ہو گیا اور مذہب اسلام بھی ایسا سدھاسا راجس کی تعلیمات انسان کو انسانیت کے مقام پر لاکر کھڑا کر دیتی تھیں۔ بقول !

سُجبت صالح ترا صالح کُنت

اہل ہنود اس مذہب اسلام کی طرف زیادہ رجوع کرنے لگے۔ ان بزرگوں کے اخلاقیات سے متاثر ہو کر اکثر

بیشتر مذہب اسلام اختیار کرتے تھے۔ آپ کے آباء اجداد جنوبی وزیرستان کے ایک مشہور اور تاریخی مقام کافی گرام سے آکر پہلے جالندھر میں قیام پذیر ہوئے۔ پھر آپ کے والد ماجد حضرت صوفی اللہ داد خان بخواڑہ میں ہجرت کر کے آگئے۔ حضرت صوفی شیخ احمد علیہ الرحمۃ نے اسی جگہ سے علوم متوجہ و متداولہ اور سلوک و معرفت کی منازل طے کرنے کے بعد جہاں آباد جا کر سکونت پذیر ہو گئے۔ یہیں پر مخلوق خدا کو راہ ہدایت پر لاتے رہے۔ گردونواح کا تمام علاقہ آپ کا گرویدہ اور عقیدت مند تھا۔



حضرت شیخ راندے

تحصیل دوسوہہ میں واقع لودی افغانوں کی ایک بستی 'راندے' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس بستی کی بنیاد رکھنے والے شیخ راندے لودی افغانوں کے خاندان سے ایک صاحب کشف و کمال بزرگ بستی تھے۔ آپ صاحب ارشاد و ہدایت تھے اور اس کے علاوہ صاحب تصنیف بھی تھے۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے ایک ہزار سے زیادہ افغانوں کی قیادت کرتے ہوئے شام چوراسی کے مقام پر مغلوں کی افواج سے دست بردست جنگ میں حصہ لیا تھا، لیکن جب لودی افغانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تو حضرت موصوف بھی ان منتشر شدہ افراد کے ہمراہ مختلف مقامات کے سفر و حضر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے اپنی عمر کے آخری ایام میں موضع مذکور میں سکونت پذیر ہو گئے۔

اسی مقام پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے حلقہ ارادت میں ہزاروں مقامی اودبیر و نجات کے عقیدتمند تھے۔ اسی بستی راندیاں میں وصال فرمایا اور یہیں پر مزار اقدس تعمیر ہوا۔ گردونواح کا تمام علاقہ آپ کا معتقد تھا۔ سالانہ عرس پاک منعقد پذیر ہوتا تھا۔ (افاغنے ہوشیار پور)

حافظ محمد حنیف بٹالوی

حضرت حافظ محمد حنیف صاحب علیہ الرحمۃ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت شاہ رسول دہلوی علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر شرف بیعت رکھتے تھے۔ آپ کا مزار اقدس محلہ پہاڑ گنج دہلی میں مزاج خلّاق ہے۔ آپ صاحب کشف و کرام ہستی تھے۔ حافظ محمد حنیف علیہ الرحمۃ کا سلسلہ رشد و ہدایت بجواڑہ میں جاری رہا تھا۔ ان کے خلیفہ حضرت اعظم جی علیہ الرحمۃ تھے اور ان کے خلیفہ مولوی برکت علی صاحب مسند ارشاد پرفائز تھے۔ شہباز خاں آف جہاں خیلان نے حافظ محمد حنیف علیہ الرحمۃ کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد ان کا مزار جہاں خیلان کے پختہ باغ میں تعمیر کیا تھا جہاں شوال کی دس تاریخ کو عرس ہوتا تھا۔ اسی طرح ۲۲ شب برات کی شاہ اعظم جی علیہ الرحمۃ کا عرس بجواڑہ میں اور اسی ماہ کی تیس تاریخ کو جہاں خیلان میں عرس ہوتا تھا۔ عوام الناس عرسوں میں شرکت کرتے تھے۔ صاحب مزارات سے فیض اکتساب کرتے تھے۔

وہ کون ہے جو تری بزم ناز میں جا کر
حواس باختم با چشم تر نہیں آتا



حضرت سرکار یار محمد چشتی صابری

حضرت سرکار یار محمد صاحب چشتی صابری علیہ الرحمۃ کے حالات حیات مبارکہ زیادہ تر پردہ اخفاء میں ہیں۔ آپ کی بیعت و خلافت حضرت سرکار خواجہ محمد افضل جی چشتی صابری علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر تھی۔ گردونواح کا علاقہ آپ کے دربار اقدس سے اکتساب فیض کرتا تھا۔ مزار اقدس بمقام مانڈہ تحصیل دوسو بہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں مزاج خلّاق ہے۔

مولانا غلام قادر گرامی نے حضرت اعظم جی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مندرجہ ذیل مباحثی لکھی ہے۔

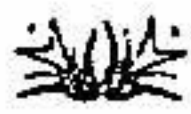
اعظم آل شیخ ناچہ عال نسب است ۱ برق نگہ مرشد ما مارا سوخت

برمانظرش بے سببی ہا سبب است ۱ خاکسرا مہر مہ چشم ادب است

حضرت سرکار شیخ جلال الدین چشتی صابری

حضرت سرکار شیخ جلال الدین چشتی صابری علیہ الرحمۃ کے حالات حیات مبارکہ بھی پردہ اخفا میں ہیں۔ دراصل ہوشیارپور کا ضلع پس ماندہ ہونے کی وجہ سے بہت کم تعلیم یافتہ تھا۔ لوگوں کا ذوق شوق بزرگوں کے اعراس میں فقط شرکت حاصل کر کے اپنی عقیدت و محبت کو تقویت دینا ہوتی تھی۔ گویا زبان زد روایات تو بہت ہیں، مگر اس کی کوئی سند نہیں ہوتی۔ ایک ہی روایت مختلف بزرگان دین کے ساتھ متعلق و وابستہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ کرامتیں کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ عقیدتمندوں کی محبت میں بھی فرق آسکتا ہے۔

بزرگان دین تو ایسے ہی مجسمہ کرامات ہوتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ایسے بزرگ شخصیتیں حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بھرپور پیروی کرتے ہیں۔ اور اس عمل میں سرموزق نہیں آنے دیتے۔ اور اولیاء اللہ کے لیے کرامات کا اظہار فرض نہیں ہے۔ آپ کو حضرت سرکار امیر شاہ چشتی صابری علیہ الرحمۃ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ مزار اقدس بمقام ٹانڈہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب بھارت) میں مرجع خلائق ہے۔ گرد و نواح کا علاقہ کافی عقیدت و محبت رکھتا تھا۔



حضرت سرکار امیر شاہ چشتی صابری

حضرت سرکار قبلہ عاشقان خواجہ امیر شاہ چشتی صابری علیہ الرحمۃ کے حالات حیات مبارکہ بھی باوجود تلاش بسیار اور مختلف محققین اہل قلم نگار سے رابطہ رکھنے کے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ آپ کے سینکڑوں لوگ عقیدتمند تھے۔ گرد و نواح کا تمام علاقہ آپ کے دستِ کرم کے طالبان میں سے تھے۔ آپ حضرت خواجہ جلال الدین چشتی صابری سرکار علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ مزار اقدس ٹانڈہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب

بھارت) میں مزاج خلّاق ہے۔ آپ کے مریدین میں سے ایک بہت ہی کامل و اکمل بزرگ ہستی قبلہ حافظ خواجہ کرم بخش تھے جن کا مزار اقدس ہوشیار پور شہر میں مزاج خلّاق ہے۔



حضرت سید بڈھن شاہ

آپ کا مزار اقدس بمقام کیرت پور ضلع ہوشیار پور میں واقع ہے۔ آپ کے حالات زندگی بھی میسر نہیں ہو سکے۔ مقامی روایت ہے کہ بابا گوراں دتہ جو اس قبضے میں سکھوں کے گرو بھی تھے۔ انہوں نے اپنے چیلوں کو ایک بار فرمایا تھا کہ جو سکھ میرا پیروکار ہے اور سکھ پنہ پر قائم ہے۔ میرے پاس آنے سے پہلے وہ میرے دوست اور ولی اللہ سید بڈھن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چرنوں میں سیس نوائیں اور پھر بعد میں میرے استھان پر آئیں؛ لہذا خالصہ اس قول کی پیروی کرتے ہیں۔ گرو نواح کا تمام علاقہ کیا ہندو، سکھ اور کیا مسلمان بھی آپ کے عقیدہ مند ہیں۔ مزار کی یا ترا کے لیے جاتے ہیں اور فیض اکتساب کرتے ہیں۔ کیرت پور انند پور صاحب سے ۱۱ کلومیٹر دور ہے۔ یہاں پر ایک مقامی روایت کے مطابق گوردوانک صاحب سکھوں کے پہلے گرو نے سید بڈھن شاہ صاحب سے اکتساب فیض کیا تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سید بانی شاہ

حضرت سید بانی شاہ علیہ الرحمۃ ضلع ہوشیار پور میں ایک بزرگ شخصیت تھی۔ آپ کا شمار اکابرین میں سے تھا۔ حالات حیات مبارکہ باوجود گوشش بسیار کے نہیں میسر ہو سکے۔ آپ کا گایا ہوا ایک کنواں موضع جھینگڑاں کلاں میں جو دو سوہرے تقریباً ۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ابھی تک موجود ہے۔ ہندو، سکھ اور مسلمان اس کنویں کے پانی کو تبرک کے طور پر استعمال کرتے تھے اور ان کا عقیدہ ہے کہ اس کنویں کے پانی میں شفا کے کلی ہے اور مقامی / بیرونی مریضوں اس کو استعمال کر کے اپنے درد کا علاج کرتے تھے۔ گرو نواح کا علاقہ آپ سے قلبی لگاؤ رکھتا تھا۔

جھینگڑاں کلاں میں زیادہ تر راجپوت گوت مجیٹھ رہتے ہیں جو تقریباً چار سو سال سے زائد سے ضلع فیروز پور سے ہجرت کے آئے تھے۔ یہاں کا ایک مشہور شاعر جس کا نام کوی گدھرائے تھا اور جس کا ایک بہت ہی مشہور شعر مندرجہ ذیل ہے۔ یہیں پر پیدا ہوا تھا۔

سونا لینے بیو گئے سونا کر گئے دیس
نہ سونا ملا نہ بیو ملے مورے رُپا کر گئے کیس



صوفی غلام محمد المعروف بابا گھوڑیاں والا

قبلہ صوفی غلام محمد المعروف بہ بابا گھوڑیاں والا قوم جٹ بمقام گھڑیاں شریف تحصیل پٹی ضلع امرتسر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ولادت تقریباً ۱۸۹۰ء میں ہوئی۔ بچپن ہی سے دل میں شوقِ الہی تھا، لہذا ایک دفعہ اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے کہ خاندانِ سادات کا ایک بزرگ اتفاق سے آپ کے پاس سے گزرا جس کی آپ نے ہر طرح سے خدمات سرانجام دینے میں اور آدابِ بجالانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بزرگ نے فرمایا کہ تیرا فیض روحانیت ضلع ہوشیار پور کے موضع داراپور میں ایک نہایت ہی پاکباز بزرگ شخصیت میاں محمد بخش صاحب قادری علیہ الرحمۃ کے پاس ہے۔

آپ کی اس مشفقانہ گفتگو سے متاثر ہو کر شام کو گھر آئے اور تمام کنبے کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں آج سے تمہارے پاس سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہوں اور فقط ایک چادر کنڈھے پر ڈالی اور گھر بار چھوڑ کر پہلے پاپیادہ امرتسر پہنچے۔ پھر جالندھر پہنچے۔ وہاں سے اڑھنٹا نڈہ پہنچ کر موضع مذکورہ داراپور پہنچے۔ جب اتنا لمبا سفر طے کر کے اپنے مرشد کے پاس حاضر ہوئے تو دیکھتے ہی میاں محمد بخش صاحب نے فرمایا کہ میں بھی تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ بابا گھوڑیاں والا چند مہینے اپنے مرشد پاک کی خدمت میں رہا۔ بعد میں بحکم مرشد پاک قصبہ کیریاں کے بطرف مشرق تقریباً چار میل ایک موضع پنج ڈیرہ کے نواح میں ایک جنگل فتوآنہ میں مستقل قیام اختیار فرمایا۔ اپنے پاس دو چار گھوڑیاں رکھتے تھے۔ اس لیے بابا گھوڑیاں والا کے نام سے زیادہ معروف تھے۔ جہاں بھی جاتے گھوڑیاں برابر ساتھ رہتی تھیں۔ فتوآنہ کے جنگل میں ایک تکیہ میں سخت ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ شب بیداری میں گزرتی اور دن دیہات کے ارد گرد کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں اور کسانوں کے پاس خدمت کرتے گزر جاتا۔ موضع سنگھوال اور فتوآنہ کی نہر کی کھدائی پر آپ نے دو آنے یومیہ پر مزدوری کی تھی اور اسی دو آنے میں

مزدوروں کو کھانا کھلانا اور خود بھی ان میں شریک ہو جاتا تھا۔

آپ کے مریدین کی تعداد کافی تھی۔ پاکستان معرض وجود میں آیا تو ہندوستان سے ہجرت کس کے پاکستان آگئے تھے کسی خاص جگہ پر نہ قیام کیا اور نہ سکونت اختیار فرمائی۔ بہ مصداق فقیر کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔ زیادہ تر فیصل آباد، جڑوالہ یا کامونکے (گوجرانوالہ) میں اپنے مریدین کے ہاں رہتے تھے۔ جہاں بھی رہتے تھے۔ مریدوں کے لیے بوجھ بن کر نہیں رہتے تھے۔ بلکہ مریدین کی احسن طریقے سے چھپ چھپا کر مالی امداد بھی کر دیا کرتے تھے۔ سادہ رویا درویش معاشرے کے لیے بوجھ نہیں بنتے، بلکہ معاشرے کے بوجھ کو ہلکا کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹنے اور دور کرنے کے لیے درویش معاشرے کو تعلیم دیتا ہے اور خود بھی اس رستے پر گامزن ہوتا ہے۔ چند سال ہوئے آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ مزار آپ کا موضع سریاں والا نواح شیخوپورہ میں واقع ہے۔ مریدین ہر سال تاریخ وصال پر سالانہ عرس کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب



حضرت محمد جان نقشبندیؒ

آپ کے حالات حیات مبارکہ بھی زیادہ تر پردہ انفرادی میں ہیں۔ ایک شجرہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ احسنیہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی بیعت و خلافت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے ہے۔ اس پوری عبارت کا متن جو مندرجہ ذیل ہے۔ قارئین اکرام ملاحظہ فرمائیں۔

”فقیر عبد القیساکن قصبہ سیام سلوک طریقہ حضرات نقشبندیہ قدسنا اللہ سبحانہ بہ سترہم اولاً از خدمت کامل مکمل حضرت حاجی عبداللہ سلطان پوری اخذ نمود بعد وفات ایشان از حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پوری قدس سرہ تمہرا اخذ نمود کہ خلیفہ اجل کامل مکمل حضرت حاجی عبداللہ بودند وہم از میر صحبت محقق رفیقی میاں محمد جان ساکن قصبہ میانی بہرہ مند سے یافت ایشان نیز از خلفاء کامل مکمل حضرت حاجی عبداللہ جو بہ ستند و بہر دو عزیز یعنی حضرت حاجی محمد طاہر اور حضرت شیخ حاجی محمد جان پے واسطہ از حضرت قطب دوران حاجی عبداللہ سلطان پوری کمال طریقت و حقیقت حاصل نمودہ اند۔“

آپ قصبہ میانی جو کہ دو سوہرہ سے بطرف جنوب ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ کے رہنے والے تھے آپ نے حضرت عبداللہ سلطان پوری علیہ الرحمۃ سے شریعت و طریقت کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اپنے وقت کے کامل درویشوں میں سے تھے۔ آپ سے بھی کالی لوگوں نے اکتساب فیض کیا۔

- شجرہ طریقت مندرجہ ذیل ہے۔
- حضرت پاک رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
- حضرت امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ
- حضرت سلمان فارسیؓ
- حضرت امام قاسم بن محمد بن ابوبکر۔
- سید امام جعفر صادق
- حضرت سلطان العارفين بايزيد بطامي
- حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی
- حضرت خواجہ ابوالقاسم گرگانی
- حضرت ابوعلی فارمدی طوسی۔
- حضرت یوسف ہمدانی۔
- حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی
- حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری۔
- حضرت خواجہ محمود انجیر نغفی
- حضرت خواجہ عزیزان شاہ علی رایتی
- حضرت خواجہ شمس الدین۔ سید میر کلاں
- حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند
- حضرت مولانا یعقوب چمشی۔
- حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار
- حضرت مولانا محمد زاہد وحشی
- حضرت خواجہ درویش محمد
- حضرت مولانا خواجگی اکتلی
- حضرت خواجہ باقی باللہ۔
- حضرت مجدد الف ثانی سمرندی

حضرت سید آدم بنوری

حضرت محمد فخرین متقی شاہ آباد

حضرت حاجی عبداللہ سلطان پوری

حضرت میاں محمد جان (میانی والے)



قطب عالم حضرت حاجی سید محمد طاہر عالم

حضرت بابا شیخ محمد طاہر عالم پوری کی ولادت باسعادت عالم پور میں ہوئی۔ ولادت تقریباً ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے پیر و مرشد موضع کڑی دریا سے بیاس کے کنارے نواح دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں سکونت پذیر تھے، مگر آپ گاؤں کے باہر ایک دیرانے میں ایک معمولی سی جھونپڑی بنا کر رہتے تھے۔ لوگوں کی آمد و رفت اور ہر کس و ناکس سے میل ملاقات سے پرہیز کرتے تھے۔ ہر وقت ذکر خدا زبان پر جاری رہتا تھا۔ حضرت بابا شیخ طاہر رحمۃ اللہ نے اپنے مرشد پاک سے ملنے کے لیے حجام کا پیشہ اختیار کیا ہوا تھا اور لیے ہی مخلوق خدا کی بھی خدمت کرتے تھے۔ اس کا معاوضہ طلب نہیں کرتے تھے آپ ہر جمعرات کو مرشد کے پاس جاتے تھے۔ خط وغیرہ بناتے مگر اپنا منہ نہیں کھولتے تھے۔ خاموشی اختیار کیے رہتے تھے۔ ایک عرصہ تک اپنے مخدوم کی خدمت کرنے کے بعد آپ پر نظر کرم ہو گئی اور حکم ہوا کہ اسی گاؤں کے لوگوں کی بھی موتراشی کیا کرو اور معاوضہ کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ (مندرجہ ذیل واقعات مولوی تاج دین صاحب کی زبانی سنے گئے)

ایک دفعہ ایک افغان نے آپ کو بلوا بھیجا اور کہا کہ ہمارا ایک رقعہ جالندھر شہر میں ہماری ہمشیرہ کے پاس پہنچا دو اور اس رقعے کا جواب بھی لیتے آؤ۔ آپ نے ہاں کر دی اور اس سے رقعہ لے کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اس وقت ظہر کا وقت تھا اور جالندھر شہر بھی اس مقام سے کم از کم بیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ اہم کام آپ نے نماز عصر سے پہلے سرانجام دیے اور اس کا جواب لے کر واپس آچکے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اچانک اس افغان نے بھر کے وقت آپ کو دیکھ لیا۔ آپ اس وقت مسجد سے نماز پڑھ کر واپس لوٹ رہے تھے۔ اس افغان نے حکمانہ اور جارحانہ انداز میں کہا کہ اؤئے سوراٹیں نے تمہیں جالندھر شہر میں اپنی ہمشیرہ کے پاس پیغام رسانی کے لیے بھیجا تھا، مگر افسوس! تم ابھی تک یہیں پھر رہے ہو۔ آپ نے اس حکمانہ انداز کو قلوب سے محسوس کیا اور اپنی حجامت بنانے والے اوزاروں کی گچھی سے

آئینہ نکال کر اس افغان کو دیا اور کہا کہ خاں صاحب! دیکھئے! اس آئینے میں دیکھیے اور اپنی شکل کو ملاحظہ کریں کہ سور میں ہوں یا آپ سور میں اور اس کے ساتھ ہی اس کی ہمیشہ کا تحریری جواب جو جانندھر سے حاصل کر کے لائے تھے۔ اس کے سامنے پیش کر دیا۔ خدا کی شان دیکھئے کہ ولی اللہ کے منہ سے جب کوئی بات نکل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے پورا کر دیتا ہے

گفتہ او گفتم اللہ بود

گرچہ حلقوم عبد اللہ بود

لہذا جب اس افغان نے اپنی شکل آئینہ میں دیکھی، تو اپنی شکل سور کی شکل میں تبدیل ہوتے دیکھ کر بہت گھبرایا۔

اس گھبراہٹ سے پریشان ہوتا دیکھ کر اس کے اہل و عیال اور دیگر اقرباء حضرت بابا طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے اور سبھی مل کر باباجی سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کام میں میرا کیا دخل ہے۔ میں ایک غریب حجام ہوں۔ تم جانویا جس نے تمہاری شکل سور کی شکل میں تبدیل کی ہے وہ جانے۔ اللہ پاک سے معافی مانگو اور اس کا فضل مانگو۔ وہ رحیم و کریم ہے۔ مگر میں تمہیں ایک حکم دیتا ہوں کہ جب کوئی تمہاری نسل سے فوت ہو جائے تو اس کو کفن دینے کے بعد اس کا چہرہ مت دیکھنا اور اس کو ایسے ہی دفن کر دینا۔ ورنہ اس کی شکل سور جیسی پاؤ گے۔ اب بھی اس قوم میں اگر کوئی مر جاتا ہے۔ تو اس کو کفن دینے کے بعد چہرہ نہیں دیکھتے۔ جب حضرت باباجی سے یہ کرامت ظاہر ہو گئی تو آپ اس بستی کو چھوڑ کر ویران مقام پر چلے گئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ عبادت میں مصروف ہو گئے۔ گرد و نواح کا تمام علاقہ آپ کا گویہ و مستقیم تھا۔

حضرت عبدالنبی شامی (شام چوراسی والے) جن کا تعلق ایک امیر مند و گھرانے سے تھا۔ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر مسلمان ہو گئے تھے۔ جب آپ نے مذہب اسلام اختیار کر لیا۔ تو اس کے بعد آپ نے حضرت باباجی طاہر صاحب کی خدمت اقدس میں آمد و رفت شروع کر دی۔ ہر جمعرات کو صبح اٹھ کر غسل کرتے اور نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر ایک دیکچہ جس میں چاول دودھ وغیرہ ڈال لیتے اور اُسے سلگتے ہوئے کونوں والی انگلیٹھی پر رکھ کر سر پر اٹھائے لیتے اور شام چوراسی سے سیدھے عالم پور آتے آتے اس دیکچہ کا تمام کھانا پاک جاتا۔ اور کھیر کی سی شکل میں ہو جاتی۔ وہ کھیر کا دیکچہ اپنے مرشد پاک حضرت بابا طاہر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ آپ بسم اللہ پڑھ کر اس کھیر کو حاضرین مجلس میں تقسیم فرما دیتے۔ اسی طرح حضرت باباجی کی خدمت کرتے ہوئے حضرت عبدالنبی شامی کے بارہ سال گزر گئے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ جب آپ اس پورے ساز و سامان کے ساتھ گھر سے نکلے گھٹائیں گھرائیں اور بارش شروع ہو گئی اور انگلیٹھی میں سے آگ بجھ گئی اور انگلیٹھی میں سے گیلی سا کھ بہنے سے تمام کپڑے خراب ہو گئے اور دل میں رہ رہ کے خیال آتا تھا کہ آج کھیر نہیں پکے گی۔ اسی خیال و فکر میں مرشد پاک کی خدمت بابرکت میں پہنچے اور آب دیدہ ہو کر انگلیٹھی بعد دیکچہ زمین پر

رکھ دی اور دیکھ کر کاٹھکنا اٹھا کر دیکھا تو کھیر پک چکی تھی، مگر آپ کے مرشد کامل نے جب عبد النبی شامی کے چہرے اور کپڑوں کو داغدار دیکھا تو زبان گوہر نشان سے فرمایا کہ عبد النبی! آج تو تم پر رنگ چڑھ گیا ہے، آپ کے اس اندازِ تکلم کے جواب میں عرض کیا کہ رنگ کا چڑھنا جناب آپ کی نظر عنایت ہے۔ آپ کے اس اندازِ گفتگو سے حضرت عبد النبی شامی کو بھی روحانی قوت سے پتہ چل گیا تھا کہ ان پر واقعی رنگ چڑھ گیا ہے۔ پھر فرمایا کہ عبد النبی شامی! کہ اب میرے پاس آنے کی زحمت نہ کیا کریں، بلکہ میں خود ہی کسی وقت آؤں گا۔ ایک دن ایسا بھی آیا کہ آپ کے مزاج مبارک میں اُنگ پیدا ہوئی کہ چلو آج عبد النبی شامی کے پاس جایا جائے۔ جب آپ شام چوراسی پہنچے تو آپ نے حضرت عبد النبی شامی کے دروازے پر پہنچ کر دربان سے پتہ کرایا کہ آیا! حضرت عبد النبی شامی گھر میں موجود ہیں یا نہیں۔ دربان نے آپ کو ایک معمولی شخص سمجھ کر جواب دیا کہ سرکار عبد النبی شامی صاحب اس وقت آرام فرما رہے ہیں۔ وہ جب اٹھیں گے غسل فرمائیں گے اور ناشتہ کرنے کے بعد میں ملاقات کریں گے، لہذا آپ انتظار کریں۔ جب آپ (بابا طاہر) کو انتظار کرتے کرتے کافی دیر ہو گئی تو آپ نے دوبارہ دربان سے دریافت فرمایا کہ اندر جا کر عبد النبی شامی سے کہنا کہ عالم پور سے ایک بابا جی طاہر نام آپ سے ملنے کے لیے آیا ہے اور دروازے پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔ جب دربان نے اندر جا کر حضرت عبد النبی شامی کو اطلاع کی کہ عالم پور سے ایک بابا جی طاہر نام دروازے پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔ حضرت عبد النبی شامی گھبراتے ہوئے دروازے پر آئے اور معافی طلب انداز میں دست بستہ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر گھر کے صحن تک پکھادی اور عرض کیا کہ اس پگڑی پر اپنے پاؤں مبارک رکھتے ہوئے غریب خانہ کے اندر تشریف لے چلیے۔ جب آپ گھر کے اندر داخل ہوئے تو آپ کے استقبال کے لیے خاص اہتمام کیا گیا۔ پنگ پھوائے گئے اور مختلف قسم کے طعام تیار کروائے گئے۔ جب خورد و نوش کا سامان تیار ہو گیا تو عبد النبی شامی نے اپنی دو تیزہ کو حکم دیا کہ بابا جی کے ہاتھ دھووائے۔ جب وہ لڑکی ہاتھ دھوانے میں مصروف تھی تو حضرت بابا جی لڑکی کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے اور اور ہاتھ بھی دھوتے رہے۔ اسی طرح کافی دیر تک ہاتھ دھلنے میں پانی کا مصرف بھی زیادہ ہوا۔ حضرت عبد النبی شامی اور آپ کی اہلیہ کے دل میں کچھ ایسے خیالات پیدا ہوئے اور اُسے اپنی خوش قسمتی سمجھتے رہے کہ شاید حضرت بابا جی کے مزاج اقدس میں ہماری لڑکی گھر کر گئی ہے۔ لہذا انہوں نے اپنی سعادت مندی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے گزارش کی کہ قبولِ افسد نہ ہے عز و شرف را۔ تو آپ نے ان کی عرض سن کر فرمایا یہ ہماری اپنی لڑکی ہے۔ دو تیزہ خود سے نکاحِ اسلام میں جانتے نہیں۔ تمہارے دل میں جو شکوک پیدا ہو گئے تھے۔ اس کے جواب میں آپ سے کیا کہوں! اس لڑکی کے اندر جو عیب تھے جواب کلی طور پر دھوئے گئے ہیں۔

مجموعۃ الاسرار میں رقمطراز ہے کہ حضرت سید حاجی محمد طاہر عالم پوری خاندانِ سادات میں سے تھے۔ اُن کے

آباد اجداد کابل سے دین حق کے لیے ہجرت کر کے ہندوستان میں آئے اور یہاں سکونت اختیار کر کے حجام کا پیشہ اختیار کر لیا تھا، تاکہ ان کی روحانیت ظاہر نہ ہو سکے۔ آپ نے ایک سواٹھارہ (۱۱۸) سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ آپ نے اپنا جہ اور دستار مبارک اور ایک بوتل پانی کی اپنے خادم کو دے کر کہا کہ عبد النبی شامی کو یہ امانت دے دیں۔ اس میں دونوں جہانوں کی روحانیت کی طاقت منتقل کر دی گئی ہے۔

گرد و نواح کے علاقے میں آپ کے بے شمار عقیدتمند تھے۔ جو سب کے سب آپ کی روحانی قوت سے متاثر ہو کر بڑے کاموں سے پرہیز کرتے تھے۔ ہندو مسلم دونوں قومیں آپ کو دل و جان سے چاہتیں تھیں۔

وصال شریف !

آپ کا وصال شریف بمبر ۱۱۸ سال بروز دوشنبہ ۱۷ جمادی الاقل ۱۱۱۹ھ بمطابق ۱۵ اگست ۱۷۰۰ء بمقام عالم پور تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ہوا اور وہیں پر مزار اقدس تعمیر ہوا اور عاشقوں کی آماجگاہ بن گیا۔ آپ کے مزار اقدس کے بالمقابل مولوی غلام رسول صاحب کا بھی مزار ہے۔

فہرہ نوٹس

حضرت سید محمد ظاہر عالم پوری کے پیشوا و متدا حضرت حاجی عبداللہ سلطان پوری تھے جن کا مزار اقدس نعل پورہ دہلی میں مرجع خلائق ہے۔ سلطان پور ریاست پور تھلہ میں ہے اور دوسوہہ سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ دربار اکبری: ملا عبداللہ سلطان پوری اکبری دربار کا ایک مشہور عالم تھا۔ جانن دھر کوڑھ کا رہنے والا سکندر لودی اسلام شاہ اور شہنشاہ اکبر کے عہد میں اس کا ستارہ عروج پر تھا۔ پانی پت کے میدان میں جنب ہیمنوں بقال کو شکست ہوئی۔ اس وقت اکبر اعظم دہلی میں تھا۔

سکندر سور نے ملا عبداللہ سلطان پوری کے مشورہ سے جانن دھر، ہوشیار پور اور دو آب پر قبضہ کر لیا تھا۔ لاہور کا گورنر خضر خان مقابلے کے لیے فوج لے کر آیا مگر چیمپاری کے مقام پر اسے شکست ہوئی۔

۱۷۵۶ء کو اکبر خود ایک بھاری بھاری فوج لے کر سکندر شور کے مقابلے میں دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں آکر مقیم ہو گیا۔ بیرم خان کو فوج دے کر سکندر شور کے خلاف روانہ کیا۔ سکندر شور کا دوست نور پور کا راجہ اس کا ساتھ چھوڑ کر اکبر کے آگے سرنگوں ہو گیا۔ سکندر کو بہ امر مجبوری مان کوٹ (کانگرہ) میں قلعہ بند ہو کر لڑنا پڑا۔ جنگ کا یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ آخر بھجوتہ ہو گیا۔ (ملا عبداللہ اور بدایونی منتخب التواریخ)



شجرۂ طریقت

قطب عالم حضرت حاجی سید محمد طاہر

۲۲	ربیع الاول ۱۱ھ	مدینہ شریف	۴۲ سال	۱	حضرت پاک رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
۲۲	جمادی الآخر ۱۳ھ	"	۴۳ سال	۲	حضرت امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ
۱۰	رجب ۲۳ھ	مدائن (عراق)	۱۵۰ سال	۳	حضرت سلمان فارسیؓ
۲۴	جمادی الاول ۱۰ھ	جنت البقیع مدینہ منورہ	۷۲ سال	۴	حضرت امام قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ
۱۵	رجب ۱۴۸ھ	"	۶۸ سال	۵	حضرت سیدنا امام جعفر صادقؓ
۱۵	شعبان المعظم ۲۶۱ھ	بسطام (ایران)	۱۲۵ سال	۶	سلطان العارفين بايزيد بسطاميؓ
۱۵	رمضان المبارک ۲۲۵ھ	خرقان (ایران)	۷۳ سال	۷	خواجہ ابوالحسن خرقانیؓ
۲۲	صفر ۴۵ھ	طوس (ایران)	۷۳ سال	۸	خواجہ ابوالقاسم گرگانیؓ
۴	ربیع الاول ۱۱ھ	مشهد (ایران)	۷۷ سال	۹	خواجہ ابوعلی نارمدی طوسیؓ
۲۰	رجب المرجب ۵۲۵ھ	مرو (روس)	۹۶ سال	۱۰	خواجہ یوسف ہمدانیؓ
۱۲	ربیع الاول ۷۷ھ	غجدوان (روس)	۹۶ سال	۱۱	خواجہ عبدالخالق غجدوانیؓ
یکم	شوال ۶۱۶ھ	ریوگر (بخارا)	۹۶ سال	۱۲	خواجہ محمد عارف ریوگریؓ
۱۷	ربیع الاول ۷۷ھ	فغنہ (روس)	۱۳۰ سال	۱۳	حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؓ
۲۷	رمضان المبارک ۷۲۱ھ	خوارزم (روس)	۱۳۰ سال	۱۴	حضرت خواجہ عزیزال شاہ علی رشتینیؓ
۱۰	جمادی الآخر ۷۵۵ھ	سامان بخارا (روس)	۱۳۰ سال	۱۵	حضرت خواجہ محمد بابا ساسیؓ
۱۲	جمادی الآخر ۷۷۲ھ	سوخار بخارا (روس)	۱۳۰ سال	۱۶	حضرت خواجہ شمس الدین سید میر کلالؓ
۲	ربیع الاول ۷۹۱ھ	بخارا (روس)	۱۳۵ سال	۱۷	شیخ بہاؤ الدین نقشبندؓ
۵	صفر ۸۵۱ھ	قصبیا غنور بادکوبہ (روس)	۱۳۵ سال	۱۸	حضرت مولانا یعقوب چرخئیؓ
۲۹	ربیع الاول ۸۹۵ھ	سمرقند (روس)	۱۸۱ سال	۱۹	حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہؓ

۲۰	حضرت مولانا محمد زاہد خوشیؒ	یکم ربیع الاول ۹۲۶ھ	دُش (رُوس) ۸۵۶۲ سال
۲۱	حضرت خواجہ درویش محمدؒ	۱۸ محرم الحرام ۹۷۰ھ	موضع الفراز (خراسان) ۸۵۶۲ سال
۲۲	حضرت مولانا خواجہ گل امکنگؒ	۲۲ شعبان المعظم ۱۰۰۸ھ	امکنگ نزد بخارا (رُوس) ۹۰ سال
۲۳	حضرت سید رضی الدین محمد المعروف بخواجه خواجہ باقی باللہؒ	۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ	دہلی (بھارت) ۴۱ سال
۲۴	امام ربانی شیخ احمد فاروقی المعروف بمجدد الف ثانیؒ	۲۸ صفر المنظر ۱۰۳۴ھ	سربند شریف (بھارت) ۹۲۵۶ سال
۲۵	قطب الاقطاب سید آدم بنوریؒ	۱۳ شوال ۱۰۵۳ھ	جنت البقیع (مدینہ منورہ) ۶۳۰ سال ۱۴ دن
۲۶	غوث زمان حضرت محمد شریف متقیؒ، شاہ آبادی	۱۰۸۳ھ	موضع شاہ آباد انبالہ ۶۲ سال
۲۷	سلطان العارفین حاجی عبداللہ سلطانپوری	۱۱۱۹ھ	مخلپور دہلی (بھارت) ۱۲۰ سال
۲۸	قطب عالم حضرت حاجی سید محمد طاہر عالم پوری	۱۷ جمادی الاول ۱۱۱۹ھ	عالم پور تحصیل دوسوہہ ۱۱۸ سال ضلع ہوشیار پور (بھارت)



حضرت میاں دولت علی چشتی صابری

حضرت میاں دولت علی قبلہ عالم حضرت خواجہ حافظ کرم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت آپ کی عمر نو برس کے لگ بھگ تھی۔ عہد طفولیت میں بعارضہ چچک بیمار ہو گئے جس کے اثر سے آپ کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ آپ کی والدہ صاحبہ بہت متفکر ہوئیں اور ہر وقت اسی غم کی وجہ سے پریشان رہنے لگیں۔ حضرت قبلہ عالم نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمانے لگے۔ فکر کیوں کرتی ہو، ہم دوائی بنا دیتے ہیں، آنکھوں کی بصارت ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ نے ایک عدد گوڑی زرولے کر اس کی دوائی تیار کی اور آنکھوں میں ڈالنے کے لیے کہا۔ حسب ارشاد دوائی پہلے ایک آنکھ میں ڈالی گئی اور باقی پڑیہ کہیں رکھ دی۔ دوسرے دن دوسری آنکھ میں دوائی ڈالنے کے لیے پڑیہ تلاش کی گئی، لیکن پڑیہ کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ ہر چند گھر کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن پڑیہ نہ ملی۔ جس آنکھ میں دوائی ڈالی تھی۔ اس کی بینائی عموماً آئی اور نظر بالکل درست ہو گئی۔ دوسری آنکھ کے لیے دوائی دوبارہ تیار کرنے کے لیے کئی بار آپ کی والدہ صاحبہ نے حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں عرض کی، لیکن آپ نے کوئی التفات نہ فرمایا۔ جب آپ کو بہت مجبور کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "ایک ہی آنکھ کافی ہے"

حضرت قبلہ عالم کی رحلت کے وقت چونکہ آپ بچے ہی تھے اس لیے آپ نے رنگریزی کا فن حاصل نہیں کیا تھا۔ آپ کے برادر بزرگ حضرت میاں فخر الدین تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ ریلوے میں ملازم ہو گئے تھے۔ جب حضرت میاں دولت علی جوان ہو گئے اور کاروبار کرنے کے قابل ہوئے تو آپ کو بھی محکمہ ریلوے میں ہی ملازم کروا دیا گیا۔ ملازمت کے دوران ہی آپ کی شادی خانہ آبادی جالندھر شہر کے ایک مغل گھرانے میں ہو گئی جس سے آپ کے ہاں دو صاحبزادے ہوئے۔ بڑے صاحبزادے حضرت میاں غلام مصطفیٰ صاحب ہیں اور دوسرے چھوٹے صاحبزادے غلام مرتضیٰ ہیں۔ غلام مرتضیٰ ابھی شیر خوار ہی تھے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے ساری عمر تہجد ہی میں گزار دی۔

میاں غلام مصطفیٰ صاحب ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے، لیکن غلام مرتضیٰ صاحب اپنی پھوپھی صاحبہ کے زیر عاطفت پرورش پاتے رہے۔ اہلیہ محترمہ کی وفات کے بعد حضرت میاں صاحب کا دل ملازمت سے

اچاٹ ہو گیا۔ اس لیے آپ نے کچھ عرصہ بعد ملازمت ترک کر دی اور ہوشیار پور واپس تشریف لے آئے۔
 سرکار غریب نواز خواجہ محمد دیوان صابری رحمۃ اللہ علیہ آپ کا ہر طرح خیال رکھتے اور وقتاً فوقتاً جب بھی
 آپ سرکار غریب نواز کی خدمت اقدس میں جاتے آپ بوقت رخصت آپ کو اشیائے خورد و نوش اور پارچاٹ کے
 علاوہ نقد نذرانہ بھی پیش کرتے اور ہمیشہ ایسے ہی رخصت کرتے جیسے کہ مرید اپنے پیر کو رخصت کرتا ہے۔
 سرکار غریب نواز خواجہ محمد دیوان صابری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد زادوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بڑے
 صاحبزادے حضرت میاں فخر الدین توبدستور ریلوے میں ہی ملازمت اختیار کیے ہوئے تھے، لیکن جیسا کہ اوپر بیان
 ہو چکا ہے حضرت میاں دولت علی ملازمت ترک کر چکے تھے۔ سرکار غریب نواز نے کسب معاش کے لیے آپ کو
 کمیٹی بازار ہوشیار پور میں مٹی کے برتنوں کی دکان کھول دی اور میاں صاحب وہاں بیٹھ کر برتن فروخت کرتے رہتے۔
 کچھ عرصہ تو برتنوں کا کاروبار بڑے وسیع پیمانے پر جاری رہا، لیکن میاں صاحب کی طبیعت آزادی کی خواہاں
 تھی اور آپ آہستہ آہستہ علائق دُنیادی سے بے نیاز ہوتے جا رہے تھے۔ اس لیے یہ کاروبار بھی آپ کی عدم توجہی
 کی وجہ سے زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ آخر کار ایک دن دکان بند کر دی گئی۔

چونکہ سرکار خواجہ محمد دیوان صابریؒ حضرت میاں صاحب کا بہت خیال اور ادب ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ اس
 لیے آپ کے مریدین اور معتقدین بھی حضرت میاں صاحبؒ کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتے تھے
 حضرت خواجہ محمد دیوان صابریؒ کے وصال شریف کے بعد آپ نے مکمل طور پر درویشی اختیار کر لی۔ سرکار کے اتباع
 میں لباس تو پہلے ہی آپ جیسا پہنا کرتے تھے۔ اب نعلین چوہنی بھی پہننے لگے۔ سرکار کے وصال کے بعد آپ نے
 چارپائی پر بیٹھنا اور سونا تک ترک کر دیا۔ ہمیشہ زمین پر ہی سویا کرتے اور زمین پر ہی بیٹھا کرتے۔

آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے میاں غلام مصطفیٰ صاحب کو بھائی فضل محمد صاحب گھڑی ساز مرحوم و مغفور
 کے پاس گھڑی سازی کا فن سیکھنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود زیادہ وقت دربار ہر دو تھلہ شریف میں گزارنے لگے۔ آپ
 ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے۔ یہاں تک کہ آپ نے حقہ نوشی بھی ترک کر دی۔ کبھی کبھی گوشت کا کھانا بھی
 ترک کر دیا کرتے تھے۔ لہسن کا استعمال تو آپ نے قطعاً بند کر دیا تھا۔ ہمیشہ سادہ غذا اور کم کھانے پر اکتفا کرتے۔

تقسیم ملک کے بعد آپ سب سے پہلے گوجرانوالہ پہنچے اور قیام پذیر ہو گئے۔ آپ کے صاحبزادے میاں
 غلام مصطفیٰ صاحب رفیق و اچ کمنپنی لائل پور میں ملازم ہو گئے اور لائل پور میں ہی سکونت اختیار کر لی۔ میاں
 دولت علی صاحب کچھ عرصہ گوجرانوالہ میں رہے پھر وہاں سے قلعہ دیدار سنگھ چلے گئے۔ آخر وہاں سے بھی طبیعت
 اچاٹ ہو گئی تو لائل پور تشریف لے آئے۔ لائل پور میں غلام محمد آباد کالونی کو آرڈر نمبر ۴۴۷ میں قیام پذیر ہوئے

اور ہر سال ۲۱ چیت کو باقاعدگی کے ساتھ عرس خواجگانِ چشت، خواجہ حافظ کرم بخش اور خواجہ محمد دیوان صابری رحمۃ اللہ علیہما کرایا کرتے تھے۔ کثرتِ عبادت کی وجہ سے ماہِ رمضان شریف ۱۳۷۹ھ میں آپ علیل ہو گئے۔ باوجود بیماری کے روزے رکھنے شروع کر دیے، لیکن جب بیماری نے شدت اختیار کر لی تو روزے ترک کر دیے گئے۔ علاج میں حضرت میاں غلام مصطفیٰ صاحب نے بڑی کوشش اور جانفشانی سے کام لیا۔ لیکن طبیعت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ آخر ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ بروز جمعرات بوقت ڈیڑھ بجے بعد دوپہر آپ واصلِ بحق ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا رَاجِعُونَ۔ آپ کا مزار چوہڑا جرابر لبِ سترک نزد والا بنگلہ واقع ہے۔

حضرت مولوی نوازش علی چشتی نظامی

آپ حضرت شیخ المشائخ حافظ محمد موسیٰ مانکپوری چشتی صابری کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت سید محمد اعظم چشتی صابری (روپڑ ضلع انبالہ) بھارت سے مشرف بیعت تھے۔ آپ کے حالات زندگی پر وہ اخفاء میں ہیں۔ کوشش بسیار کے باوجود کہیں سے تیسر نہیں ہو سکے۔

حضرت حافظ محمد موسیٰ چشتی صابری نے سید محمد اعظم چشتی صابری سے بیعت و خلافت حاصل کی۔ خاندان چشتیہ صابریہ کے مشائخ ہیں۔ آپ بے نظیر وقت تھے۔ آپ اویس حضرت میراں جی رحمۃ اللہ کے تھے۔ حضرت عارف باللہ مولانا سید امانت علی صاحب امر وہی فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ جی کو یہ کہتے ہوئے سنا (میراں جی یہ کام نہیں ہوا) مرضِ وفات میں حضرت مولانا سید امانت علی صاحب اور حضرت شاہ خاموش صاحب حیدرآبادی اور عبداللہ شاہ بھانی سری اور حضرت شاہ جی جان اللہ صاحب خانپوری اور حضرت حاجی مسکین شاہ صاحب کو حضرت حافظ صاحب نے اشارہ فرمایا کہ تم میں میری جگہ کوئی بیٹھے اور خانقاہِ تعلیم و تربیت کا کام اپنے ذمے لے لے، مگر ہر ایک نے عذر کیا۔ آخر الامر پیر شاہ کو منتخب فرمایا اور تمام درویش بھی اس امر سے رضامند ہو گئے، کیونکہ بیماری میں حضرت حافظ صاحب کی بڑی خدمت کی تھی۔ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ میں آپ نے وفات پائی۔ تمام درویشوں نے پیر شاہ کو دستار باندھی اور مندر پر بٹھا دیا۔ حضرت حافظ صاحب کے خلفاء میں مولانا سید امانت علی صاحب زیادہ مشہور عارف واصل اور شیخ کامل تھے۔ ابتدا ہی سے آپ زیور تقویٰ اور پرنسپل گاری سے آراستہ تھے علوم ظاہری آپ نے بمقامِ دہلی حاصل کیے تھے۔ اور طریقت کے آداب ابتدا میں حضرت شاہ غلام حسین صاحب خلیفہ حضرت اخوند فقیر صاحب اور حافظ کامگار خاں صاحب سے سیکھے تھے۔ حسب ہدایت حضرت حافظ سید محمد حسین عرف بلکے صاحب مانک پور پنچ کر حضرت حافظ جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت فرمائی۔ عباس خاں رئیس مراد آباد حضرت مولانا سے مرید ہو گیا تھا۔ آپ کے کئی خلیفہ ہوئے۔ شاہ سعادت اللہ صاحب آپ کے قدیمی خادم اور خلیفہ تھے۔ ان کے خلیفہ میر غلام حسین امر وہی ہوئے، ان کے خلیفہ حکیم اعظم علی دہلوی ہیں اور حکیم اعظم علی صاحب نے شاہ عنایت احمد صاحب قدوسی کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ حکیم اعظم علی صاحب ہر مہینہ کی تاریخ سیزدہم کو حضرت مخدوم العالمین کلیری کی فاتحہ دلاتے تھے اور مجلسِ سماع منعقد کرتے تھے۔ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے خلفاء میں ایک خلیفہ حضرت مولوی نوازش علی صاحب ساکن ضلع ہوشیار پور تھے۔ ان کے خلیفہ مولانا سید عبدالعزیز صاحب انبیسوی تھے۔ (الوار العاشقین۔ حولہ و مشاق اصحاب)

حضرت سید اللہ یار شاہ

حضرت سید اللہ یار صاحب رحمۃ اللہ علیہ بجواڑہ ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ آپ کے متعلق حالات حیات مبارک پردہ اخفاء میں ہیں۔ آپ صائم اللہ ہر قائم الیل صفت انسان تھے۔ پچھٹے پڑانے کپڑے پہنتے۔ لذیذ غذا سے کلی طور پر پرہیز رکھتے تھے۔ شب کے آخر پہر ذکر جہر میں مشغول رہا کرتے تھے۔ کافی عرصہ تک اپنے پیرومرشد حضرت سید حسن رسولؒ نما دہلوی کی خدمت بابرکت میں حاضر رہ کر تحصیل علم ہاتھ کر کے پیرومرشد کے حکم سے اپنے

ماں آپ کا اسم گرامی سید حسن اور لقب رسولؒ نام تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد بخارا سے ترک سکونت کر کے موہان متصل بکھنویں سکونت پذیر ہوئے پھر وہاں سے نارول چلے آئے۔ آپ کے آباؤ اجداد میں حضرت عثمان نارولی اور سید تاج الدین شیر مارچاہک مار شہرہ آفاق بزرگ تھے۔ آپ کا طریقہ اویسیہ مشہور ہے، لیکن شجرہ منظم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ مادر زاد ولی تھے۔ اپنے والد کے فوت ہونے پر سرکاری طور پر خوانین کے منصب پر فائز ہوئے۔ جب آپ کی عمر ۱۸ سال کی ہوئی تو خاندانی پریشانیوں سے تنگ آ کر تحصیل علم کے لیے اکبر آباد چلے آئے۔ وہاں سے آپ نے پورب کا رخ کیا۔ ایک دن اثنائے راہ میں کسی سے یہ حدیث قدسی سنی۔ "جو شخص ایک بالشت بھر مجھ سے نزدیک ہوئیں ایک گز اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔" یہ خیال آتے ہی غلبہ عشق و محبت میں اُدبے اُدبے پہاڑوں اور درختوں پر چڑھ کر چلتے بارگاہِ اہل حق میں پہنچ گیا ہوں تو کہاں ہے۔

آپ نے چودہ سال تک درس و تدریس کی۔ شب کو یاد الہی میں منہمک رہتے۔ ایک دفعہ جون پور میں قصبہ بھول میں قیام فرمایا۔ وہاں کا چودھری جلال الدین مرید ہو گیا۔ اُس نے استدعا کی میرے بارہ بیگے خر بوزے کے کھیت ہیں ان میں قدم رنج کی تکلیف گوارا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تین بیگے سرکارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کی نیاد کے لیے پیش کر دو تو حاضر ہوں ورنہ نہیں۔ صاف جواب پا کر وہ شخص رنجیدہ ہو کر سویا تو خواب میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرت ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تمہیں سید حسن رسولؒ نما ارشاد فرماتے ہیں تمہیں کرو چنانچہ وہ شخص خواب سے بیدار ہو کر خوش خوش علی الصبح حاضر ہوا اور مقزہ نیاز پیش کی۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ کل تو انکار تھا اور آج اقرار اور پھر اسرار میں چہ معنی۔ اُس نے دست بستہ عرض کی کہ سرکار انکار میری پست ہمتی کا نتیجہ تھا اور اقرار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان واجب الذممان کا کرشمہ اتفاتِ عذیبہ مرا تھے خواب نے کہ بیداری راست آپ نے نیاز قبول کر کے غرابہ مساکین کو عام اجازت دے دی کہ خر بوزوں کا کھیت لوٹ لو۔ یہ منادی سن کر غریب مسکین جوق در جوق آگئے اور کھیت لوٹ لیا۔ اس دن سے آپ سید حسن رسولؒ نما کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرسی پر بدلق افروز ہیں۔ دست مبارک میں ایک انگوٹھی ہے جس کے نگینہ پر اللہ کا اسم پاک کندہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک کے نام کی اس طرح نگہداشت کرنی چاہیے۔ اس کے بعد اپنا ہاتھ میرے دل پر رکھا۔ دل سے ظلمت ندر ہو کر اسم پاک منقوش ہو گیا۔ چودہ سال درس و تدریس اور ریاضات و مجاہدات کے بعد نارول واپس لوٹے۔ اپنے نفس پر مندرجہ ذیل

وطن بجاوڑ ضلع ہوشیار پور تشریف لے آئے اور دین اسلام کی تبلیغ کر کے عوام و خاص کو راہ مستقیم دکھائی۔

شرائط کی پابندی عاید کر لی، خویش و اقربا کی وعظ و نصیحت سے محترز رہوں گا۔ اپنے منہ کو سیاہ کرنے کی کچھل میں پھروں گا۔ ہر ایک سے بھیک مانگ کر کیا یا کر دوں گا، کسی سے راہ و رسم نہ رکھوں گا۔ اگر عوام میرے پاس آئیں تو دیوانہ بن جاؤں گا۔

آپ بارہ سال تک نارنول میں رہے۔ ایک رات کو دربار نبوی سے حکم ملا کہ فوراً جہاں آباد چلے جاؤ۔ خواب سے بیدار ہو کر اسی وقت دلی چلے گئے۔ آپ کے خوارق و عادات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے ذریعے ہزاروں اللہ کے بندے جمال جہاں آئے نبوی سے فیض یاب ہوئے۔ اس لیے آپ کو سید حسن رسول نما کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے جو بزور بادو حاصل نہیں ہوتی۔

ارشاد اقدس عالیہ

انسان کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اس سے جیا کرے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے۔ اخلاص کی کوشش کرو۔ اگر سالہا سال حرمین میں عبادت کرو لیکن اخلاص سے بہرہ و نہ ہونگے تو کچھ نہ پاؤ گے۔ نماز پڑھو جہاں تک ہو سکے امام نہ بنو کسی شخص کے ضامن نہ بنو۔ دوسرے کے معاملے میں دخل نہ دو، کم خوردن پر عمل کرو، نامحرم اور اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے سے پرہیز کرو، مخلوق خدا کی حاجت روانی کے لیے دست سوال پھیلانے سے دریغ نہ کرو، اپنا کام اپنے ہاتھوں سے کرو اور خداموں کا ہاتھ بٹاؤ۔ اگر غیب کی باتیں منکشف ہونے لگیں تو ان کو پوشیدہ رکھنے چاہیے۔

مریدین: ۱۔ میاں علی خاں صاحب مشاہدہ و مجاہدہ تھے۔ ۲۔ غضنفر بیگ، گاڑھے کے کپڑے پہنتے تھے، صفائی باطن بدرجہ کمال حاصل تھی۔ ۳۔ مرزا بیگ گھنڈر مشائخ کی وضع کے پابند اور فیاض تھے۔ ۴۔ میاں سلطان محمد کرنالی، اپنے وقت کے متوکل اور متورع عالم تھے۔ ۵۔ میاں جمال خاں معلم، درس و تدریس کا پیشہ رکھتے تھے۔ ۶۔ میاں لعل محمد قدم درگاہ رسول کے خادم تھے۔ ۷۔ سید رحمت اللہ سامانی۔ ۸۔ شیخ بازید حسن پوری۔ ۹۔ شیخ عبدالواحد۔ ۱۰۔ شیخ نور الدین، صاحب مکاشفات تھے۔ ۱۱۔ سید محمد مراد۔ ۱۲۔ محمد سعید درویش۔ ۱۳۔ محمد رضا میرٹھی۔ ۱۴۔ شاہ محمد انغان۔ ۱۵۔ عمر خاں۔ ۱۶۔ محمد رضا کرنال۔ ۱۷۔ شیخ ابراہیم کرنالی۔ ۱۸۔ پیر محمد یہ گویا تھے درویشی اختیار کر لی تھی۔ ۱۹۔ جان محمد۔ ۲۰۔ سید عبدالرحمن۔ ۲۱۔ جان فقیر۔ ۲۲۔ رستم علی۔ ۲۳۔ خواجہ سلطان۔ ۲۴۔ سید محمد ہاشم۔ ۲۵۔ سید قطب ہاپوڑی۔

وصول تشریف: ۲۲ شعبان ۱۱۰۳ھ بروز ہفتہ۔ مزار اقدس دہلی میں مرجع خلافت ہے۔

ماخذ

- تاریخی فیصلہ (عبدالواحد قریشی نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی)
- فیصلہ کن معرکہ (بیدار ملک - پاکستان سٹڈی سنٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور)
- سلیم التواریخ (مولوی محمد اکبر علی صوفی جالندھری - ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی)
- ہوشیار پور گیزٹیئر (جلد ۸ (۱۳۱۱) پبلشر پنجاب گورنمنٹ)
- جغرافیہ ہوشیار پور (پنڈت ہیراج بی۔ اے)
- تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء (حبیب احمد چودھری)
- تحریک پاکستان (مرزا جانناز)
- حقیقۃ الاولیاء (مفتی غلام سرور مترجم پروفیسر اقبال مجددی)
- مخزن پنجاب (مفتی غلام سرور)
- حیات صابری (سید عبدالغنی قانونگو)
- مشائخ نقشبند (نور بخش توکل ایم اے)
- مشائخ قادریہ (محمد دین - بی اے)
- پاکستان کی قیمت (منشی عبدالرحمان خاں)
- شریف التواریخ (جلد سوئم حصہ سوئم، ششم، نہم اور دوازدہم - حضرت شرافت نوشاہی)
- یاد پیر (محمد عمر خاں ہوشیار پوری)
- مکتوبات عبدالنبی شامی (مترجم سلیم الرشید شامی)
- تذکرہ روسائے پنجاب (سر لیپل ایچ گرن - کرنل میسی صاحبان)
- تاریخ راجپوتانہ (بھائی کاہن سنگھ)
- افاغہ ہوشیار پور (محمد ایوب خاں انصاری)

تاریخ ہند (مولوی ذکاء اللہ)

تاریخ اسلام جلد نمبر ۱ (شاہ معین الدین احمد ندوی۔ سعید اینڈ کو پاکستان۔ چوک کراچی)

تاج التواریخ (نصرت علی قیصر۔ مطبوعہ نصرت مطبع دہلی)

اُردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (ناشر دانش کدہ پنجاب لاہور)

ذکر پاکاں (محمد صدیق ناصر)

تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت (علامہ اقبال احمد فاروقی۔ ایم اے)

سیرت امیر ملت (محمد صادق قصوری اسید اختر حسین علی پوری)

صوفیہ نقشبند (حکیم امین الدین احمد)

مشائخ چشت (خلیق احمد نظامی)

سٹرملکوں (شاہ فقیر اللہ نوشاہی مکیر پانی)

احسن القصص (مولوی غلام رسول عالم پوری)

فوائد الفواد (خواجہ حسن سجزی)

مہابھارت (منظوم) (ناشر منشی نول کشور، کان پور)

قائد اعظم میری نظریں (حسن اصفہانی)

حیات قائد اعظم (چودھری سردار محمد خاں عزیز)

کارواں شوق (آفتاب قرظی) - سیالکوٹ گیزٹیر ۱۹۰۴ء

انوار العاشقین (مشتاق احمد) - تذکرہ شعراء پنجاب (مولا بخش کشتہ مرحوم)

اخبارات : پیسہ اخبار ۱۹۴۶ء، سراج الاخبار - ۲۲ جنوری ۱۸۹۴ء، جہلم

نوائے وقت - ۱۹۴۶ء، ایسٹرن ٹائمز لاہور ۱۹۴۷ء

رسائل : المعارف لاہور، مئی جون ۱۹۸۲ء - خاتون (ہفتہ وار) لاہور

زمانہ (ماہوار) کان پور - اُردو (سہ ماہی) کراچی

قومی ڈائجسٹ (صحابہ کرام نمبر)

مقالہ جات : پنجاب مسلم لیگ کی سول نافرمانی تحریک ۱۹۴۷ء (فردوسیہ فضل)

پنجاب میں ۱۹۱۹ء میں فسادات (مس شہناز اختر)

تذکرہ شعرائے وارثیہ (زیر طبع)

مرتبہ: میاں عطا اللہ ساگر وارثی

شادم از زندگی خوشی سے کہ کارے کردم

تذکرہ ہذا میں بانی سلسلہ عالیہ وارثیہ قطبِ زمان حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ اعلیٰ مقامہ کا جامع اور مختصر تذکرہ حیات کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام مستفیض ہو سکیں اور سہ کار عالم پناہ کے پسندیدہ اشعار بھی درج کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ دربار وارثیہ کے شعراء حضرت جو دربار وارث دیوبند شریف ضلع بارہ بنکی یوپی (بھارت) کے مشاعروں میں نہایت عقیدت، محبت اور وضع داری کے ساتھ شمولیت کرتے تھے جن میں مضطر خیر آبادی، سیما اکبر آبادی، اکبر وارثی، قبلہ بیہم شاہ وارثی، اوگھٹ شاہ وارثی اور ابوالحسن شاہ وارثی کے علاوہ تقریباً ایک سو شعرائے وارثیہ کا چیدہ چیدہ کلام درج کیا گیا ہے۔ ان حضرات کے کلام کو ان کے اپنے دور میں جو پذیرائی حاصل تھی وہ آج بھی قائم و دائم ہے۔ ان کی اہلیت، ان کی آزادی، ان کی بے باکی، ان کا شعر و شباب کا ماحول اب کہاں تیسرا آسکتا ہے۔ آج بھی ان کے کلام کو پڑھ کر روحانی مستر میں حاصل ہوتی ہیں

یارب وہ بزم میں کیا ہوئیں وہ لوگ کیا ہوئے

مدت ہوئی جسم کو جاں سے جدا ہوئے

ان حضرات کے کلام فصاحت و بلاغت اور لطافت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی شخصیت اور وجاہت سے بھی ایک دنیا مرعوب تھی۔ وہ نازک خیال پاکیزہ مقال تھے۔ تذکرہ ہذا حمدیہ، نعتیہ، غزلیات اور سلام و منقبت سے آراستہ کلام بڑی محنت، لگن اور تحقیق کر کے درج کیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ جن شعرائے حضرات کے حالات زندگی دستیاب ہو سکے بمعہ حوالہ کتب و رسالہ جات درج کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ موجودہ دور کے سلسلہ عالیہ سے وابستگی رکھنے والے شعراء حضرات کا کلام بھی درج کیا گیا

ہے تاکہ قارئین کرام زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں

خوشبو ہر ایک رنگ کی عطر سخن میں ہے

ہر پھول کی بہار ہمارے چمن میں ہے

ملنے کا پتہ: وارثیہ منزل، پاکہ سٹریٹ، اسلام آباد کالونی، سمنے آباد لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

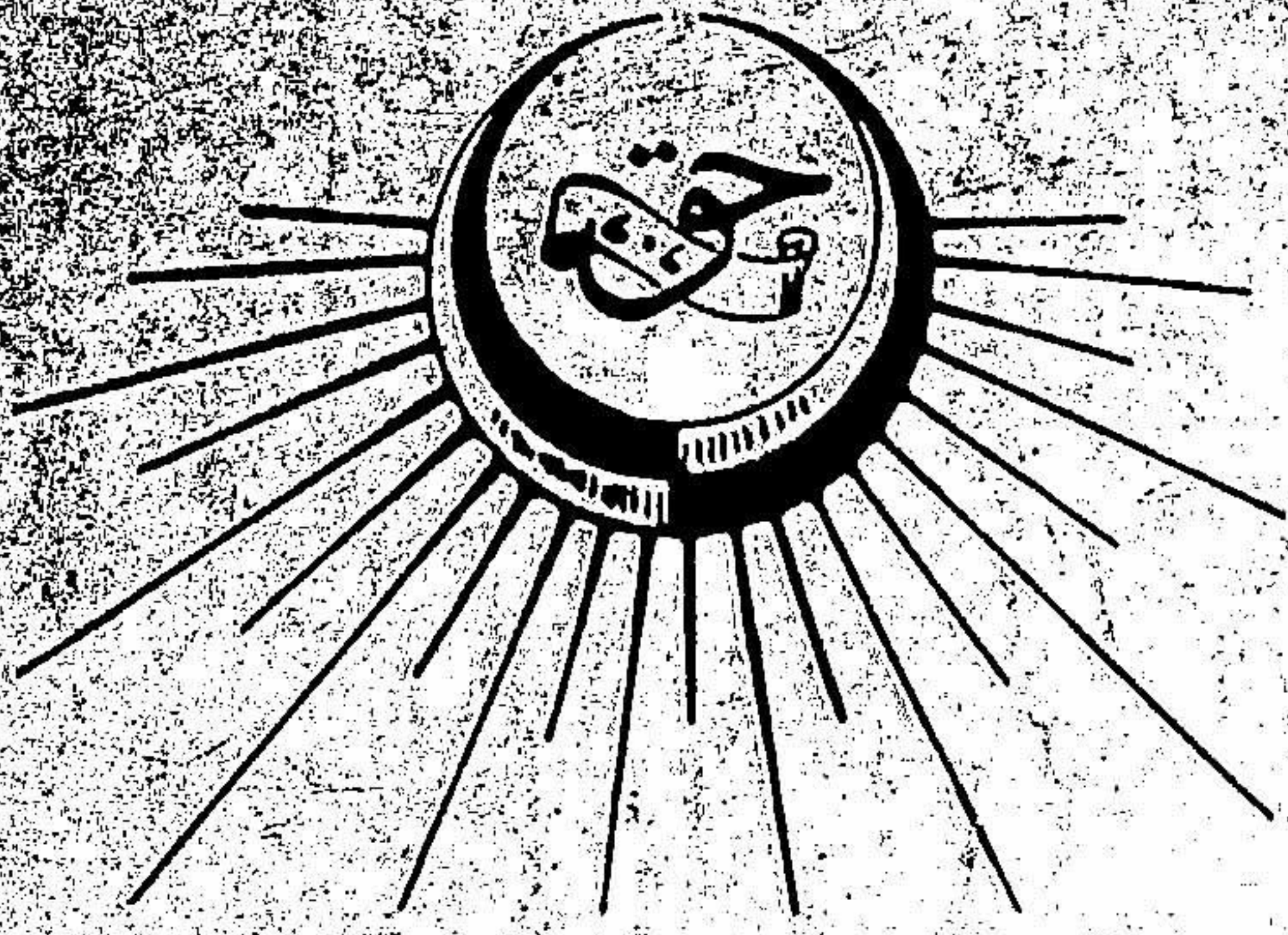
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

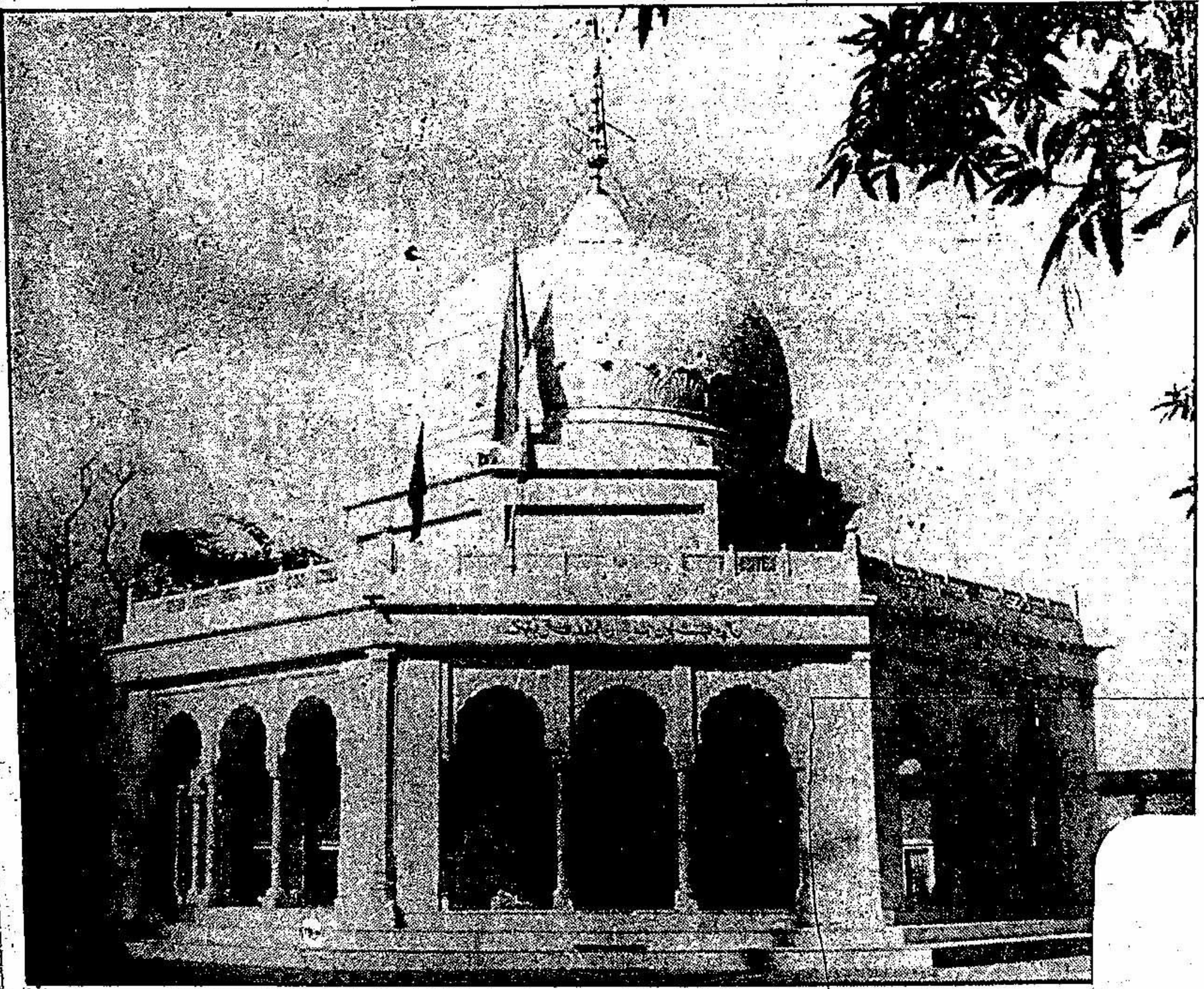
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

درست نامہ

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	درست
۴۷	۷	خانوادہ کے رہتے تھے	خانوادہ میں رہتے تھے
۴۹	آخری دو	کئی ہندو گوجر بھی ہیں	کئی ہندو گوجر بھی تھے
"	"	اکثر گوجر کھیتی باڑی کرتے ہیں	اکثر گوجر کھیتی باڑی کرتے تھے
۵۰	۱	تمام آرائیں مسلمان ہیں	تمام آرائیں مسلمان تھے
۵۶	۱۸	عمرین عبدالعزیز	عمر بن عبدالعزیز
۶۲	۵	بقول ہندو	ہوشیار پور سے
۱۴۶	۱	ہوشیار پور	ہوشیار پور
۱۵۱	۳	جلاء	جلا
۱۷۸	۱۵	حضرت	حضرت
۲۳۶	۱۷	بستی نو	بسی نو
۲۵۴	۵	مستقبل	مستقل
۲۵۶	۱۰	ان کا مزار مکیریاں ہے	ان کا مزار مکیریاں میں ہے
۲۶۷	۹	ایک دفعہ ایک افغان	ایک دفعہ ایک شخص
۲۶۷	۱۲	اچانک اس افغان	اچانک اس شخص
۲۶۸	۱	اس افغان	اس شخص



ہستیاخ ہوشیار پور



میاں عطاء اللہ ساگر وارثی